محمد اسحٰق بھٹی
www.KitaboSunnat.com
برصغیر میں علم فقہ

برصغیر میں علم فقہ

محمد اسحاق بھٹی

۱۴۳۰ ہجری ۲۰۰۹ء

نام کتاب : برصغیر میں علم فقہ

تالیف : محمد اسحاق بھٹی

اہتمام : بیت الحکمت، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

انتساب

اپنے دادا مرحوم میاں حکیم محمد کے نام جن کے فیضِ تربیت نے پہلے پہل میرے ذہن میں فقہی ذوق کی پرورش کی۔ انھوں نے جولائی ۱۹۳۹ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب) میں وفات پائی۔

www.KitaboSunnat.com

محمد اسحاق بھٹی

(۱)......الفتاویٰ الغیاثیہ

(۲)......فتاویٰ قراخانی

(۳)......فوائد فیروز شاہی

(۴)......فتاویٰ تاتارخانیہ

(۵)......فتاویٰ حمادیہ

(۶)......فتاویٰ ابراہیم شاہی

(۷)......فتاویٰ ابراہیم شاہی

(۸)......فتاویٰ امینیہ

(۹)......المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ

(۱۰)......فتاویٰ بابری

(۱۱)......فتاویٰ عالم گیری

مقدمہ

فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لغوی اعتبار سے لفظ ''فقہ'' کے معنی فہم و ادراک کے ہیں اور اصطلاح شرع میں، فقہ کا اطلاق اس فہم خاص پر ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی ضیا پاشیوں سے ماخوذ ہو۔ اسی طرح فقیہ، سمجھ دار، دانش مند اور فہیم آدمی کو کہا جائے گا۔ لیکن جب اس کا اصطلاحی معنی لیا جائے گا تو فقیہ، اس شخص کو کہیں گے جو مآخذِ شریعت میں اس طریق سے مہارت رکھتا ہو کہ پیش آمدہ مسائل کے متعلق ان سے ٹھیک ٹھیک جواب کا استنباط کر سکے۔

فقہ کی ضرورت و اہمیت:

عہد رسالت مآب علیہ الف الف تحیۃ وسلام میں، اسلام کا دائرہ محض حدودِ عرب تک محدود تھا۔ عربوں کی معاشرت سادہ تھی۔ ضروریات کا دامن سمٹا ہوا تھا اور مسائل و وسائل کے سلسلے نہایت مختصر تھے۔ اس بنا پر تقاضائے مصلحت یہی تھا کہ لوگوں کو ضروریات کی حد تک، اصولی اور بنیادی چیزیں سمجھا دی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان اساسی اور بنیادی اصولوں میں اتنی وسعت اور لچک بھی ملحوظ رکھی جائے کہ عند الضرورت اور عند النوازل ان سے مسائل کا استنباط ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں اسلام کی حدود بہت بڑھ گئیں اور مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ اس درجہ وسعت پذیر ہوا کہ عراق، ایران، مصر اور شام وغیرہ کے متمدن و زرخیز علاقے ان کے زیرنگیں آ گئے۔ اندلس، افریقہ، ترکستان، ایشیا اور سندھ وغیرہ کے دُور دراز مقامات پر ان کی فتح و نصرت کے علم لہرانے لگے تو اسلام کو نئے مسائل، نئے تمدن، نئے معاشرے، نئی تہذیب، نئی ثقافت اور نئی معاشرتوں

سے واسطہ پڑا۔ نئے ذرائع آمدنی وخرچ سامنے آئے، نئے نظام زراعت و اقتصاد سے تعارف ہوا اور معاملات کی نئی سے نئی شکلیں ظہور پذیر ہوئیں۔ قدرتی طور پر ان سے بہ طریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لیے نظر و بصر میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور فکر و فہم کے زاویوں میں شدت سے احساسِ تبدیلی رونما ہوا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تابعین کے عہد آخر میں آئمہ عظام کی ایک جماعت نے کتاب و سنت کو پیش نگاہ رکھ کر، اس کے مقرر کردہ حدود و قوانین کے مطابق، ایک ایسا ضابطۂ زندگی مرتب کر دینے کی طرح ڈالی جو اس دور کے تقاضوں کو بہ وجہ احسن پورا کر سکے۔ اس طرح وقت وضرورت کے مسائل ایک نئے علم کی تدوین کا باعث بنے، جس کو " علم الفقه " کے نام سے موسوم کیا گیا۔

مآخذِ فقہ:

فقہ اسلامی میں استدلال و استنباط کی تین بنیادیں ہیں:

۱: کتاب اللہ۔

۲: سنت رسول اللہ۔

۳: رائے و قیاس صحیح۔

فقہ کے ان مآخذِ ثلاثہ کی مختصر الفاظ میں وضاحت کی جائے تو بات یوں بنتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے لے کر آپؐ کے وصال تک قرآنِ مجید کی آیات وسُوَر کا نزول بہ تدریج ہوتا رہا۔ آغازِ اسلام میں اوّلیں کام مسلمانوں کے عقیدہ و فکر کی اصلاح، تذکیر و موعظت اور ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنا اور جلا بخشنا تھا، اس لیے سب سے پہلے عقائد، تذکیر، اخلاق سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ پھر دوسرا مرحلہ احکام و اوامر کا تھا۔ لہٰذا اس کے بعد آیاتِ احکام کا نزول ہوا، جو مستقل طور پر بھی نازل ہوئیں اور ان واقعات کے جواب میں بھی اتاری گئیں جو وقتاً فوقتاً اس زمانے میں مسلمانوں کو پیش آتے رہے۔

قرآن کے احکام و اوامر پر رسول اللہ ﷺ خود عمل کرتے اور صحابہ کو ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم صادر فرماتے۔ ان احکام کی مزید وضاحت فرماتے اور پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں اسی کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے۔ اللہ کی طرف سے ان نازل شدہ احکام

میں چوں کہ قلت تکلیف اور عدم حرج خصوصیت سے ملحوظ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ بھی تبیین وتوضیح میں اس کا خاص خیال رکھتے۔

اقسامِ احکام:

قرآنِ مجید، متعدد مضامین پر مشتمل آیات کا دل نواز اور روح پرور مجموعہ ہے۔ اس میں امم سابقہ کا ذکر بھی ہے، قصص وواقعات بھی خاص اسلوب سے بیان کیے گئے ہیں اور پند وموعظت کا بھی ایک دل نشین سلسلہ موجود ہے۔ ان کے علاوہ آیاتِ احکام ہیں، جن کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ اور یہ احکام دو اقسام میں منقسم ہیں۔

(۱) وہ احکام جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق صرف انسان اور اس کے خدا سے ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور دوسری عبادات۔

دوسرے وہ احکام، جن کا تعلق اگرچہ بہ ظاہر انسان اور اس کے خدا سے ہے، تاہم ان میں دوسرے لوگوں کا بھی کسی نہ کسی شکل میں تعلق پایا جاتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات اور جہاد وغیرہ۔

(۲) حقوق العباد کے بارے میں احکام، تین اقسام کا احاطہ کیے ہوئے ہیں:

اوّل: وہ جو استقلالِ خاندان اور روابط معاشرہ سے متعلق ہیں۔ مثلاً نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ۔

ثانی: وہ جو باہمی معاملات کی وضاحت کرتے ہیں۔ جیسے بیع وشرا، تجارت، اجارہ اور ہبہ وغیرہ۔

ثالث: وہ جو تعزیر اور انتظامِ مدن کے ضمن میں ہیں۔ مثلاً قصاص، حدود، سیاسی معاہدات، جزیہ اور مفادِ عامہ سے متعلق امور۔

احادیث رسول:

قرآنِ مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض اور آپ کے طریقے اور عمل کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے۔ دین کے باب میں آنحضرت ﷺ کے تمام اعمال وارشادات کو تسلیم کرنا لازم ہے، کیوں کہ ان کی حیثیت وحیِ الٰہی کی ہے۔ صحابہ بلاحیل وحجت آپ ﷺ کے

اعمال وفرامین پر عمل کرتے تھے۔

عہد نبوت میں عام طور پر احکام کے بارے میں فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ وغیرہ اصطلاحات مروّج نہیں تھیں۔ صحابہ کرام نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ سنتے یا جس طرح آپ کو عمل کرتے دیکھتے، اسی طرح خود بھی عمل کرتے۔ مثلاً آپ کو وضو کرتے دیکھا تو اسی طرح وضو کرلیا۔ یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ افعالِ وضو میں کون سے افعال فرض ہیں، کون سے مسنون ہیں اور کون سے مستحب۔ صحابہ، نبی ﷺ سے مسائل بھی بہت کم پوچھتے تھے۔ البتہ کوئی اہم واقعہ پیش آتا یا کسی معاملے میں وضاحت وصراحت کی ضرورت محسوس کرتے تو پوچھ بھی لیتے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ، ان باتوں کی خود ہی ہدایت فرمادیتے، جس کی عام انسانوں کے لیے ضرورت سمجھتے۔

صحابہ اور تابعین کی اجتہادی آراء:

فقہ کا تیسرا ماخذ، کتاب وسنت کی روشنی میں رائے وقیاس صحیح ہے۔ اس کا ثبوت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ملتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل ۱۰ھ میں ان کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان سے جو کچھ فرمایا اور انھوں نے آپ سے جو کچھ عرض کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، قَالَ: كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ. قَالَ: فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. قَالَ: فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو، فضرب رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدره وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ.[1]

(رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ کوئی فیصلہ

---

[1] سنن أبي داؤد، کتاب الاقضية، باب اجتهاد الرأي في القضاء۔ نیز ملاحظہ ہو: جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء في القاضي كيف تقضي۔

طلب معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ کہا: سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ، دونوں میں نہ پاؤ؟ بولے: پھر اپنی رائے سے کام لوں گا اور صحیح رائے قائم کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے (ازراہِ مسرت) ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولؐ کے پیغام بر کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے اللہ کے رسولؐ کی رضامندی وابستہ ہے۔)

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

الفهم الفهم، فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة اعرف الامثال والاشباهَ ثم قس الامور عند ذلك، فاعمد الى احبها عند الله واشبهها بالحق فيما ترى. ❶

(یعنی فہم وادراک سے کام لو۔ فہم وادراک سے کام لو، ان مسائل میں جو کتاب وسنت میں نہ ہونے کی وجہ ، تیرے دل میں خلجان پیدا کریں۔ مسائل میں اشباہ وامثال کو پہچانو اور پھر ان کی روشنی میں، ان کے بارے میں ایسی رائے قائم کرو، جو تمھیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے قریب تر نظر آئے۔)

اجتہاد:

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت سے حکم شرعی مستنبط کرنے میں چند قیود وشرائط کے ساتھ پوری پوری کوشش کی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

- ایک یہ کہ کتاب وسنت کی منصوص عبارت سے استخراجِ مسائل کیا جائے۔
- دوسرے یہ کہ کتاب وسنت کے منصوص مسائل سے بذریعہ قیاس استخراجِ مسائل کیا جائے۔

---

❶ سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی (مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مطبع فاروقی دہلی، جلد:۲، صفحہ:۵۱۲)۔ نیز الفاظ کے کچھ تغیر وتبدل کے ساتھ اعلام الموقعین، جلد اول، ص:۷۲ (مطبع منیریہ مصر) بھی دیکھیے۔

عصرِ صحابہ میں استنباط و استخراج کا سلسلہ فقط انہی مسائل تک محدود تھا جو خارج میں پیدا ہوتے اور بطورِ واقعہ ظہور میں آتے، امکانی تفریعات کو موضوعِ بحث نہیں ٹھہرایا جاتا تھا۔ کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو ہدفِ غور و فکر قرار دیتے۔ اولاً اس کی تلاش کے لیے قرآنِ مجید کی ورق گردانی کی جاتی۔ اگر قرآن میں اس کا سراغ نہ ملتا تو احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اگر قرآنِ مجید اور احادیث رسولِ اکرم، دونوں کو اس کے تذکرے سے خالی پاتے تو مجلس صحابہ میں اس مسئلے کی نوعیت پر غور کیا جاتا اور کتاب و سنت کی روشنی میں کسی امر پر سب متفق ہو جاتے تو اس اتفاق اور اجماع کو بھی حجت شرعی سے تعبیر کیا جاتا اور یہ امر معمول بہ قرار پاتا۔ اجماع نہ ہونے کی صورت میں اہل افتا صحابہ اپنے اپنے اجتہاد اور رائے سے استنباط مسئلہ کرتے۔ اختلاف کی صورت میں کسی ایک صحابی کی تخریج پر عمل کر لینے کو بھی کافی سمجھا جاتا۔ بالعموم لوگ اپنے اپنے شہر اور علاقے کے اہل افتا صحابہ اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین کی پیروی کرتے۔

اس طرح یوں سمجھیے کہ عہد صحابہ میں استخراج مسائلِ فقہیہ کے چار اصول متعین ہو گئے تھے۔

(۱) قرآن۔ (۲) سنت۔

(۳) قیاس۔ (۴) اجماع۔

استنباطِ مسائل میں اختلاف:

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیائے فانی سے تشریف لے جانے کے بعد عہد صحابہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسعت پذیر ہوا اور اس کے دائرۂ عمل نے پھیلاؤ اختیار کیا تو مسلمانوں کا بہت سے ایسے امور سے سابقہ پڑا، جن میں اجتہاد و استنباط کی شدید ضرورت تھی۔ بعض اس قسم کے معاملات بھی سامنے آئے جن کا عہد نبوی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ایسے مواقع پر اہل علم کو استنباط، حمل النظیر علی النظیر اور قیاس سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور فہم مسائل اور ان کی تعبیر و وضاحت میں کئی مقامات پر اہل علم کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے اور ایسا ہونا ضروری تھا۔

اصحابِ فتویٰ صحابہ اور تابعین:

دینی نوعیت کے پیش آئند واقعات و مسائل کے سلسلے میں کسی ماہر شریعت کے دینی فیصلے کو

''فتویٰ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور فتویٰ دینے والے ماہر شرع اور عالم دین کو مفتی اور مجتہد کے پر اعزاز لقب سے پکارا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے اصل فیصلہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا جاری فرمودہ ہو۔ اسی بنا پر اس شخص کے فیصلے کو مستند اور قابل تسلیم گردانا جاتا ہے، جس کے فیصلے کی اساس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) قرار دی گئی۔

عہد نبوت میں اس قسم کے فیصلے خود رسول اللہ ﷺ نافذ فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی اس کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ اس مقدس جماعت میں سے بعض کو نبی ﷺ نے فیصلے کرنے کی اجازت دی اور بعض کو فیصلے کے اصول سمجھائے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر اصحاب افتا صحابہؓ نے یہ عظیم خدمت انجام دینا شروع کی۔ جن مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں، ان کی تعداد ایک سو انچاس (۱۴۹) ہے۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ فتاویٰ کی نوعیت کے اعتبار سے اس تعداد کو تین حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ مکثرین، متوسطین اور مقلین۔

مکثرین صحابہ:

مکثرین سے مراد وہ اہل فتویٰ صحابہ ہیں، جن میں سے ہر صحابی سے منقول و مروی فتاویٰ کا ضخیم مجموعہ اور کثیر مواد موجود ہے۔ وہ صحابہ سات ہیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق، امیر المؤمنین حضرت علی، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔

یہ حضرات صحابہؓ قرآن، حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

متوسطین صحابہ:

متوسطین سے صحابہ رسول اکرم ﷺ کی وہ جماعت مراد ہے، جن میں کے ہر صحابی سے منقول، فتاویٰ کا چھوٹا سا مجموعہ دست یاب ہوتا ہے۔ یہ بیس صحابہ کرام ہیں، جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

خلیفہ رسول اکرم حضرت ابوبکر صدیق، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان، اُمّ المؤمنین

حضرت اُمّ سلمہ، انس، ابوہریرہ، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن العوام، طلحہ، عبادہ بن صامت، ابوسعید خدری، سلمان فارسی، معاویہ، جابر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مقلین صحابہ:

وہ صحابہ، جن سے منقول فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے۔ بعض سے تو صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں۔ ان سب کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو بہت ہی چھوٹے سے مجموعے پر محتوی ہوں گے۔ ان صحابہ کو مقلین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد ایک سو بائیس ہے۔

مندرجہ ذیل صحابہ اسی زمرۂ مقلین میں شامل ہیں۔ [1]

ابوالدرداء، ابوذر غفاری، ابوایوب انصاری، ابوعبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، جعفر بن ابو طالب، حضرت حسن، حضرت حسین، اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ، اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ، اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ، نعمان بن بشیر، ابومسعود، براء بن عازب، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، سعد بن معاذ، خالد بن ولید، عقیل بن ابی طالب، حضرت فاطمۃ الزہراء، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، سعد بن عبادہ، عدی بن حاتم، عوف بن مالک، عبداللہ بن سلام، اُمّ شریک، حبیب بن مسلمہ، مقداد بن اسود، سہل بن سعد الساعدی اور عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مراکزِ فقہ:

دورِ خلافت راشدہ میں اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کے دائرے بڑھے اور نو آبادیوں کا سلسلہ پھیلا تو ضروریات کے پیشِ نظر حدودِ اسلامی میں مختلف مراکزِ فقہ اور مراکز افتا قائم ہوئے، جن میں اہم اور لائق تذکرہ سات، مراکز تھے۔ اور وہ تھے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں فقہ و افتا کے ان مراکز۔ سبعہ کا مختصر الفاظ میں تعارف کرا دیا جائے۔

مدینہ منورہ:

زمانۂ رسالت سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت یعنی ۳۵ھ تک مدینہ منورہ کو

---

[1] مکثرین، متوسطین اور مقلین صحابہ کے لیے تفصیلات اعلام الموقعین، جلد اول، صفحہ: ۹، ۱۰، ۱۱ میں دیکھیے۔

بلادِ اسلامیہ کے عظیم الشان مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ اس وقت خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے علاوہ صحابہ کرام میں حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت [1] اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ منورہ کے اکابر اصحاب فتویٰ حضرات تھے۔

ان کے علاوہ طبقہ تابعین میں مدینہ منورہ کے مشہور اصحابِ فتویٰ حضرات میں سے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب مخزومی، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی، امام علی زین العابدین، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عمر، قاسم بن محمد بن ابوبکر، سلیمان بن یسار، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، نافع مولیٰ ابن عمر، امام باقر محمد بن علی، امام جعفر صادق، یحییٰ بن سعید انصاری اور ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رحمہم اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات تابعین، حدیث وفقہ سے متعلق مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔

مکہ مکرمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد کچھ عرصے کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے مفتی اور معلم مقرر کرکے بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی زندگی کا آخری دور وہیں بسر کیا۔ اہل مکہ ان کے علم وفضل کی فراوانیوں سے بہت مستفیض ہوئے۔ تابعین میں سے حضرت مجاہد بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطا بن ابی رباح اور عبدالعزیز بن محمد بن مسلم زنجی رحمہم اللہ وہاں کے معروف اہلِ فتاویٰ تابعین تھے۔

کوفہ:

کوفہ اور بصرہ کی حیثیت فوجی چھاونیوں کی تھی۔ یہ دونوں شہر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

---

[1] ان کے تلامذہ میں سے بھی ہر بزرگ اپنی جگہ علمی وفقہی اعتبار سے نہایت عظمت ورفعت کے حامل تھے۔ چناں چہ امام ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں تحریر فرماتے ہیں: والدین والفقہ والعلم انتشر فی الارض عن اصحاب ابن مسعود و اصحاب زید بن ثابت واصحاب عبداللّٰہ بن عمرو اصحاب عبداللّٰہ بن عباس ۔ ...... ''یعنی دنیا میں، دین، فقہ اور علم، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے شاگردوں کی وساطت سے پھیلا۔'' تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین، جلد اوّل، صفحہ: ۱۶، مطبع منیریہ مصر۔

عہد خلافت میں آباد کیے گئے اور صحابہ کی اچھی خاصی جماعت ان میں سکونت پذیر ہوئی۔ کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم، مفتی اور وزیر مقرر کر کے بھیجا۔ وہ دس سال کوفہ میں مقیم رہے اور وہاں کے باشندوں نے ان سے بہت استفادہ کیا۔

یہ شہر ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی باشندگانِ کوفہ نے خوب استفاضہ کیا۔ ان دونوں کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی وجہ سے وہاں مسائل دینی کی بہت اشاعت ہوئی۔ کوفہ کے مجتہد اور مفتی حضرات بہت بڑی تعداد پر مشتمل تھے جو حضرت علی، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے فیض یافتہ اور شاگرد تھے۔ ان میں سے چند حضرات مندرجہ ذیل ہیں:

فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی، عالم و مفتی مسروق بن اجدع، معلم عراق عبیدہ بن عمرو سلمانی، فقیہ کوفہ عامر الشعبی: حماد بن ابی سلیمان، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، عمرو بن شرحبیل، ابراہیم بن یزید نخعی، قاضیٔ کوفہ شریح بن الحارث کندی اور اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

بصرہ:

مجتہدین بصرہ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خصوصیت سے اہمیت و شہرت کے حامل ہیں۔ ان کے بعد اجلہ صحابہؓ کے شاگرد حسب ذیل پانچ تابعی بصرہ کی مسند فقہ و افتا پر فائز ہوئے۔

ابو العالیہ رفیع بن مہران، فقیہ بصرہ ابو الشعثاء جابر بن یزید، حسن بن ابوالحسن بصری، محمد بن سیرین اور قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہم اللہ۔

شام:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کچھ عرصہ کے لیے حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو معلم اور مفتی کی حیثیت سے شام بھیجا تھا۔ ان کے بعد تابعین کرام میں سے وہاں زیادہ مشہور اصحاب افتا بزرگ، عبدالرحمٰن بن غنم، ابوادریس خولانی، امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز، قبیصہ بن ذویب، رجاء بن حیوۃ

اور مکحول بن سلمہ رحمہم اللہ گزرے ہیں۔ یہ سب حضرات تابعین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت معاذ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاویہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

مصر:

علاقہ مصر کے مفتی، عبداللہ بن عمرو بن العاص تھے۔ ان کے بعد وہاں کے تابعین میں سے مفتی مصر ابوالخیر مرشد بن بن عبداللہ اور مفتی مصر یزید بن ابی حبیب نے زیادہ شہرت پائی۔

یمن:

فقہ وافتا کے مشہور مراکز میں سے یمن کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ وہاں خود رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو امیر و معلم اور قاضی و عامل مقرر کر کے بھیجا۔ تابعین میں سے فقیہ یمن طاؤس بن کیسان، قاضی یمن وہب بن منبہ اور یحییٰ بن ابی کثیر نے بڑی شہرت حاصل کی۔

فقہ کے دو اہم مرکز:

اس ابتدائی عہد کے بعد عالم اسلامی میں فقہ کے دو اہم مرکز قائم ہوئے۔ ایک کوفہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سعی و نگرانی میں عراقی فقہ کا مرکز قرار پایا اور دوسرا مدینہ منورہ، جس کو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی علمی سیادت و قیادت میں حجازی فقہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اسی زمانے میں فقہ اسلامی کی تدوین کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

تدوین فقہ کی ضرورت اور اس میں باقاعدگی:

معاشرہ چوں کہ جامد نہیں ہے، حرکت پذیر ہے اور اسلام دائمی مذہب ہے، اس لیے دونوں کا یکساں اور ساتھ ساتھ چلنا ضروری ہے۔ اس کا احساس پہلی صدی ہجری میں اسی وقت ہونے لگا تھا، جب مسائل کے تنوع، ہمہ گیری اور ان کی تعبیر میں بوقلموں افکار نے ایسی صورت اختیار کر لی، جس کے پیش نظر اہل علم کو تدوین فقہ کی طرف عنانِ توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک مستقل شرعی علم کے قالب میں ڈھالنے کا جذبہ ان کے قلب و ذہن میں ابھرا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

اس ضمن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرفہرست نظر آتا ہے۔ وہ پہلے جلیل القدر بزرگ ہیں جو اقتدارِ بنوامیہ کے خاتمے کے بعد اپنے تلامذہ کی ایک بہترین جماعت کے ساتھ تدوین فقہ میں مصروف ہو گئے۔ حضرت امام ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے۔

طریقِ استنباط:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقِ استنباط یہ تھا کہ پہلے جوابِ مسئلہ، کتاب اللہ سے تلاش کرتے۔ وہ کتاب اللہ کی عبارۃ النص سے ہو، دلالۃ النص سے ہو، اشارۃ النص سے ہو یا اقتضاء النص سے۔ اگر اس میں کامیاب ہو جاتے تو اسی کا تعین کرتے۔ اگر کتاب اللہ سے سراغ نہ ملتا یا کتاب اللہ کی روشنی میں بات کا فیصلہ نہ ہو سکتا تو سنت مشہورہ کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر سنت مشہورہ کے ذریعے کسی نتیجے پر نہ پہنچ پاتے تو اہل افتا صحابہ اور تابعین کے اقوال اور قضایا میں اس کی تلاش شروع کرتے۔ اجماع کی طرف آتے اور اہل عراق صحابہ اور اہل عراق تابعین کے مسلک و مذہب کو محل فکر ٹھہراتے۔ اگر یہاں سے بھی جواب نہ ملتا تو قیاس اور استحسان سے مسئلے کا حل ڈھونڈتے۔ احادیث سے متعلق یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہتی کہ اگر حجازی اور عراقی صحابہ سے مروی، مرفوع احادیث میں اختلاف ہوتا تو بربنائے فقہِ راوی، روایت فقہ کو ترجیح دیتے۔

قبل از وقوع واقعہ پر غور:

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ سے قبل اصحابِ فتویٰ اور قضاۃ میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ جب تک کوئی نئی صورت حال ابھر کر سامنے نہ آتی، مسئلے پر غور نہ کرتے۔ لیکن امام صاحب کا نقطۂ نظر اس کے برعکس یہ تھا کہ جن امور میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا اندیشہ یا امکان ہے، ان پر اہل علم کو پہلے ہی غور کر لینا چاہیے تاکہ نئی صورت حال پیش آ جانے کی صورت میں اور عند النوازل انھیں کوئی اچنبھا نہ ہو اور وہ اسے ایسی بات نہ سمجھیں، جس سے وہ پہلے سے آگاہ اور باخبر نہ ہوں۔ ان کا نقطہ فکر یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان معاملات سے کوئی شخص دوچار ہو جائے تو از روئے شریعت، اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ مجلس تدوین فقہ میں امام صاحبؒ نے ان تمام مسائل فقہیہ کو پوری طرح ہدف فہم ٹھہرایا، جن کا عالم وقوع میں آنا ممکن تھا۔

ان کے شاگردوں میں سے چار شاگردوں نے بڑی شہرت پائی اور وہ عمودِ فقہ حنفی کہلائے۔ وہ ہیں، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام حسن بن زیاد۔ ان کی وجہ سے فقہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مسلک کو نہایت فروغ حاصل ہوا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

فقہ اسلامی کے دوسرے مضبوط ترین ستون امام مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر ہیں۔ امام مالک مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ان کے پڑدادا حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، جو غزوۂ بدر کے سوا تمام غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شریک ہونے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے۔

استنباط مسائل کے ذرائع:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ مسجد نبوی میں تقریباً پچاس سال مسند درس و افتا پر رونق افروز رہے۔ ان کے نزدیک تعامل اہل مدینہ مستقل حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور استنباط مسائل میں فقہ مالکی کے ذرائع یہ ہیں:

(۱) قرآن مجید۔

(۲) احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) تعامل اہل مدینہ۔

(۴) قیاس۔

(۵) استصلاح۔

امام مالک رحمہ اللہ کی ولادت ۹۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور مدینہ منورہ ہی میں ۱۷۹ ہجری میں وفات پائی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

فقہ کے تیسرے عظیم المرتبت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی

ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں صوبہ عسقلان کے ایک مقام غزہ میں ہوئی۔ انھوں نے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی سے تحصیل کی۔ امام شافعیؒ کی بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسلک محدثین، مسلک اہل حجاز بواسطہ امام مالک اور مسلک اہل عراق بواسطہ امام محمد، تینوں کے جامع تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسی فقہ مدون کی جس میں اہل عراق، اہل حجاز اور محدثین تینوں کا اسلوب فکر کارفرما تھا۔ جو فقہ انھوں نے عراق میں مرتب کی، اس میں عراقی رنگ غالب ہے۔ اسے ان کا مذہبِ قدیم کہا جاتا ہے۔ پھر مصر تشریف لے جانے کے بعد جو فقہ مصر میں ترتیب دی، اس میں حجازی رنگ نمایاں ہے۔ اسے مذہبِ جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ نے جس فقہ کی تدوین کی، اسے فقہ شافعی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

نہج استدلال:

امام شافعی کا انداز یہ ہے کہ وہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ اگرچہ وہ حدیث کسی مقام کے علما سے حاصل کی گئی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث متصل ہو اور اس کے رواۃ ثقہ ہوں۔ اسی بنا پر علمائے اہل حدیث میں ان کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اہل بغداد تو ان کو ناصر السنہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ حدیث کے بعد وہ اجماع کی طرف آتے ہیں۔ قرآن، حدیث اور اجماع، ان تینوں میں سے مسئلہ حل نہ ہو تو قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اصل معین ہو۔ اہل عراق کے استحسان اور اہل حجاز کے استصلاح کے وہ مخالف ہیں۔ البتہ ''استدلال'' کو قابل عمل مانتے ہیں، جو اس کے قریب قریب ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۰۴ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

فقہ کے چوتھے جلیل المرتبت امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی المروزی ہیں، جو ۱۶۴ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ بہت صاف اور سادہ ہے۔ دراصل وہ طریقِ

اصحاب الحدیث کو پسند کرتے ہیں، جس میں درایت اور عقل و جدل کا حصہ بہت کم ہے۔ فقہ حنفی کی تحصیل انھوں نے امام ابو یوسف سے کی۔ فقہ شافعی کے لیے براہِ راست امام شافعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور تکمیل حدیث کے لیے محدثین سے رجوع کیا۔

اصول استدلال:

حدیث و فقہ کے سلسلے میں ان کا اپنا اصول یہ تھا کہ قرآنِ حکیم اور صحیح السند حدیث پر عمل کی دیواریں استوار کی جائیں۔ وہ حنفیہ اور شافعیہ کی طرح درایت، تنقیح، مناط اور قیاس سے حتی الامکان دامن کشاں رہے۔ مالکیہ کا تعامل اہل مدینہ بھی ان کے نزدیک قابل احتجاج نہیں۔ امام احمد مرفوع و موقوف صحیح احادیث کو معمول بہا قرار دیتے ہیں۔ قیاس سے وہ بہ درجہ مجبوری کام لیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۷ سال عمر پا کر ۱۲ ربیع الاوّل ۲۴۱ ہجری کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

برصغیر میں علم فقہ:

علم فقہ اور آئمہ فقہ کے بارے میں یہ چند اصولی اور بنیادی باتیں تھیں، جن کا اس موقع پر اظہار ضروری تھا۔ اب یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ علم صرف خطہ عرب یا چند دیگر علاقوں اور ملکوں تک محدود نہیں رہا، بلکہ جیسے جیسے حلقہ اسلام وسیع ہوتا گیا اسی نسبت سے مسائل و ذرائع کا دامن دراز ہوتا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس علم میں بھی پھیلاؤ کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اس کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا اور علمائے فقہ کی تعداد بڑھتی گئی۔

ابتدائی صدی ہجری میں ہی اسلام کے لیے ترقی و تقدم کی راہیں کھل گئی تھیں اور اس نے بحر و بر کے دور دراز فاصلوں کو طے کر کے برصغیر پاک و ہند کو بھی اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا تھا۔ پھر یہاں بھی مختلف اسلامی علوم نے اپنے لیے جگہ بنائی۔ مفسرین پیدا ہوئے۔ محدثین نے بساط علم حدیث بچھائی اور فقہا نے بھی فہم و ادراک کی مسندیں آراستہ کیں اور کتاب و سنت کی ضیا پاشیوں کی وساطت سے اپنے ملکی ماحول کے مطابق پیش آئند مسائل کی گرہ کشائی کی۔ کتابیں لکھیں، مدرسے قائم کیے اور وعظ و ارشاد کی محفلیں سجائیں۔ غرض ہر طریق اور ہر نہج سے اپنی

بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔

قبل اس کے کہ برصغیر کے علمائے فقہ اور ان کی فقہی کاوشوں کا تذکرہ کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسلام کی آمد اور اس کی نشر و اشاعت سے متعلق اختصار کے ساتھ چند باتیں بیان کردی جائیں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس سرزمین میں اسلام کس طرح آیا، اس کی آمد کے اسباب و بواعث کیا ہیں اور وہ کس انداز سے پھیلا۔ پھر لوگوں نے اس کے لیے آغوشِ قبولیت کیوں کروا کی؟

بندرگاہِ تھانہ پر حملہ:

بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف فتوح البلدان کی دوسری جلد کے آخر میں فتوحِ سندھ اور فتوح سجستان و کابل کے عنوان سے، سندھ، کابل اور اس نواح کے دیگر مقامات کے واقعات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ عرب مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت (۱۵ ہجری) میں ہی ہندوستان کو مرکز توجہ ٹھہرالیا تھا۔ ۱۵ ہجری میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ اپنے تقرر سے چند روز بعد انھوں نے ایک بحری بیڑا تیار کیا اور اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بحری بیڑا بندرگاہِ تھانہ پر پہنچا جو گجرات اور کوکن (بمبئی) کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ حملہ کامیاب رہا اور مسلمانوں کو اچھا خاصا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

سندھ پر پہلا حملہ:

بعد ازاں اسی گورنر یعنی عثمان بن ابوالعاص نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاص کی سرکردگی میں ایک بحری بیڑا روانہ کیا جو سندھ کے مشہور شہر دیبل پہنچا۔ اس بحری بیڑے نے بھی دشمن کو شکست دی اور اسلامی جیش کثیر تعداد میں مالِ غنیمت لے کر واپس بحرین گیا۔ یہ سندھ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا۔

اسی زمانے میں مغیرہ بن ابوالعاص کے دوسرے بھائی حکم بن ابوالعاص دوسرا بحری بیڑا لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بھڑوچ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ گجرات پر ان کا دوسرا حملہ تھا۔

بعد ازاں عہد فاروقی میں مسلمانوں نے ان علاقوں پر بری حملے بھی کیے۔

کابل پر حملہ:

۲۵ ہجری میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن عامر نے کابل پر حملہ کیا اور لڑائی کے بعد مسلمان کابل پر قابض ہو گئے۔ کابل کو ہندوستان کے مضبوط دروازے کی حیثیت حاصل تھی، جس کو مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا۔

زرنج پر قبضہ:

اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تجربہ کار ماہر جنگ تھے، زرنج اور کش اور ان کے درمیانی علاقوں پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔ یہ علاقے اب بلوچستان میں شامل ہیں۔ اُس زمانے میں یہ علاقے ہندوستان کے ماتحت تھے۔ یہ ہندوستان پر پہلا بری حملہ تھا اور یہی ہندوستان کا پہلا علاقہ ہے، جو مسلمانوں کے زیر نگیں آیا اور جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے کچھ اور شہر بھی فتح کیے اور ان پر پہلی دفعہ اسلامی پرچم لہرایا۔

قلات پر قبضہ:

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت (۳۸ ہجری) میں، ایک بھاری فوج کے ساتھ ثاغر بن دعورا کی قیادت میں کوہستان قلات پر حملہ کیا گیا۔ یہاں مسلمان اور کافر فوجوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں نے لڑائی کے دوران ایک مرتبہ اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ اس کی ہیبت دہشت سے قلات کے فوجی کانپ اُٹھے اور مارے خوف کے میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

درۂ خیبر پر حملہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت (۴۴ ہجری) میں مہلب بن ابوصفرہ جو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن سمرہ کی فوج کے ایک مشہور سردار تھے، درۂ خیبر پر حملہ آور ہوئے۔ یہ پہلے عرب سردار تھے، جو اس دروازے سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ مہلب نے کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیوں کو عبور کرتے ہوئے، سرزمین ہند میں قدم رکھا۔ ملتان اور پشاور کے درمیان

علاقوں میں بھی گئے اور مختلف مقامات پر دشمن سے شدید معرکہ آرائی ہوئی۔

سندھ پر فیصلہ کن حملہ:

عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ اس طرح اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی میں برصغیر کے لوگ مسلمانوں کی طاقت سے آشنا ہو گئے تھے اور یہاں کی سرزمین ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے گونج اُٹھی تھی۔ جو لوگ یہاں آئے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی شامل تھے۔

سندھ پر جو فیصلہ کن حملہ ہوا، وہ تاریخ میں محمد بن قاسم کے حملے کے نام سے معروف ہے۔ جو عساکر اسلامی یہاں آئے اور جنھوں نے ان علاقوں میں جنگیں لڑیں اور کامیاب ہوئے ان میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سب شامل تھے، کیوں کہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا جو خیر القرون کہلاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تصنیف ''البدایہ والنہایہ'' میں ان علاقوں کی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكان في عساكرهم وجيوشهم في الغزو الصالحون والاولياء والعلماء من كبار التابعين، في كل جيش منهم شر ذمة عظيمة ينصر الله بهم دينه . [1]

(یعنی ان کے عساکر و جیوش میں جو دشمن سے جنگ کی غرض سے میدان میں نکلے، کبار تابعین میں سے اُمت کے صلحا، اولیاء اور علماء سب شامل تھے اور ان لوگوں کی یہ بہت بڑی جماعت تھی، جن کی وجہ سے اللہ نے اپنے دین کو نصرت و تقویت عطا فرمائی۔)

آگے چل کر ان مفتوحہ ملکوں اور علاقوں کے فاتحین کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

وقبل ذلك قد كان الصحابة في زمن عمر وعثمان فتحوا غالب هذه النواحي ودخلوا في مبانيها . [2]

(ان (بعد کے) فاتحین سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان علاقوں کے بیشتر حصے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام فتح کر چکے تھے اور وہ ان کی

---

[1] البدایہ والنہایہ، جلد: ۹، صفحہ: ۸۷، (طبع مصر)۔

[2] ایضاً، صفحہ: ۸۸۔

آبادیوں میں داخل ہوگئے تھے۔)

دیبل میں پہلی مسجد:

سندھ کی تاریخ بیان کرنا یا اس خطہ ارض میں مسلمانوں کی آمد سے متعلق تفصیلات ضبط تحریر میں لانا، اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، یہاں نہایت اختصار کے ساتھ فقط انہی باتوں کی وضاحت مقصود ہے، جن کا اس نواح میں علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت اور فقہ اسلامیہ کے نشر و ذیوع سے براہِ راست تعلق اور گہرا رابطہ ہے۔

سطور بالا سے تاریخ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوچکی کہ آغازِ اسلام ہی میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں آگئے تھے۔ تاریخ صاف الفاظ میں وضاحت کرتی ہے کہ ان میں صحابی بھی تھے، تابعی بھی تھے، تبع تابعین بھی تھے اور دیگر صلحا و اولیا بھی۔ ظاہر ہے انھوں نے سب سے پہلے انہی ذرائع کو ہدف توجہ ٹھہرایا ہوگا جو آگے چل کر اس خطے میں فروغ دین اور اشاعت اسلام کا موجب بن سکیں، اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے یہی کیا۔ چناں چہ فتوح البلدان میں بلاذری کا کہنا ہے کہ عرب جب سندھ کے علاقے پر علم اسلام لہرانے کی غرض سے نمودار ہوئے تو سب سے پہلے جو بڑا شہر ان کے زیرنگین آیا، وہ دیبل تھا۔ دیبل میں، انھوں نے اوّلین کام یہ کیا کہ وہاں مسجد تعمیر کرائی۔ یہ بہت بڑی مسجد تھی جو محمد بن قاسم نے تعمیر کرائی۔ بعد ازاں عربوں نے نیرون نامی ایک شہر پر قبضہ کیا تو اس میں بھی مسجد بنوائی جو طرزِ تعمیر میں دیبل کی مسجد کے مانند تھی۔ چچ نامے کے بقول۔

''دبجائے بت کدہ بدہ، مسجدے بنا نمود و بانگ نماز و امام تعین فرمود۔'' [1]

پھر شہر ارور اور ملتان کو اپنے دائرۂ فتوحات میں شامل کیا تو وہاں بھی پہلے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ غرض وہ جو شہر یا علاقہ فتح کرتے گئے، اس میں باقاعدہ مسجدیں تعمیر کراتے گئے، جو بہت جلد ایک عظیم علمی اور فقہی مرکز کی حیثیت اختیار کرگئیں۔ محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو اپنی سرگرمیوں کی جو رپورٹ بھیجی، چچ نامہ کے الفاظ کے مطابق اس میں صراحت سے مرقوم تھا۔

''بجائے تعبد گاہِ کفر، مساجد و معابد برآوردہ شد و بانگ نماز و خطبہ و منابر نہادہ آمد۔

---

[1] چچ نامہ، ص: ۱۱۸، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ، حیدرآباد دکن، مطبع لطیفی، دہلی ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ۔

دراوقات فرض حق می گزارند و تکبیر و تذکیر خدائی عزوجل بامد اد و شبانگاه بادامی رسانند۔"❶

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو واضح الفاظ میں ہدایات دی گئی تھیں کہ ہر شخص کو دعوتِ اسلام دو اور بہترین انداز سے اس کی تربیت دینی کا اہتمام کرو۔ چچ نامہ میں، حجاج بن یوسف کا جو مکتوب محمد بن قاسم کے نام مرقوم ہے، اس میں لکھا گیا ہے:

"پس ہر یک رابکلمۂ اسلام استدعا کنید و ہر کہ بعز اسلام مشرف گردد اور اتربیت کنید۔"❷

تفصیل کا یہ محل نہیں۔ اب ہم گفتگو کا دامن سمیٹتے ہوئے، قدیم دور کے برصغیر پاک و ہند کے معروف فقہا کی مختصر فہرست پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

چند فقہائے کرام:

جن فقہائے عظام اور علمائے کرام کا کسی نہ کسی اسلوب سے سندھ اور برصغیر کے باقی علاقوں سے تعلق رہا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اکثر کے حالات نہایت دلکش اور روح پرور ہیں۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا اسلامی دیبلی:...... یہ دیبل کے رہنے والے تھے۔ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کو محمد بن قاسم نے ایک شامی بزرگ کے ساتھ بطورِ پیغام رساں راجہ داہر کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی راجہ داہر کے ساتھ بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔❸

اسرائیل بن موسیٰ بصری:...... یہ تبع تابعین میں سے تھے اور بصرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے حسن بصری، ابوحازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وھب بن منبہ وغیرہ حضرات سے روایت کی اور خود ان سے سفیان ثوری، ابن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے روایت کی۔

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۱۳۱۔

❷ ایضاً، صفحہ: ۱۴۳۔

❸ تفصیلات کے لیے دیکھیے: چچ نامہ، ص: ۱۳۶، ۱۳۷۔

انھوں نے بصرہ کی سکونت ترک کر کے ہندوستان کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ ❶

قاضی موسیٰ بن یعقوب ثقفی:...... یہ عرب تھے لیکن سندھی مشہور تھے، کیوں کہ انھوں نے تمام زندگی سندھ میں بسر کی۔ بہت بڑے فقیہ اور قاضی تھے۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے ان کو شہر ارور کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ ❷

ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی:...... یہ اہل مدینہ میں سے ام سلمہ کے مولیٰ اور بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ ❸

ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی:...... محدث و فقیہ تھے۔ نہایت صالح اور پاک باز بزرگ تھے اور سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ❹

عبداللہ بن محمد علوی:...... یہ ہاشمی قرشی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے یہ پہلے بزرگ ہیں جو وارد ہند ہوئے۔ ❺

عمرو بن مسلم باہلی:...... عالم و فقیہ اور صالح بزرگ تھے۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بلادِ سندھ میں عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ جے سنگھ نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ❻

ابراہیم بن محمد دیبلی:...... یہ سندھی تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ ❼

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح منصوری سندھی:...... محمد بن قاسم کے قائم کردہ شہر، منصورہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ اور امام داؤد ظاہری کے مسلک کے حامل تھے۔ ❽

خلف بن محمد دیبلی:...... یہ سندھ سے بغداد چلے گئے تھے۔ انھوں نے علی بن موسیٰ دیبلی سے روایت حدیث کی۔ ❾

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد اوّل، ص: ۲۳، (طبع اوّل، حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء، ۱۳۶۶ھ)

❷ ایضاً، صفحہ: ۴۴۔ ❸ ایضاً، صفحہ: ۴۵۔

❹ ایضاً، ص: ۳۱۔ ❺ ایضاً، ص: ۴۳۔

❻ نزہۃ الخواطر، جلد اوّل، ص: ۳۸ (طبع اوّل، حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء، ۱۳۶۶ ہجری)

❼ ایضاً، ص: ۶۴۔ ❽ ایضاً، ص: ۶۵۔

❾ ایضاً، ص: ۶۵۔

ابوالقاسم شعیب بن محمد دیبلی :...... یہ دیبل سے مصر چلے گئے تھے اور محدث وفقیہ تھے۔ ❶

ابو محمد عبداللہ منصوری :...... سندھ کے شہر منصورہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے متعدد محدثین سے روایت حدیث کی اور ان سے بھی بہت سے محدثین نے روایت کی۔ ❷ یہ منصورہ کے قاضی تھے اور اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ منصورہ میں اصحاب الحدیث کی اکثریت تھی، اس سلسلے میں احسن التقاسیم میں مقدسی کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔

اکثرھم اصحاب الحدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤدیا اماما فی مذھبه له تدریس وتصانیف وقد صنف کتبا عدة حسنة.

علی بن موسیٰ دیبلی :...... یہ دیبل کے عالم اور محدث تھے۔ ❸

ابونصر فتح اللہ بن عبداللہ سندھی :...... یہ بہت بڑے فقیہ و متکلم تھے۔ انھوں نے علم فقہ اور علم کلام ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے پڑھے اور حسن بن سفیان سے روایت کی۔ ❹

حسین زنجانی لاہوری :...... یہ فخر الدین حسین زنجانی لاہوری ہیں۔ یہ اس روز لاہور تشریف لائے، جس روز حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ کا انتقال ہوا۔ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ ❺

علی بن عثمان ہجویری :...... حضرت شیخ امام عالم وفقیہ، علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ اسی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری :...... یہ شیخ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعی لاہوری تھے۔ عظیم محدث و عالم۔ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ ❻

عمرو بن سعید لاہوری :...... ایک جلیل القدر محدث اور فقیہ تھے۔ ❼

محمد بن عثمان جوزجانی لاہوری :...... فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے عظیم عالم تھے۔

---

❶ ایضاً، ص: ۶۷۔
❷ ایضاً، ص: ۶۷۔
❸ ایضاً، ص: ۶۷۔
❹ ایضاً، ص: ۶۹۔
❺ نزہۃ الخواطر، جلد اول، ص: ۸۲۔
❻ ایضاً، ص: ۱۰۷۔
❼ ایضاً، ص: ۱۰۸۔

لاہور میں پیدا ہوئے۔ ❶

یوسف بن ابوبکر گردیزی ملتانی:...... غزنہ کے نواح میں گردیز نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے عابد و زاہد اور عالم و فقیہ تھے۔ ملتان آ گئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔ ❷

شیخ ابوبکر بن یوسف سجزی:...... فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے اکابر علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور اس سے پہلے کے بادشاہوں کے زمانے میں طویل مدت تک دارالحکومت دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ❸

شیخ اسحٰق بن علی بخاری دہلوی:...... دہلی اور اس کے گرد و نواح کے نامور فقہا و علما میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ❹

قاضی اسماعیل بن علی ثقفی سندھی:...... یہ عربی النسل تھے اور سندھ کے مشہور مقام ارور کے قاضی تھے۔ فقہ کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ ❺

مولانا برہان الدین بزار:...... سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور فقیہ تھے۔ ❻

شیخ حسن بن محمد صغانی:...... لاہور میں پیدا ہوئے، حدیث، فقہ، لغت اور دیگر علوم میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے کے جید علما میں سے تھے۔ ❼

قاضی رفیع الدین گازرونی:...... سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں عرصے تک درس و تدریس اور افاضۂ عوام میں مصروف رہے۔ ❽

قاضی رکن الدین سامانوی:...... معروف فقیہ تھے اور سلطان غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ ❾

مولانا سدید الدین دہلوی:...... فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں اونچے درجے پر فائز

---

❶ ایضاً، ص: ۱۱۰۔
❷ ایضاً، ص: ۱۱۹۔
❸ ایضاً، ص: ۱۲۱۔
❹ ایضاً، ص: ۱۲۴۔
❺ ایضاً، ص: ۱۲۵۔
❻ ایضاً، ص: ۱۲۸۔
❼ نزہۃ الخواطر، جلد اوّل، ص: ۱۲۷۔
❽ ایضاً، ص: ۱۵۵۔
❾ ایضاً، ص: ۱۵۵۔

تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں دار السلطنت دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ ❶

مولانا شرف الدین دہلوی:...... کبار اساتذۂ فن میں سے تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتمش کے عہد میں دہلی سے نکلے اور سنار گاؤں چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔ ❷

مولانا شرف الدین ولوالجی دہلوی:......سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور فقیہ تھے۔ ❸

شیخ محمد بن مامون لاہوری:...... لاہور سے چلے گئے تھے اور خراسان میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی کے جلیل القدر عالم و ماہر۔ ❹

قاضی وجیہ الدین کاشانی:...... عدیم المثال فقیہ تھے اور سلطان قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔ ❺

قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی:......سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانۂ حکومت میں بھکر کے قاضی اور نامور عالم تھے۔ مشہور سیاح محمد بن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں شہر بھکر میں ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ❻

شیخ اسحٰق مغربی:...... سرزمین ہند کے شہرۂ آفاق اولیائے کرام میں سے تھے۔ فقہ و اجتہاد میں ان کا درجہ بہت فائق تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں ان کو نہایت عزت و اکرام حاصل تھا۔ ❼

مولانا افتخار الدین گیلانی:...... فقہ و اصول اور علومِ عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت تک دہلی میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ ❽

---

❶ ایضاً، ص: ۱۶۱۔
❷ ایضاً، ص: ۱۶۳۔
❸ ایضاً، ص: ۱۶۳۔
❹ ایضاً، ص: ۲۲۳۔
❺ ایضاً، ص: ۲۳۹۔
❻ نزہۃ الخواطر، جلد دوم، ص: ۷ (مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء، ۱۳۵۰ ہجری)
❼ نزہۃ الخواطر، جلد دوم، ص: ۱۳ (مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء، ۱۳۵۰ ہجری)

مولانا برہان الدین بھکری سندھی :...... فقہ و اصول اور دیگر علوم میں عدیم النظیر تھے۔ سلطان علاؤ الدین محمد شاہ خلجی کے عہد سلطنت میں دارالحکومت دہلی میں مسند تدریس پر رونق افروز تھے۔ ❶

یہ تو چند علمائے ذوی الاحترام اور فقہائے عالی مقام کے اسمائے گرامی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جب سے برصغیر اسلام سے روشناس ہوا ہے، اس میں بے شمار علما و فقہا پیدا ہوئے۔ کچھ باہر سے تشریف لائے اور کچھ اسی سرزمین سے عالم وجود میں آئے۔ یہاں کے ہزار سالہ دور اسلامی میں، اس ملک نے متعدد حکمرانوں کو دیکھا اور انقلاب و تغیر کی مختلف لہروں سے اس کو دوچار ہونے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اس میں ایک چیز نمایاں رہی۔ وہ یہ کہ ہر دور میں اور ہر عہد حکومت میں، یہاں مختلف النوع علوم و فنون کا ہمیشہ چرچا رہا۔ بالخصوص حدیث و فقہ نے اس خطہ ارض میں خوب ترقی کی اور علمائے عظام کی ایک مضبوط جماعت ہر دور میں علم و حکمت کے موتی رولنے میں مصروف عمل رہی۔ خالص مطلق العنانی اور شخصی عہد حکومت میں بھی علما و فقہا کو بڑی قدر اور احترام و تعظیم کی نظر سے دیکھا گیا۔ جن بلند مرتبت شخصیتوں کو اس برصغیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ان میں حضرت امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مولد و منشا ملک عراق تھا تاہم مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان کے بزرگ نسلی اعتبار سے سندھی تھے۔ امام اوزاعی کے بارے میں مرقوم ہے: واصله من سبی السنه ❷ ...... یعنی وہ اصلاً اسیرانِ سندھ میں سے تھے۔

برصغیر پاک و ہند کی علمی و فقہی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگانِ دین بھی ہیں جو دوسرے ملکوں سے یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے اور علوم و فنون کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور کچھ وہ حضرات گرامی قدر ہیں، جو اصلاً یہاں کے باشندے ہیں، لیکن ان کو علمی شہرت و ناموری کا تاج دوسرے اسلامی ملکوں نے پہنایا، انہی بزرگوں میں ایک بزرگ ابومعشر سندھی ہیں، جن کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا۔ یہ سندھ سے باہر جا کر شہرت دوام کے مستحق ٹھہرے، ان کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن تھا۔ ان کو سندھ سے اسیرانِ جنگ کے ساتھ حجاز لے جایا گیا۔ یہ کئی عرب خاندانوں

---

❶ ایضاً، ص: ۱۷۔

❷ تذکرۃ الحفاظ، جلد اول، ص: ۱۷۸۔ (طبع ثالث حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء، ۱۳۷۵ ہجری)

میں غلام کی حیثیت سے رہے۔ لیکن بخت و اتفاق نے ہر جگہ یاوری کی اور جہاں گئے برابر چشمہ ہائے علم سے سیراب ہوتے رہے۔ اور بالآخر ایک وقت آیا کہ حدیث، فقہ اور مغازی میں رفیع الشان مقام پر فائز ہو کر علمی دنیا کے سامنے نمودار ہوئے۔

ان کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ ان کے اساتذہ کی فہرست میں نافع، ہشام بن عروہ اور محمد بن کعب قرظی ایسے افاضل روزگار شامل ہیں اور حلقہ تلامذہ میں امام سفیان ثوری، وکیع، ابونعیم، محمد بن عمر واقدی اور محمد بن ابومعشر ایسے جلیل القدر حضرات کے اسمائے گرامی مندرج ہیں۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی روایت جامع ترمذی میں موجود ہے۔ عمر کے آخری دور میں حافظے نے کچھ ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا مگر مرتبۂ علمی میں کمی نہیں واقع ہوئی۔

یہ چوں کہ سندھی تھے۔ اس لیے بعض عربی الفاظ کا تلفظ پوری طرح صحیح نہیں کر پاتے تھے، مثلاً ''کعب'' کو ہمیشہ ''قعب'' کہتے۔

حجاز جانے کے بعد مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے۔ مشہور عباسی خلیفہ مہدی، ان کو انتہائی تکریم کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ ان کو ۱۶۱ ہجری میں مدینہ منورہ سے بغداد لے گیا اور درس حدیث کی مسند رفیع پر فائز کر دیا۔ رنگ گندمی اور جسم فربہ تھا۔ رمضان المبارک ۱۷۰ ہجری میں فوت ہوئے اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں دفن کیے گئے۔ [1]

پھر یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو گیا بلکہ برصغیر پاک و ہند کے اس رفیع المرتبت عالم وفقیہ کا سلسلۂ علم و فضل آگے بڑھا۔ یعنی ان کے بعد ان کے لڑکے ابوعبدالملک محمد بن ابومعشر سندھی بھی علم حدیث کے بلند پایہ عالم ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد یہ بغداد ہی میں سکونت پذیر رہے۔ اپنے والد کی کتاب المغازی کے راوی یہی عالم و محدث ہیں۔ ان کے مرتبہ فی الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ابویعلیٰ موصلی ان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ انھوں نے ۹۹ برس عمر پا کر ۲۴۴ ہجری میں سفر آخرت اختیار کیا۔

اسی طرح فتح بن عبداللہ کا نام بھی سطور سابقہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ ابونصر سندھی کے نام سے معروف تھے اور غلامانِ آلِ حکم میں سے تھے۔ ان کے بارے میں کتاب الانساب میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، جلد اوّل، ص: ۲۲۴، ۲۲۵۔ (مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء، ۱۳۷۵ ہجری)

سمعانی کا بیان ہے کہ غلامی سے نجات پاکر آزادی وحریت کی فضا میں قدم فرسا ہوئے تو حدیث، فقہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی۔ فقہ اور کلام میں اس درجہ اونچے مقام پر فائز تھے کہ فقیہ اور متکلم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ارد گرد تلامذہ کا ہجوم رہتا۔ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عرب مدہوش پڑا تھا۔ اس عرب نے ان کو دیکھ کر کہا: اے غلام! میں تو زمین پر پڑا ہوں اور تم اس شان وشکوہ سے محوِ خرام ہو۔ ابونصر نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمھارے اسلاف کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور تم میرے باپ دادا کے نقش قدم چل پڑے ہو۔ ❶

تین عظیم الشان کارنامے:

عجائب الہند کے مصنف بزرگ بن شہر یار نے سندھ میں اسلامی دور کے تین عظیم الشان کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک عراقی عالم دین، عہد طفولیت سے سندھ کے شہر منصورہ میں فروکش تھا اور اس نے تعلیم و تربیت کی منزلیں منصورہ ہی میں طے کی تھیں۔ وہ عربی زبان کے ساتھ ساتھ سندھی زبان پر بھی عبور رکھتا تھا۔ ۲۷۰ ہجری میں ہباری خاندان کے ایک حکمران عبداللہ بن عمر نے ارور کے راجہ مہردک بن رائک کی درخواست پر، اس عالم سے سندھی زبان میں بصورتِ نظم اسلامی عقائد و تعلیمات پر مشتمل ایک کتاب لکھائی۔ یہ کتاب راجہ مذکور کے پاس بھیجی تو اس نے بہت پسند کی اور اس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے اس عالم کو دربار میں طلب کیا اور اس کی اس عظیم خدمت پر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

اس عالم نے راجہ کی استدعا پر دوسرا کام یہ کیا کہ اس کو قرآنِ مجید کا سندھی زبان میں باقاعدہ ترجمہ پڑھایا۔ تیسری بے مثال خدمت یہ انجام دی کہ راجہ کی فرمائش سے قرآنِ مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں معرضِ کتابت میں لایا۔ اس طرح سندھی زبان میں اسلامی تعلیمات سے متعلق یہ پہلی تصنیف ہے جو نظم کی صورت میں پیش کی گئی اور ہندوستان میں قرآنِ مجید کا پہلا ترجمہ بھی یہی ہے۔ ❷

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس برصغیر کو یہ شرف حاصل ہے کہ قرآنِ مجید اور اسلامی

---

❶ کتاب الانساب، سمعانی، صفحہ: ۳۱۴۔ معجم البلدان، ج: ۳، ص: ۲۶۷، باب السین۔

❷ عجائب الہند، ص: ۳۔

تعلیمات وعقائد کو سب سے پہلے عربی سے اسی خطۂ ارض کی ایک زبان میں منتقل کیا گیا۔

بہرحال جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ علم وتحقیق اور مذہبی معاملات میں یہ سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ اس نے بے شمار علما وزعما اور فقہا ومحدثین کو جنم دیا جنھوں نے علمی دنیا میں بے حد شہرت پائی۔

بہرحال اسلام کے عہد آغاز ہی میں یہ خطہ ارض، علما وفقہا سے متعارف ہوگیا تھا اور یہاں کی فضا نے ابتدا ہی سے علومِ شرعیہ سے تاثر پذیری کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرلی تھیں اور پھر اسی دور میں اہل علم نے اپنے آپ کو علمی مساعی کے لیے وقف کردیا تھا۔ چناں چہ بہت سے علمائے کرام نے متعدد ملوک وسلاطین اور امرا ووزرا کے عہد میں، مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں، جن کی تفصیلات کا یہ محل نہیں، کیوں کہ ہمارا مقصد ان کی ہر نوع کی علمی کوششوں کا استقصا نہیں فقط ان کی فقہی تصنیفات کا تذکرہ مقصود ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ سرزمین پاک وہند نے اگرچہ تمام مسالک فقہی کے علما وفقہا کی پذیرائی کی اور ہر مسلک سے منسلک علما نے اپنے اپنے دائرے میں علمی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ زیادہ فروغ یہاں فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا۔

اپنے محدود علم ومطالعہ کی روشنی میں ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب سے اس برصغیر میں فقہی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے لے کر ۱۸۰۱ء تک کون کون سی فقہی کتابیں، کس کس دور میں، کس کس فقیہ اور مصنف کی کوششوں سے معرض تصنیف میں آئیں۔ اس ضمن میں جو اہم کتابیں ہمیں میسر آسکی ہیں اور ان کے بارے میں جو معلومات ہم حاصل کرسکے ہیں، انھیں بہ ترتیب زمانی اور تاریخی تسلسل کے ساتھ معزز قارئین کی خدمت میں پیش کردیا گیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی متعدد کتابیں برصغیر کے بعض بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

برصغیر کی کتب فقہ میں سے، کچھ کتابیں طباعت واشاعت کی منزل سے گزر کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں اور وہ دنیا کی مختلف

لائبریریوں، مثلاً پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، رام پور لائبریری، بانکی پور لائبریری (خدا بخش لائبریری پٹنہ) رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، انڈیا آفس لائبریری لندن، مانچسٹر لائبریری، طہران لائبریری استنبول لائبریری مصر و قاہرہ وغیرہ کی لائبریریوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

ہماری اس کتاب میں فقہ کی ان کتابوں کا مکمل تعارف بھی کرایا گیا ہے، ان کے مصنفین کے بارے میں بھی معلومات مہیا کی گئی ہیں، ان کے مضامین و مندرجات کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں، یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ ان میں سے کون سی کتاب، دنیا کی کس کس لائبریری میں، کس حالت میں موجود ہے۔ جس عہد میں وہ کتاب ضبطِ تحریر میں لائی گئی، اس سے متعلق بھی ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ برصغیر پاک و ہند کے کس دور کی، علمی و فقہی حیثیت کیا تھی اور کس حکمران کے عہد میں کون کون علما و فقہا دادِ تحقیق دیتے تھے اور عوام اور اربابِ حکومت کے نزدیک وہ کس درجہ و مرتبہ کے مالک تھے۔

ہمیں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ہماری یہ کتاب اپنے موضوع سے متعلق حرفِ آخر ہے اور اس سلسلے کے تمام معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس ضمن میں جو مواد میسر آسکا ہے وہ صفحاتِ قرطاس پر منتقل کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک ہمارے اسلاف کا یہ علمی اور ثقافتی ورثہ ہے، جو ان کی تحقیقی اور ذہنی و فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس کو اجاگر کرنا۔ اصحابِ علم کے مطالعہ میں لانا اور اہل ذوق کو اس سے متعارف کرانا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے اس بندۂ عاجز کو اس خدمت کا موقع عطا فرمایا اور ایک تاریخی تسلسل اور ترتیب زمانی کے مطابق یہ معلومات جمع کرنے کی سعادت بخشی۔

اس کتاب کی ترتیب میں ہمیں انتہائی محنت سے کام لینا پڑا۔ اس سلسلے میں زیادہ تر وقت پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں صرف ہوا، کیوں کہ یہ لائبریری اس موضوع سے متعلق بہت بڑے ذخیرۂ علم پر محیط ہے اور یہ مخطوطاتِ فقہی جن کا اس کتاب میں تعارف کرایا جا رہا ہے، اسی لائبریری کی زینت ہیں۔ اور پھر اس کام کا تعلق مختلف ممالک کی فہارسِ کتب سے بھی ہے اور وہ

بھی آسانی سے اسی مرکز علم و ثقافت سے مہیا ہو سکتی ہیں۔

اپنی اس کتاب کے بارے میں ہم یہ عرض کرنے کی بھی اجازت چاہیں گے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اپنی نوعیت کی یہ اوّلین کوشش اور پہلی خدمت علم فقہ ہے۔ اس نہج سے، اب تک نہ پاکستان میں کام ہوا ہے نہ ہندوستان میں۔

اس کتاب میں گیارہ فقہی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) فتاویٰ غیاثیہ......: سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کی عظیم فقہی تصنیف۔

(۲) فتاویٰ قراخانی......: سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے دورِ حکومت کی تالیف۔

(۳) فوائد فیروز شاہی......: فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت کی تصنیف۔

(۴) فتاویٰ تاتارخانیہ......: فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت کی تصنیف۔

(۵) فتاویٰ حمادیہ......: نویں صدی ہجری کی تالیف جو گجرات کے قاضی القضاۃ حماد الدین کی طرف منسوب ہے۔

(۶) فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ فارسی) ......: والیٔ جون پور سلطان ابراہیم شرقی کی طرف منسوب ہے۔

(۷) فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ عربی) ......: اس کا انتساب بھی والیٔ جون پور سلطان ابراہیم شرقی کی طرف ہے۔

(۸) فتاویٰ امینیہ......: دسویں صدی ہجری کا فقہی مخطوطہ۔

(۹) المتانتہ فی مرمۃ الخزانۃ......: سندھ کے مشہور عالم و فقیہ علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی کی تصنیف، جو دسویں صدی ہجری میں تصنیف کی گئی اور چند سال پیشتر سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے اس کو شائع کیا گیا ہے۔

(۱۰) فتاویٰ بابری......: مشہور مغل حکمران ظہیر الدین بابر کے زمانے کی تصنیف اور اسی کی طرف منسوب۔

(۱۱) فتاویٰ عالم گیری......: سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت کی معروف فقہی تالیف۔ اس فتاوے اور اس کے مرتبین کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ان گیارہ کتب فقہ میں سے صرف دو کتابیں (المتانۃ فی مرمۃ الخزانہ اور فتاویٰ عالم گیری) مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ باقی تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور مخطوطات کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ان کتب فقہ کے بعض مندرجات سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔لیکن یہ خالص تحقیقی کام ہے، جس کی طرف توجہ دینے کو جی چاہا اور مکمل ہو گیا۔

یہ کتاب آج سے ۳۷ برس قبل ۱۹۷۳ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے تصویر شائع ہوئی تھی۔ اب اسے کتاب سرائے لاہور کی طرف سے کمپیوٹر پر خوب صورت انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر حک واضافہ بھی کیا گیا ہے۔

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی۔ ساندہ لاہور

(۱)

الفتاویٰ الغیاثیہ

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

بلبن اور اس کا عہد:

فتاویٰ غیاثیہ، ہندوستان کے مشہور فرماں روا سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب ہے۔ قبل اس کے کہ اس فتاویٰ اور اس کے مندرجات کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے، سلطان غیاث الدین بلبن اور اس کے عہد پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ حکمران علما و فضلاء کا کتنا قدر دان تھا، اولیا و اتقیا سے کس درجہ محبت و شیفتگی کا اظہار کرتا تھا اور علوم و فنون کے فروغ و اشاعت میں کس درجہ مستعد و سرگرم عمل رہتا تھا۔ مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے۔

غیاث الدین بلبن ترکی الاصل تھا اور ترکستان کے ایک بہت بڑے خاندان البری سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ ترکستان کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ مغلوں نے ترکستان میں قراخطائی پر غلبہ و استیلا حاصل کیا تو بلبن ایک ترک سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا جو اس کو بغداد لایا اور ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین زاہد و متقی اور ذہین و فطین شخص تھا۔ اس نے بلبن کی بیٹوں کی طرح نگہداشت و پرورش کی اور یہی گھر اس کی اوّلین تربیت گاہ بنا۔ [1]

اس زمانے میں ہندوستان کے تخت حکومت پر سلطان شمس الدین التمش داد حکمرانی دے رہا تھا۔ یہ بھی اصلاً ترک تھا اور حسن اتفاق سے ترکستان کے البری قبیلے ہی کا فرزند تھا۔ [2]

---

[1] تاریخ فرشتہ (فارسی) جلد اوّل، ص: ۷۴ (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)۔

[2] ایضاً، ص: ۶۴ (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)۔

جب خواجہ جمال الدین کو معلوم ہوا کہ غیاث الدین بلبن ہندوستان کے حکمران سلطان شمس الدین ایلتتمش کے قبیلے کا فرزند ہے تو وہ اس کو اور اپنے دیگر غلاموں کو ساتھ لے کر ہندوستان کے لیے عازم سفر ہوا۔ ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں وہ ایلتمش کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تمام غلاموں کو خرید لیا۔ ایلتمش نے غیاث الدین کے چہرے پر حشمت و شہامت کے آثار دیکھ کر اس کو اپنا ذاتی محافظ مقرر کر لیا۔ بلبن کا بھائی کشلی خان پہلے ہی اس کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور امیر حاجب کے عہدے پر فائز تھا۔ بلبن اپنے بھائی کو پہچان کر انتہائی خوش ہوا۔ [1] بلبن ترقی و تقدم کی منازل طے کرتا ہوا ایلتمش کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

بلبن نے ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) سے ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) تک بائیس سال حکومت کی اور اسّی (۸۰) برس عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مؤرخین نے اس کے عہد حکومت کو ''خیر الاعصار'' (بہترین عہد) قرار دیا ہے۔ [2]

بلبن کے زمانے میں بجز ہندوستان کے پورا عالم اسلامی سخت فتن و آلام میں مبتلا تھا اور اسلامی ممالک چنگیز خانیوں کے دست تظلم کا شکار ہو رہے تھے، جس کی وجہ سے مختلف ممالک اسلامی سے متعدد علماء و مشائخ اور شہزادے دہلی میں آ بسے تھے۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کا یہ دار السلطنت ان کی بہت بڑی پناہ گاہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ان لوگوں میں پندرہ شہزادے تھے جو ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم، دیلم، یمن اور موصل وغیرہ سے آئے تھے۔ ان کے علاوہ علما و فضلا اور اہل ہنر و اربابِ کمال بھی کثیر تعداد میں دہلی وارد ہوئے۔ بلبن نے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق وقار و احترام کے ساتھ انھیں ٹھہرایا، ان کی انتہائی پذیرائی کی اور ان کے نام سے پندرہ محلے قائم کیے، جن میں ان کو آباد کیا۔ ان محلوں کے نام یہ ہیں۔ محلّہ عباسی، محلّہ سجزی، محلّہ خوارزم شاہی، محلّہ دیلمی، محلّہ علوی، محلّہ اتابکی، محلّہ غوری، محلّہ چنگیزی، محلّہ رومی، محلّہ سنقری، محلّہ یمنی، محلّہ موصلی، محلّہ سمرقندی، محلّہ کاشغری، محلّہ قراخطائی۔

بلبن نے ان سب کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی اور ان کو ہر اعتبار سے قابل امداد

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اوّل، ص: ۷۴۔

[2] ایضاً، ص: ۸۳۔

گردانا۔ ❶

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا یہ بادشاہ، علما و فقہا کا انتہائی قدردان تھا۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ علما کے بغیر کھانا بھی تناول نہ کرتا۔ کھانا کھانے کے دوران میں ان سے مسائل شرعی دریافت کرتا اور جمعہ و جماعت کے لیے باقاعدہ مسجد میں جاتا اور علماء کے گھر جا کر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔ اس سلسلے میں برنی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''وبے حضور علما دست بطعام نبردے واز علما در وقت طعام خوردن مسائل دین پرسیدے ودر مجلس طعام، دانشمنداں درپیش او بحث کردندے۔ وعلمائے آخرت و مشائخ ہر جادہ را بغایت حرمت داشتے وبدیدنِ بزرگانِ دین، درخانہائے ایشاں برفتے وبعد از نماز جمعہ باچنداں کوکبہ ودبدبہ کہ اوسوار شدے۔ درخانہ مولانا برہان الدین بلخی فرو آمدے و تعظیم و توقیر آں عالم ربانی بواجبی محافظت نمودے و قاضی شرف الدین والوالجی و مولانا سراج الدین سجزی و مولانا نجم الدین دمشقی را کہ علمائے آخرت بودند، تعظیم و حرمت بسیار کردے۔''

برنی اور دوسرے مؤرخین نے عہد بلبن کے علمائے کرام کی فہرست بھی دی ہے جو یہ ہے۔

مولانا برہان الدین بلخی، مولانا برہان الدین بزاز، مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخر الدین رازی، مولانا سراج الدین سجزی، مولانا شرف الدین دلوالجی، مولانا منہاج الدین جوزجانی، قاضی رفیع الدین گاذرونی، قاضی شمس الدین دمراجی، قاضی رکن الدین سامانوی، قاضی جلال الدین کاشانی پسر قاضی قطب الدین کاشانی قاضی لشکر، قاضی سدید الدین، قاضی ظہیر الدین، قاضی جلال الدین۔

ان کے علاوہ اس عہد کے اور بھی متعدد علمائے کرام، فقہائے عالی مقام اور مفتیان شرع متین کا پتا چلتا ہے۔ ان کے علیحدہ علیحدہ حالات بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہ حضرات بڑے بلند مرتبے کے حامل تھے۔

---

❶ تاریخ فرشتہ (فارسی) جلد اوّل، صفحہ: ۷۵۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بڑی علمی خدمات انجام دی گئیں، جن میں فتاویٰ غیاثیہ ایک لائق تذکرہ خدمت ہے۔ اس کو فقہی اعتبار سے اس لیے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ غیاث الدین بلبن کو فقہی مسائل سے بہت دلچسپی تھی اور وہ فقہا کی ان کاوشوں کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان مسائل پر عمل کی دیواریں استوار کرتا تھا۔ یہ فتاویٰ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہے اور انقلاب وتغیر کی بے شمار لہروں سے محفوظ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہے اور اس کو اسلامی ہندوستان کے ایک علمی اور ثقافتی ذخیرے کی حیثیت حاصل ہے۔

مخطوطے کی کیفیت:

یہ فتاویٰ عربی زبان میں ہے اور فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے مرتب کیا گیا ہے۔ میرے سامنے اس کا پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ہے جو ۱۸-۱۵ م۔س سائز کے ۸۳ اوراق پر محیط ہے۔ ہر صفحہ کم سے کم ۱۷ اور زیادہ سے زیادہ ۲۲ سطور پر مشتمل ہے۔ اس پر تاریخ کتابت اور کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ ناقص الآخر ہے۔ درمیان سے بھی بعض مقامات پر مضامین کا تسلسل قائم نہیں رہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مشمولاتِ کتاب کے کچھ درمیانی حصے غائب ہیں۔ کتابت ایک شخص کے ہاتھ کی نہیں، بلکہ اس میں کئی کاتبوں کا حصہ ہے، جن کے خط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض جگہ خط اس درجہ شکستہ اور غیر واضح ہے کہ پڑھنے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ چند صفحوں پر حواشی بھی ہیں۔ کہیں کہیں صفحات میں باریک باریک سوراخ ہیں۔ کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صفحات کٹے پھٹے ہیں اور ان پر کاغذ چپکائے گئے ہیں، جن کی وجہ سے اصل عبارت پڑھنا ناممکن ہو گیا ہے۔

فہرست مضامین:

یہ مخطوطہ ۷ فصول، ۳۶ ابواب اور ۲۲ انواع پر مشتمل ہے اور ۲۲ مقامات وہ ہیں جہاں سے عنوان ''کتاب'' کے لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کتاب الصلوٰۃ، کتاب الاجارات، کتاب الدعویٰ، کتاب الوکالۃ، اور کتاب الاقرار وغیرہ۔

مفصل فہرست مضامین یہ ہے:

فصل فی النیة، باب الاعتکاف، باب صدقة الفطر، باب فی الاعذار، کتاب النکاح، فصل فی حرمة الرضاع، فصل فی تزویج الفضولی، فصل فی هبة المبرء وابرائه، فصل فی الاختلاف بین الزوجین، باب النفقات، فصل فی الکسوف وفرضها ومقدارها، فصل فی حضانة الولد وبیان من هو اولی به، فصل العنین، فصل فی الایقاع، فصل فی الکنایات واضماره، فصل فی طلاق السکر۔

الباب الثانی فی الولایة والوقوف وتصرفات المتولی والقیم، فصل فی الوقف علی الاولاد، کتاب الهبة بفصوله، کتاب البیوع بفصوله وانواعة، فصل فی الثمن، کتاب الشفعة، فصل فی دعوی الشفعة، فصل فی حیل ابطالها، فصل فی بیع المرهون والمنصوب، فصل فی استقراض الفلوس، نوع فی الیمین، نوع فی تصریف القیم، نوع فی استقراض الفلوس، نوع فیما یکره ویحرم، فصل فی الخلع والبیع والشراء، نوع فی الیمین، باب المیاه، فصل فی الاٰبار، نوع فیما یصیب الخف، فصل فیما یصیب الثوب، باب المسح علی الخفین، باب القرأة، باب الوضوء، فصل فی بیان النجاسات، فصل فی الصلوٰة علی الدابة فصل فی النذر بالصلوٰة، باب صلوٰة العید، باب الجمعة، فصل فی الوتر، فصل فی طهارة المکان، فصل فی استقبال القبلة، فصل فی السهو، فصل فی النجاسة، باب التکبیر، باب احکام الموتی، فصل فی الغسل، باب التیمم، باب الاحداث، کتاب الزکوٰة، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم۔

نوع فی الوکیل۔ کتاب القسمة، فصل فی الاختلاف فی

الدعاوی، کتاب الاجارات، کتاب القضاء، کتاب الاقرار، کتاب الوکالة، فصل فی الیمین، کتاب الشهادات، کتاب الصلح، کتاب الرهن، کتاب المضاربة، کتاب الأشربة، کتاب المزارعة، کتاب الوصایا، کتاب الخنثی.

ابتدائیہ:

فتاویٰ غیاثیہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ ربّ یسر وتمم بالخیر، الحمدللہ الاول بلا مطلع البدایة الاٰخر بلا مقطع النهایة الکافی فی المغنی بالکفایة الوافی المعطی خلاصة الهدا...... جاعل ذخیرة الصلاح بشامل زیادات الغیوب...... معالم خفا سرمکتوم اسر اسرار الغیوب ساتر نوازل...... مجرد انانی منتهی الذنوب کاشف محجوب عدّة عدة لوامع طوالع الکروب مفصل مفصل قواعد لباب نوادر اصول الکائنات الاعلیٰ اساس تاسیس تقویم۔

جہاں جہاں نقطے لگائے گئے ہیں وہاں الفاظ پر کاغذ کے ٹکڑے چپکائے گئے ہیں، جنھوں نے الفاظ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

انتساب:

مصنف نے اپنی اس کتاب کو سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس انتساب کے الفاظ یہ ہیں:

فلما تحقق الفراغ بالمشیة الالهیة سمیت کتابی هذا فتاویٰ الغیاثیة لیشتهر الکتاب اشتهارًا ونداولته الایدی جهارًا ویکون الذکر ذخرا علی امتداد الزمان وشکرا لسبوغ النعمة بقدر الامکان وتذکرة فی الحجافل، وتبصرة فی المحافل وتقویة عند قرة عیون الاعیان وتکر الاثنیة بکرا الدهور والازمان ویبقی الدعاء فی المدار ویقوی

الثناء فی المجالس الی انفلاق یوم المتاج لمسکت فیه متاسیا بأثار اھل الیقین وتوجھت به تلقاء حضرت سلطان السلاطین وھو المجلس الاعلیٰ السلطان العالم الاعظم مالک رقاب لامم مولی ملوک العرب والعجم مجیر الامام، ظھیر الانام سلطان ارض اللّٰه مالک بلاد اللّٰه محرز ممالک الدنیا مظھر کلمة اللّٰه العلیا کھف الثقلین سلطان سلاطین الخافقین المؤید من السماء المظفر علی الاعداء غیاث الدنیا والدین مغیث الاسلام والمسلمین غوث الملوک والسلاطین باسط الامن الارضین ظل اللّٰه فی العٰلمین علاء الدولة القاھرة شفاء الملة الباھرة ناشر العدل والرأفة الجناح الایمن للخلافة صاحب الخاتم فی ملک العالم ملاذ ملوک ممالک بنی اٰدم درة تاج السلطنة واسطة قلادة المملکة ذوا لامان لاھل الایمان وارث ملک سلیمان ابو المظفر بلبن السلطان یمین خلیفة اللّٰه ناصر امیر المؤمنین ذوا لمأثر الباھرة والمفاخر المظاھرة والولایة والحمایة علی ذی الرعایة طودت مناکب ریاض سلطنته باطواد الاقبال حتی انفجرت منھا ینابیع الاطاعة وامتثال طرز اللّٰه وایاته بأیات الفتح المبین وایدنا بیده امرا لاعتصام بالحبل المتین عمره اللّٰه متوجھا بتاج السلطنة تعمیر نوح ونور الممالک بانوار معتد لة تنویر لوح وجعل منادیه عن عروض عروض الامانی محروما ومن یثبت مصراع بسیط الحیوٰة مخروما ووطن مؤخاة جناب حضرته کل خان توطین الذرایة فیاکل خان وسخرھا ومات العدی بمحاضل ھناضلة غمودا واثبت لقوام ممالک الاسلام دوام سلطنته عمودا ومکنه فی اتباع الالباب تمکین ذی القرنین وقرن ملکه المغربین ملکه المشرقین واظھر

ایدی ایدہ بالایادی یدیہ وبمعادل عسکرہ من دماء اعادی ونفذ حکمہ کالقضاء الذی لا یتنع ابدا والماء الجاری الذی لا ینقطع سرمدا۔

ترجمہ: مشیت ایزدی سے جب میں تکمیل کتاب سے فارغ ہوا تو اس کتاب کا نام فتاویٰ غیاثیہ رکھا تاکہ یہ کتاب اچھی طرح شہرت پذیر ہوجائے۔ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور امتدادِ زمانہ کے باوجود یہ ایک یادگار کی صورت میں باقی رہے۔ یہ بھی مقصد تھا کہ اللہ کی بھرپور نعمت کا بقدر امکان و استطاعت شکر ادا ہوتا رہے۔ نیز یہ کہ محفلوں میں اس کا تذکرہ بصیرت کا ذریعہ ثابت ہو اور یہ اعیان و اکابر کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچائے۔ تکرار و گردشِ دوراں کے ساتھ ساتھ مدح و ثنا کا اعادہ بھی برابر ہوتا رہے۔ دنیا میں سلسلۂ دعا جاری رہے اور مجالس میں تاقیامِ قیامت سلسلۂ حمد و ثنا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے۔ میں نے اس کتاب کی تالیف میں اہل یقین کے نقوش و آثار کی پیروی کی ہے اور اس کو سلطان السلاطین کی خدمت میں پیش کیا کہ جو سلطان عالم و اعظم، آقائے اقوامِ عالم، مولائے شاہانِ عرب وعجم، پشت پناہِ بنیٔ آدم، سلطان ارض اللہ، مالک بلاد اللہ، محافظ ممالک دنیا، اللہ کے کلمہ علیا کو غالب کرنے والا، پناہ گاہ جن و انس، سلطان سلاطین شرق و غرب، صاحب تائید آسمانی، فاتح دشمناں، غیاث الدنیا والدین، فریاد رسِ اسلام و مسلمین، مددگار ملوک و سلاطین، اہل زمین پر امن پھیلانے والا، ظل اللہ فی العالمین، علاؤ الدولۃ القاہرہ، شفائے ملت باہرہ، ناشر عدل و رأفت، دنیا میں خلافت نبوی کا بازوئے راست، مرجع شاہانِ بنی آدم، مروارید تاج سلطنت، سر رشتۂ مالائے مملکت، امن بخش اہل ایمان، وارث ملک سلیمان، ابوالمظفر سلطان بلبن، معاون ویمین خلیفۃ اللہ، ناصر امیر المؤمنین، صاحب تاثیر باہرہ و مفاخر ظاہرہ اور حامی رعایا ہے۔ اس کے چمنستان سلطنت کو اقبال و کامرانی کے بلند ترین پہاڑوں سے استواری بخشی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر سے اطاعت و فرماں برداری کے چشمے پھوٹ نکلے ہیں۔ اللہ نے اس کے علم حکمرانی کو فتح مبین کی نشانیوں سے مزین کیا

اور اللہ کی مضبوط ترین رسی سے اعتصام کو دوام بخشا۔ جس کے سر پر یہ تاجِ سلطنت رکھا گیا ہے، اللہ اسے عمر نوح عطا فرمائے اور اس کے ملک کو انوارِ عدل سے روشن فضا کی طرح منور کرے، اللہ اس کے دشمنوں کی غلط آرزوؤں کو ناکام کرے اور زندگی میں انھیں نامراد فرمائے۔ پیروانِ عقل میں اس کو ذوالقرنین ایسا اقتدار عطا فرمائے اور اس کی قلم رو کے مغربین کو مشرقین سے ملادے۔ اس کے دست حکمرانی کو اپنی تائید غیبی سے مضبوط رکھے۔ اس کے اسلحۂ عساکر کو دشمنوں کے خون سے تر کردے، اس کے حکم کو قضائے مبرم کی طرح ہمیشہ نافذ رکھے اور اس کو غیر مختتم اور دائمی چشمہ جاریہ بنادے۔"

فاضل مصنف کے انتساب کے الفاظ کا ہم نے ترجمہ پیش کردیا ہے۔ ممکن ہے ان مدحیہ الفاظ کو علماء کی روایتی سادگی اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہ سمجھا جائے اور اسے مبالغہ آرائی سے تعبیر کیا جائے لیکن اس مدح وتوصیف کی غالباً بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک اس دور میں فتنہ تاتار کی وجہ سے سخت مشکلات میں گھرے ہوئے تھے اور علماء بھی انتہائی مصائب میں مبتلا تھے۔ ہندوستان میں سلطان غیاث الدین بلبن ہی ایک ایسا حکمران تھا جس نے علماء کی تکریم و تعظیم کو اپنا شیوہ بنایا اور ان کو صحیح مقام عطا کیا۔ اس نے مختلف اسلامی ملکوں کے شہزادوں کو بھی پناہ دی اور عباسی خلافت کو بھی تسلیم کیا، لہٰذا قدرتاً اسے مدح وتوصیف کا مستحق گردانا گیا اور اس میں مبالغے کو بھی روا رکھا گیا۔

دوسری بات یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کی عربی عبارت مخطوطے میں بالکل اسی طرح مرقوم ہے۔ اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو ممکن ہے وہ مخطوطے کی کتابت کا نتیجہ ہو۔

مآخذ اور مخففات:

اس فتاویٰ میں فقہ حنفی کے ان مآخذ کا ذکر جا بجا کیا گیا ہے، جن میں سے بعض اب بھی متداول ہیں۔ مصنف نے دیباچے میں ان مآخذ کو بیان کیا ہے اور ان کے مخففات بھی متعین کیے ہیں اور کتاب میں آگے چل کر بطورِ حوالہ مخففات ہی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً جہاں الذخیرہ کا حوالہ دیا ہے، وہاں "ذ" مرقوم ہے، جہاں کوئی مسئلہ الصاعدی سے لیا گیا ہے، وہاں "ذ" لکھا ہے جو "الشامل" سے منقول ہے، وہاں "ش" درج کیا ہے۔ وغیرہ۔ اس سلسلے میں خود مصنف کے

الفاظ یہ ہیں:

وما هو من الذخيرة بالذال وما هو من الصاعدی بالدال۔ وما هو استخرجته من الشامل سميته بالشين وما ادرجته من فتاوى سمرقندی کتبته بالسين، وما ثبته من الظهيرى بالظاء وما طويته من الطحاوی بالطاء وما سطرته من فتاوىٰ افتخار عن (؟) اوضح بالجاء، ❶ وما هو من جامع الفتاوىٰ اوضح بالفتاوىٰ۔ ❷

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب لکھتے وقت مصنف نے اہم فقہی مآخذ کو سامنے رکھا ہے اور ان سے پورا استفادہ کیا ہے۔

اعلامِ فقہ:

پھر مصنف نے بہت سے اہم اعلامِ فقہ، ان کے اسما اور اقوالِ فقہیہ کا کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً ظہیر الدین مرغینانی، الکرخی، امام ابوبکر محمد بن الفضل، شمس الائمہ الحلوائی، ابوبکر الوراق الفقیہ، ابواسحاق الحافظ الامام الرستفغینی، القاضی الامام ابوعلی النسفی، الصدر الشہیر، محمد بن مقاتل القدوری، الفقیہ احمد بن ابراہیم، الشیخ الامام الزاہد ابونصر الصفار، السید امام ناصر الدین الخفاف (یقول فی ادب القاضی) ابن رستم فی نوادرہ۔

مصنف:

فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف کا نام شیخ داؤد بن یوسف الخطیب ہے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں اس فتاویٰ کے دو نسخے ہیں۔ ایک مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ جو ۹۴ صفحات پر محیط ہے اور ایک قلمی نسخہ جو ۱۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ ❸

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں فتاویٰ غیاثیہ کا ذکر کیا ہے۔ ❹ مگر مصنف کا نام نہیں لکھا اور نہ یہ بتایا ہے کہ یہ سلطان غیاث الدین کی طرف منسوب ہے۔ البتہ کشف الظنون

---

❶ غالباً یہ لفظ ''بالخاء'' ہے، جو کتابت کی غلطی سے ''بالجاء'' ہوگیا ہے۔

❷ ورق: ۶۔ ❸ فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص: ۱۰۵۷۔

❹ دیکھیے: جلد ثانی، کالم نمبر: ۱۲،۱۳۔

کی ذیل ایضاح المکنون میں مرقوم ہے کہ یہ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی کی تالیف ہے اور مصنف نے یہ کتاب سلطان غیاث الدین کی خدمت میں پیش کی۔ الفاظ یہ ہیں:

''الفتاویٰ الغیاثیہ'' تالیف داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی ...... اہداہ للسلطان ابی المظفر غیاث الدین الیمین۔'' ❶

برکلمان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب بولاق میں ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۳ھ تک طباعت کے مراحل سے گزرتی رہی۔ اس کے مصنف کا نام داؤد بن یوسف الخطیب ہے۔ ❷

معجم المطبوعات العربیہ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

الخطیب الحنفی (الشیخ) داؤد بن یوسف۔

الفتاویٰ الغیاثیہ۔ قدمها للسلطان ابی المظفر غیاث الدین یمین بهامشها فتاویٰ ابن نجیم او الفتاویٰ الزینة (فقه حنفی) علی نفقة فرح الله الکردی۔ بولاق ۱۳۲۲ھ ص ۱۹۲۔ ❸

بہرحال اگر یہ فتاویٰ طبع بھی ہو گیا ہے تو نایاب ہے۔ اس کا حصول سخت مشکل ہے اور اس وقت اس کی حیثیت مخطوطے کی ہے۔ لیکن اس کے مصنف داؤد بن یوسف کون بزرگ ہیں؟ اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ عہد بلبن کے علما کی جو فہرست تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے، اس میں ان کا نام نہیں ملتا۔ البتہ ایک عالم و فقیہ شیخ سراج الدین ابوبکر بن یوسف سجزی کا نام ملتا ہے۔ نزہۃ الخواطر میں سیّد عبدالحی لکھنوی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوبکر بن یوسف بن حسین سقرانی امام سراج الدین سجزی فقہ، اصولِ فقہ اور عربی میں دسترس رکھتے تھے۔ بعہد سلطان غیاث الدین بلبن کئی سال دہلی میں ان کا فیضانِ علم جاری رہا۔ سلطان موصوف کے عہد سے پیشتر کے ارباب حکومت کے زمانے میں بھی بے شمار حضرات نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اکثر ان سے ملاقات کے لیے جاتا۔ نمازِ جمعہ کے بعد بھی

---

❶ ایضاح المکنون فی الذیل کشف الظنون، جلد ثانی، کالم: ۱۵۷۔

❷ تکملہ تاریخ ادب عربی جلد ثانی، ص: ۹۵۱۔

❸ کالم: ۸۲۸۔

ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ اس ضمن میں نزہۃ الخواطر کے اصل الفاظ یہ ہیں:

الشیخ العالم الکبیر العلامة ابوبکر بن یوسف بن الحسین السقرانی الامام سراج الدین السجزی احد کبار العلماء المبرزین فی الفقه والاصول والعربیة درس و افادمدةً طویلة بدار الملك دهلی فی عهد السلطان غیاث الدین بلبن ومن قبله من الملوك، اخذ عنه جمع کثیر من العلماء وکان السلطان غیاث الدین المذکور یکرمه غایة الکرام ویترد دالیه فی کل اسبوع بعد صلوٰة الجمعة ویحظی بصحبته. ❶

نزہۃ الخواطر میں تاریخ فرشتہ کا حوالہ دیا گیا ہے، مگر فرشتہ میں، بلبن کے حالات کے ضمن میں صرف سراج الدین سجزی مذکور ہے۔ ❷ ابوبکر یوسف نہیں۔

بلبن سے قبل کے کسی سلطان کے حالات میں بھی ان کا نام مجھے نہیں ملا۔ ممکن ہے فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف یہی بزرگ ہوں یا ان علما وفضلا میں سے کوئی صاحب ہوں جو اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے دہلی میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ وثوق سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

الفتاویٰ الغیاثیہ غالباً فتاویٰ کا پہلا مجموعہ ہے جو ساتویں ہجری میں ہندوستان میں سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں معرضِ تحریر میں لایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے، اس سے قبل اس برصغیر میں اس انداز سے مسائل فقہ کے جمع وتدوین کی علماء کو عادت نہ تھی۔ اس سے پہلے کی اس نوع کی کوئی کتاب جو اس خطہ ارض میں مرتب کی گئی ہو، ہمارے علم میں نہیں آئی۔ افسوس ہے یہ فتاویٰ ناقص ہے۔ اس کے بہت سے اوراق دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ فہرست مضامین کے کئی ابواب کتاب میں موجود نہیں۔ اگر فتاویٰ کا یہ مجموعہ مکمل صورت میں موجود ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ فقہ میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہوتی۔ تاہم اب بھی اس کا فقہی درجہ اس اعتبار سے بلند ہے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی ہندوستان میں فہم مسائل کا کیا اسلوب تھا۔ اس دور

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد اول، ص: ۱۲۱۔

❷ تاریخ فرشتہ، جلد: ۱، ص: ۷۶۔

میں کس قسم کے امورِ عوامِ اور حکمران طبقے کو درپیش تھے، اور وہ ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔ اس قسم کی کتابیں ہماری فقہی، علمی اور ثقافتی روایات کو مستحکم کرنے، انھیں اسلامی معاشرے میں ترویج دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور حال کے رشتے کو ماضی سے جوڑنے میں مدد دیتی ہیں۔

فتاویٰ کا یہ مجموعہ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا) مسائل فقہ حنفیہ پر محیط ہے اور اس میں ان افکار و آرا کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے جن میں حنفی فقہ کی توثیق و وضاحت ہوتی ہے۔ اس کے مآخذ بھی حنفی فقہ پر مشتمل ہیں اور تمام مسائل اسی کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیوں کہ اُس دور میں یہاں حنفی فقہ ہی مروّج تھی اور مسلمان معاشرے کے عوام و خواص اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فتاویٰ غیاثیہ کی مقبولیت و مرجعیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دیارِ سندھ کے دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ و امام علامہ محمد جعفر بن علامہ عبدالکریم الشہیر بمیران بن یعقوب بوبکانی سندھی نے اپنی معروف فقہی تالیف المتانۃ فی مرمۃ الخزانہ میں کئی مقامات پر اس کا حوالے کے طور پر ذکر کیا ہے اور متعدد فقہی مسائل اس سے اخذ کیے ہیں۔ [1] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ جو ساتویں صدی ہجری میں معرضِ تصنیف میں لایا گیا، دسویں صدی ہجری تک علما و فقہا میں متداول تھا اور وہ اس سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے پنجاب یونیورسٹی کا جو مخطوطہ ہمارے پیش نگاہ ہے، وہ چوں کہ ناقص ہے، اس لیے بہت سے مسائل جن کا حوالہ متانہ میں دیا گیا ہے، اس میں موجود نہیں، فتاویٰ عالم گیری میں بھی اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۸۲ اوراق کے اس ناقص و نامکمل مخطوطے میں جو مسائل بیان کی گئے ہیں، ان میں سے چند مسائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

فاسق و مبدع کی امامت میں نماز:

مصنف نے ایک فصل کے تحت ایک عنوان قائم کیا ہے: فی الامامۃ والاقتداء

---

[1] المتانۃ فی مرمۃ الخزانہ سندھی ادبی بورڈ کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، اور یہ کتاب فقہی مسائل کا مجموعہ ہے۔

الصلوٰۃ خلف اھل الفسق والبدعۃ۔ اس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مبدع اور فاسق کی امامت میں نماز ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ مصنف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادا کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں وہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

اذا صلی خلف فاسق او مبدع وھو ممن یجوز الصلوٰۃ خلفہ فانہ ینال فضل الجماعۃ لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل برو فاجر. ❶

"یعنی کوئی شخص فاسق اور اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھے (تو اس میں کوئی حرج نہیں) وہ جماعت کی فضیلت کو پالے گا۔ ایسا امام ان لوگوں میں سے ہے جن کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ مسائل میں ارشادات پیغمبر ﷺ بھی مصنف کے پیش نگاہ ہیں۔ (اگرچہ ہر جگہ اس کا التزام نہیں کیا گیا۔)

نمازِ جمعہ اور اس کی شرائط:

نمازِ جمعہ کہاں پڑھنی چاہیے اور اس کی کیا شرائط ہیں۔ یہ فقہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ "جمعہ فی القریٰ" ان کے نزدیک جائز نہیں۔ وہ نمازِ جمعہ کو شہر اور مصر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور پھر یہ وضاحت کرتے ہیں کہ شہر کیا ہوتا ہے اور مصر کی تعریف کیا ہے اور اس کا اطلاق کس مقام پر کیا جا سکتا ہے۔ "باب الجمعۃ وشرائطھا" میں مصنفِ فتاویٰ فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے امام سرخسی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال شمس الائمۃ السرخسی ظاھر المذھب ان المصر الجامع مافیہ جماعات الناس واسواق التجارات وسلطان او قاضی یقیم

---

❶ ورق: ۲۳۔

الحدود وينفذ الاحكام اى يقدر على ذلك ويكون فيه مفتي۔ ان لم يكن القاضي والسلطان بنفسه مفتي۔ اذا وقع الشك فى وجود تحققه ينبغي لاهله ان يصلوا بعد الجمعة اربعا بنية الظهر۔ ❶

’’یعنی شمس الآئمہ سرخسی فرماتے ہیں: ظاہر مذہب کی رو سے مصرِ جامع وہ ہے جس میں لوگوں کا ہجوم آباد ہو۔ مختلف چیزوں کی تجارت کے بازار ہوں اور سلطان، یا قاضی ہو، جو حدود قائم کرتا اور احکام کا نفاذ کرتا ہو۔ یعنی وہ حدود قائم کرنے اور احکام کے اجرا و تنفیذ پر قادر ہو۔ نیز اس میں مفتی متعین ہو۔ اگر قاضی نہ ہو تو خود سلطان کی حیثیت مفتی کی ہے۔ اگر ان شرائط کا وجود ثابت و متحقق ہونے میں شک پیدا ہو جائے تو وہاں کے رہنے والوں کو چاہیے کہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت کر کے چار رکعت نماز پڑھ لیں۔‘‘

مصنف کی عبارت کا مطلب ظاہر ہے۔ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ جس شہر میں یہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں، اس میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے اور اگر پڑھ لیا گیا اور بعد میں شک پڑ گیا کہ یہ شہر ان شرائط سے محروم ہے تو سمجھ لیجیے کہ جمعہ نہیں ہوا۔ نمازیوں کو چاہیے ظہر کی نماز ادا کریں۔

قرآن و حدیث میں اس قسم کی شرائط کہیں مذکور نہیں۔ جمعہ ہر شہر اور ہر گاؤں کے لوگوں پر فرض ہے۔ اس میں شہر اور دیہات کی قید اور شرائط کی تعیین قرآن اور حدیث کے خلاف ہے۔

مسائل میں حالات کی رعایت:

مصنف نے جس دور میں یہ کتاب تصنیف کی وہ عالم اسلامی کے لیے بدرجہ غایت کرب و آلام کا دور تھا۔ تاتاریوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ہر سو فتنہ و فساد پھیلا ہوا تھا۔ راستے منقطع ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے لیے حج کا سفر انتہائی مشکل ہو گیا تھا۔ چناں چہ ’’کتاب الحج‘‘ کے ضمن میں مسائل حج بیان کرتے ہوئے مصنف نے اپنے گرد و پیش کے حالات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور مشائخ بلخ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال جماعة من مشائخ بلخ ان الحج ليس بفريضة فى زماننا. ❷

---

❶ ص: ۳۲۔

❷ ورق: ۴۶۔

"یعنی مشائخ بلخ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ہمارے زمانے میں حج فرض نہیں رہا۔"

وجوب حج کی شرائط میں راستوں کا امن بھی شامل ہے:

مصنف فتاویٰ حج کے سلسلے میں دیگر شرائط کے ساتھ راستوں کے امن و حفاظت کو بھی وجوب حج کے لیے ضروری شرط قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وفی الجملة امن الطریق من شرائط الوجوب بلاخلاف، وخوف الطریق کعدم الزاد والراحلة، فالمختار ماقال الفقیه ابواللیث ان الامن فی الطریق اذا کان غالبا یجب والا فهو ساقط۔[1]

"یعنی فی الجملہ بلاکسی اختلاف کے (حج کے) شرائط وجوب میں سے راستوں کا محفوظ و مامون ہونا ہے۔ راستے کے خوف وخطر کی حیثیت بالکل وہی ہے جو زادِ راہ اور سواری کے فقدان کی ہے۔ اس باب میں پسندیدہ بات وہی ہے جو فقیہ ابواللیث نے کہی کہ جب راستے کے امن و امان کا پہلو زیادہ غالب ہو تو حج واجب ہوتا ہے، ورنہ اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔"

حج ثانی کے بارے میں:

ایک مرتبہ انسان اگر فریضہ حج سے سبک دوش ہو جائے تو دوسری مرتبہ (حج نفلی) ادا کرنے کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ حج کے بجائے اتنی رقم صدقے میں ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

من حج مرة فاراد ان یحج اخری فالمختاران الصدقة افضل لان نفعها متعد بخلاف الحج.

ورق: ٣٦۔

"یعنی جو شخص ایک دفعہ فریضہ حج ادا کر چکا ہو اور دوسری دفعہ ارادہ رکھتا ہو تو اس سلسلے میں مذہب مختار یہ ہے کہ وہی رقم مستحقین کو صدقے کے طور پر دینا حج ثانی کی نسبت زیادہ افضلیت کا باعث ہے اور زیادہ اجر وثواب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

---

[1] ورق: ٣٦۔

سواری پر حج کو جانا زیادہ افضل ہے یا پیدل؟

یہاں مصنف فتاویٰ نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ سواری پر حج کے لیے جانا زیادہ باعث فضیلت ہے یا دیارِ محبوب کو پیدل چل کر جانا اپنے اندر زیادہ اجر وثواب کی مقدار لیے ہوئے ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: پیدل کی نسبت سواری پر حج کو جانے میں زیادہ افضلیت پنہاں ہے۔ کیوں کہ طویل اور دشوار گزار یا پیادہ سفر میں مسافر دیارِ رسول (ﷺ) کو اس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بسااوقات اس کے جسم میں کئی نوع کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور خطرناک بیماریاں ابھر آتی ہیں۔ مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

الحج راكبًا افضل من المشي كيلا يسوء خلقه بالجهد . [1]

''سواری پر حج کو جانا یا پیادہ جانے سے زیادہ باعث فضیلت ہے۔ تا کہ سفر کی مشقت و صعوبت سے اس کے جسم میں کسی قسم کی بیماری اور نقص کے آثار نہ پیدا ہوں۔''

طلاق کے سلسلے میں ایک دلچسپ نکتہ:

فتاویٰ غیاثیہ کے فاضل مصنف نے ایک مقام پر طلاق کے بارے میں ایک دلچسپ نکتہ پیدا کیا ہے، فرماتے ہیں:

رجل قال لامرأته تلاق۔ ههنا خمسة الفاظ تلاق وتلاغ وطلاغ وتلاك وطلاك عن الامام ابي بكر محمد بن الفضل ماكان يعني في الالفاظ الخمسة انه يقع وان تعمد وقصد ان لا يقع لا يصدق قضاءً صدق ديانة . [2]

یعنی ایک شخص اپنی بیوی کے لیے تلاق کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہے۔ یہاں اس قسم کے پانچ الفاظ ہیں: تلاق، تلاغ، طلاغ، تلاک اور طلاک۔ امام ابوبکر محمد بن فضل کہتے ہیں: ان پانچ میں اس کی مراد اگرچہ کچھ ہو، طلاق واقع ہوجائے گی۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ طلاق نہ پڑے تو اس کی تصدیق قضائے قاضی سے نہیں ہوگی بلکہ اس کی دیانت

---

[1] ورق: ۵۳۔

[2] ورق: ۵۳۔

سے ہوگی۔"

مصنف کا یہ نکتہ عجیب وغریب اور کتاب الحیل سے کشید کردہ ہے۔ اس قسم کے نکات بعض اوقات اسلام کے احکام سے گریز کا باعث بن جاتے ہیں اور لوگ حیلوں بہانوں پر اتر آتے ہیں۔

مطلب یہ کہ اس کا ضمیر اور دیانت ہی اصل حقیقت سے پردہ اُٹھائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی مصنف لکھتے ہیں: اگر اس لفظ کے تلفظ کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو ہم دیکھیں گے یہ لفظ بولنے والا کون ہے۔ عالم ہے یا جاہل؟ اگر عالم ہے اور الفاظ کے فرق کو جانتا ہے اور اس نے کسی وجہ سے بیوی کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے تلاق یا طلاک کا لفظ زبان سے نکالا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا، کہ قائل عجمی ہے یا عربی۔ اگر عربی ہے اور اسے معلوم ہے کہ حرف کے مخرج سے معنی بدل جاتا ہے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

کافر اور مظلوم:

باب الاستحسان والکراہیۃ کی فصل اوّل کی "نوع فی الدعاء" میں مصنف نے اس بات پر بحث کی ہے۔

الکافر اذا دعا اللّٰہ اختلفوا فیہ انہ ھل یقال انہ دعاء ہ یستجاب . ❶

یعنی کافر کسی سلسلے میں اللہ سے دعا مانگے تو فقہا کے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس کے لیے یہ لفظ کہا جائے گا کہ اس کی دُعا قبول کی گئی؟

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ قبولیت دعا کا سلسلہ اہل اسلام سے ہے، اور دعا اور استجابت دعا دونوں شرعی لفظ ہیں تو کیا فقہی لحاظ سے ان الفاظ کا انتساب کافر کی طرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں: حدیث میں ہے: ان دعوۃ المظلوم مستجابۃ "مظلوم کی دعا قبول کی جاتی ہے۔" یہاں نہ کافر کا لفظ ہے نہ مسلم کا۔ صرف مظلوم کا ہے اور مظلوم کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں: ان کان کافرًا۔ یعنی مظلوم اگرچہ کافر ہو اس کی دعا قبول ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب مظلوم کا لفظ عام ہے

❶ ورق: ۷۸۔

کافر یا مومن کے ساتھ مختص نہیں تو ہر شخص کی دعا کے لیے اللہ کا بابِ اجابت وا ہے اور اس کے لیے دعا اور استجابتِ دعا کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

قرآن کی تلاوت کرنے والے پر سلام کہنے کے بارے میں:

کوئی شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کو سلام کہنا چاہیے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں:

لا یسلم علی قارئ القرآن لکیلا یشغله عنه . ❶

"قرآن کی تلاوت کرنے والے کو السلام علیکم نہ کہا جائے تا کہ اس کی توجہ قرآن سے نہ ہٹ جائے اور وہ دوسری طرف مشغول ہو جائے۔"

بادشاہ کو سجدہ نہ کیا جائے:

مصنف نے باب الاستحسان والکراھیۃ کی فصل ثالث میں ایک نوع کا عنوان قائم کیا ہے: فی ملاقات الملوك . ...اس میں انھوں نے اس دور کی درباری بدعات اور غیر اسلامی رسوم وعوائد کی جرأت سے تردید کی ہے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی سخت مخالفت کی ہے، لکھتے ہیں:

اذا قیل للمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لا یسجد انه کفروا لا فضل ان یحترز عما هو کفر و ان کان مکرها . ❷

"کسی مسلمان کو اگر کہا جائے کہ بادشاہ کے سامنے سجدہ کرو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے تو افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے۔ کیوں کہ سجدہ کرنا کفر ہے اور افضل یہ ہے کہ کفر سے احتراز کیا جائے، اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی مجبور کیا جائے۔"

تعظیم سے ہاتھ چومنا:

ساتھ ہی فرماتے ہیں:

تقبیل ید العالم والسلطان العادل جائز . ❸

"عالم کا اور سلطان عادل کا احتراماً ہاتھ چومنا جائز ہے۔"

---

❶ ورق: ۷۹۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً۔

امیر کے سامنے کلمہ حق کی اہمیت:

اس باب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر امیر کسی کو اپنے ہاں طلب کرے اور اس انداز کی بات کرے کہ اس کا صحیح اور قرین صواب جواب دینے کی صورت میں سزا و عقوبت کا خطرہ لاحق ہو تو کیا کرنا چاہیے۔ مصنف تحریر فرماتے ہیں:

یدعوه الامیر ویسئله عن اشیاء فان تکلم بما یوافق الحق یناله مکروه منه فانه لا ینبغی ان یتکلم بخلاف الحق ولا محل له ان یتکلم بما یوافق له لقوله علیه السلام من تکلم عند ظالم بما یرضیه بغیر حق یغیر اللّٰه قلب الظالم علیه ویسلط علیه .

''یعنی اسے امیر اپنے ہاں بلاتا ہے اور اس قسم کے سوال کرتا ہے کہ اگر صحیح اور درست جواب دے تو اس کی طرف سے شر اور سزا کا خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ خلافِ حق کوئی بات زبان سے نہ نکالی جائے اور اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ (امیر کو خوش کرنے کے لیے) اس کی مرضی کے مطابق بات کرے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ظالم کے پاس اس کی مرضی کے مطابق ناحق اور غلط بات کہتا ہے، اللہ (بطورِ سزا) ظالم کے دل کو اس کی طرف سے بدل دے گا اور اس ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔''

بادشاہوں کی خدمت میں حاضری:

سلاطین و ملوک کے ہاں جانے کے سلسلے میں امام ابواللیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابی للیث الحافظ انه کان یکره الدخول علی السلاطین ویفتی بذلك . [1]

''یعنی امام ابواللیث سلاطین کے ہاں جانے کو برا سمجھتے تھے اور یہی فتویٰ دیتے تھے۔''

احتیاط اور افضلیت:

مصنف بعض معاملات میں بہت محتاط ہیں۔ فرماتے ہیں: احتیاط اور افضلیت کا تقاضا یہ

---

[1] ورق: ۷۹۔

ہے کہ جنگل کے درختوں سے آندھی یا بارش کی وجہ سے جو پھل گرتا ہے وہ نہ کھایا جائے اور نہ راستے سے مٹی اکھاڑی جائے۔ نہ راستہ چلتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا جائے۔ ❶

مقروض سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں:

مقروض سے تحفہ وغیرہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ فرماتے ہیں:

المستقرض اذا اهدى فالافضل ان لا يقبل اذا كان شيئا لا يهدى من قبل. ❷

''یعنی قرض خواہ کے لیے افضلیت اسی میں ہے کہ اسے (مقروض کی طرف سے) تحفہ پیش کیا جائے تو قبول نہ کرے، جب کہ قبل ازیں اسے کوئی تحفہ نہیں پیش کیا جاتا تھا۔''

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرض سے پہلے قرض خواہ اور مقروض کے درمیان تحائف کے باہمی مبادلے کا سلسلہ جاری تھا تو تحفہ قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر قرض لینے کے بعد ہی تحفہ پیش کیا گیا ہے تو قبول نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ تحفہ سود کی تعریف میں آئے گا اور سود ہر صورت اور ہر شکل میں حرام ہے۔

بیت المال کے سلسلے میں:

فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف نے ''بیت المال ومصارفہ'' میں دیگر امور کے ساتھ اس بات کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ بیت المال کی حفاظت کتنی ضروری ہے اور مسلمانوں کے اس اجتماعی خزانے سے کن لوگوں کی خدمت کی جا سکتی ہے اور یہ روپیہ معاشرے کے کن افراد پر خرچ کرنا چاہیے اور پھر کس قسم کے لوگوں کو اس سے کوئی چیز دینا ممنوع ہے، لکھا ہے:

ليس للاغنياء فى بيت المال نصيب هو المختار الا ان يكون عالما فرغ نفسه لتعليم الناس القرآن والفقه او يكون قاضيا او مفتيا وقد صح ان عليّا اعطى فقهاء حملة القرآن منه ومقدار ما يصرف الى مصرف مفوض الى اجتهاد الوالى.

''یعنی مذہب مختار یہ ہے کہ بیت المال میں اغنیا کا کوئی حصہ نہیں۔ البتہ اس سے کچھ

---

❶ ورق: ۸۰۔ ❷ ورق: ۸۰۔

لوگ مستثنیٰ ہوں گے۔ (ایک) وہ عالم دین جس نے (دنیا کے تمام کام ترک کر کے) خود کو لوگوں میں قرآن اور فقہ کی تعلیم پھیلانے کے لیے فارغ کرلیا ہو (دوسرے) جو شخص قاضی ہو یا مفتی ہو۔ کیوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حفاظِ قرآن فقہا کو بیت المال سے رقوم عطا کیں۔ اب سوال یہ ہے ان میں سے ہر شخص کی (بیت المال سے) کس مقدار سے مدد کی جائے گی؟ اس فیصلے کا انحصار والی کے اجتہاد پر ہے (وہ جتنی رقم مناسب سمجھے دے دے)۔"

پیشگی اُجرت:

مسائل فقہ میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کام کی پیشگی اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف نے اس سلسلے میں اسی باب میں لکھا ہے کہ لے سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ نہ لے۔ مصنف فرماتے ہیں:

اذا استعجل المصدق عمالته والقاضی رزقه قبل الوجوب، ان رأی الامام ان یعطیه جاز لکن الا فضل ان لا یأخذه لانه لا یدری ایعیش الی الوقت الوجوب ام لا.

"یعنی اگر صدقہ جمع کرنے والا اپنی اُجرت اور قاضی اپنی تنخواہ پورے دن گزرنے اور واجب و متحقق ہونے سے پہلے پیشگی طلب کرے تو اس معاملے کا تعلق امام سے ہے۔ اگر وہ دے دے تو اس کا یہ عمل جائز گردانا جائے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ شخص پیشگی اجرت نہ لے، کیوں کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اُجرت واجب ہونے تک وہ زندہ بھی رہے گا، یا نہیں؟"

پیشگی اُجرت کے سلسلے میں فقہا نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک واقعہ کو بطورِ دلیل ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ایک بیٹے کے کپڑے پھٹ چکے تھے اور وہ یہی کپڑے پہن کر حصولِ تعلیم کے لیے مدرسے جاتا تھا۔ اس کے ہم درس اس کا مذاق اُڑاتے تھے کیوں کہ وہ امیر المؤمنین کے بیٹے کو اس قسم کے لباس میں دیکھنے کے عادی نہ تھے۔ بیٹا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نئے کپڑوں کا مطالبہ کیا۔ باپ کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ بیٹے کا مطالبہ پورا کرسکتا۔

انھوں نے بیت المال کے خازن کی طرف رجوع کیا اور لکھا کہ میری تنخواہ کے حساب میں سے کچھ رقم پیشگی دی جائے تاکہ میں اپنے بیٹے کے لیے نئے کپڑے مہیا کرسکوں۔ خازن نے امیر المؤمنین کے مکتوب کا جواب ان الفاظ میں دیا:

انا کنا نعمل لکم مادمتم تامروننا بالطاعة، فاذا امرتمونا بالجور فانا لا نعمل لکم، ثم انك ان ضمنت لی نفسك بان تعیش وتعمل للمسلمین الی رأس الشهر وجهت الیك ما سألت.

''یعنی جب تک آپ ہمیں حکم دیتے رہیں گے ہم اطاعت کرتے رہیں گے لیکن جب آپ ہمیں ظلم و جور کا حکم دیں گے تو ہم نہیں مانیں گے (اب آپ کے مدعا کا جواب یہ ہے کہ) اگر آپ مجھے ضمانت دیں کہ مہینا ختم ہونے تک زندہ رہیں گے اور مسلمانوں کی (اسی طرح) خدمت کرتے رہیں گے تو جو کچھ آپ نے مانگا ہے، میں دینے کو تیار ہوں۔''

خازن کا یہ مکتوب امیر المؤمنین نے پڑھا تو بیٹے سے کہا:

یُبُنَیَّ اذهب مع خلقانك، وان عیرك الصبیان فان اباك لا یقدر علی جدید ثیابك.

''اے بیٹے! اپنے انہی پھٹے پرانے کپڑوں میں جاؤ۔ اگر لڑکے تم پر طعنہ زنی کرتے اور تمہارا مذاق اُڑاتے ہیں تو یاد رکھو، تمھارا باپ تمھیں نئے کپڑے مہیا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔''

اس سے فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پیشگی اجرت نہ لینا اولیٰ ہے، لیکن اگر شدید ضرورت ہو تو کوئی حرج بھی نہیں!

کیا ہاشمی سید مالِ زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے؟

باب اداء الزکوٰۃ میں مصنف نے زکوٰۃ وصدقہ کے مسائل بیان کیے ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ ہاشمی سادات کے خاندان کا کوئی فرد مال زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ویکرہ للھاشمی عند ابی یوسف خلا فالمحمد وروی ابوعصمة، عن ابی حنیفةؒ انہ یجوز دفع الزکوۃ الی الھاشمی وانما کان لایجوز فی ذلك الوقت.

"امام ابویوسف کے نزدیک ہاشمی کے لیے زکوٰۃ قبول کرنا مکروہ ہے۔لیکن امام محمد اس کے خلاف ہیں (وہ کہتے ہیں: ہاشمی زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے) ابوعصمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔اس کا عدم جواز اُسی زمانے کے لیے مخصوص تھا۔ (اب کراہت کا یہ حکم باقی نہیں رہا۔)"

صدقہ فطر:

باب صدقۃ الفطر میں مصنف فتاویٰ نے اس موضوع سے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ صدقۂ فطر عید کے روز نمازِ فجر کے بعد سے لے کر نمازِ عید پڑھنے سے پہلے ادا کردینا چاہیے، تاکہ اس سے مساکین و مستحقین فائدہ اُٹھاسکیں اور عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل ہوسکیں۔صحیح مسئلہ بھی یہی ہے اور اس پر سب لوگ عمل پیرا ہیں لیکن اس ضمن میں دیگر محدثین وفقہا کی طرح مصنف کے سامنے ایک اور نقطہ نظر بھی ہے اور متعدد ذرائع شرع سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اور وہ یہ کہ اگر صدقہ فطر عید کے روز ہی ادا کیا جائے تو اس سے غربا اور مساکین زیادہ فائدہ نہیں اُٹھاسکتے۔کیوں کہ وہ اس مختصر وقت میں نہ کپڑے خرید سکتے ہیں، نہ ضروری سامان مہیا کرسکتے ہیں اور نہ عام مسلمانوں کی خوشی میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اس لیے اگر عید سے کچھ روز پہلے ہی صدقہ فطر ادا کردیا جائے تو شریعت کا منشا بطریق احسن پورا ہوسکے گا، کیوں کہ وہ عید تک اس رقم سے اپنی ضرریات بآسانی خرید سکتے ہیں۔چناں چہ مصنف لکھتے ہیں:

یجوز تعجیلھا اذا دخل شھر رمضان وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل وعلیه الفتویٰ.

"یعنی ماہِ رمضان شروع ہوتے ہی صدقۃ الفطر ادا کردینا جائز ہے اور شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل کے نزدیک یہی پسندیدہ ہے اور یہی مفتی بہا ہے۔"

اقرارِ جرم میں الفاظ کا استعمال:

فقہا نے اقرار جرم کے سلسلے میں اصل اہمیت ملزم کے الفاظ کو دی ہے اور اس کے الفاظ ہی کو فیصلے کا دارومدار قرار دیا ہے۔ فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف کتاب السرقہ میں لکھتے ہیں کہ جو شخص چوری کے الزام میں قاضی کے سامنے پیش ہوتا ہے اسے اسی صورت میں سزا دی جائے گی جب وہ مالِ مسروقہ کا نام لے کر کہے کہ میں نے یہ مال چوری کیا ہے۔ انا سارق ھذا الثوب ...... ''میں اس کپڑے کا چور ہوں۔'' لیکن اگر وہ صرف یہ کہتا ہے میں چور ہوں۔ انا سارق . اور مالِ مسروقہ کا نام نہیں لیتا تو وہ قابل سزا نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ ''انا سارق'' کہہ کر محض ایک سرقے کا ذکر کرتا ہے جس کا وہ تعین نہیں کرتا۔ اس سے وہ قابل گرفت اور قابل سزا نہ ہوگا۔

ساتھ ہی لکھتے ہیں: اگر سارق پہلے تو سرقے کا اقرار کرتا ہے، پھر انکار کر دیتا ہے اور اس کے بعد پھر اقرار کر لیتا ہے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ جتنا مال چوری ہوا ہے، اس سے اتنی قیمت لی جائے گی۔ کیوں کہ اس نے پہلے اقرار کر کے، پھر انکار کر کے اور پھر اقرار کر کے قاضی کو شک میں ڈال دیا ہے اور شک کا فائدہ بہرحال ملزم کو پہنچے گا۔

اقرارِ جرم کے بارے میں!

حدود کی فصل میں مصنف نے اس مسئلے کو موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ کس جرم پر کیا سزا دی جائے گی اور یہ کہ جرم کا اقرار کس کے سامنے قابل مواخذہ اور لائق عقوبت ہوگا۔ فرماتے ہیں:

واقراره عند غير القاضي ليس بشيء .

''یعنی قاضی کے علاوہ جرم کا اقرار اگرچہ کسی کے سامنے کیا جائے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

فقہی لحاظ سے مصنف کے نزدیک کسی الزام کے فیصلے کی اصل جگہ قاضی کی عدالت ہے۔ جو اقرار قاضی کے سامنے کیا جائے گا، وہی صحیح اور قابل اعتماد ہوگا۔ اس کے علاوہ خواہ کسی جگہ اقرار کیا جائے قابل گرفت نہ ہوگا۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے سے مریض کا انکار:

فقہائے عظام نے تمام معاملات میں مریض اور تندرست کی ذہنی اور جسمانی غور و فکر کی

کیفیتوں کے تفاوت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور بعض بنیادی اہمیت کے مسائل میں بھی ان دونوں کو ایک ہی سطح پر لانے سے صاف انکار کیا ہے۔ مثلاً الفاظِ کفر کی بحث میں مصنف فرماتے ہیں:

اذا قیل للمریض قل لا اله الا اللّٰه فقال لا اقول لا یکفر.

''اگر مریض سے کہا جائے کہ لا الہ الا اللہ کہو اور وہ جواب دے کہ میں نہیں کہتا تو (انکار کی وجہ سے) اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔''

مطلب یہ کہ مریض پر مختلف اوقات میں مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں وہ کس وقت کس کیفیت میں ہو، لہٰذا اس کا کلمہ شہادت پڑھنے سے انکار فقہی نقطہ نگاہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ بات مصنف فتاویٰ کی انسانی نفسیات اور وقتِ وفات اس کی کیفیات کو سمجھنے کی دلیل ہے۔ اسی لیے منقول ہے کہ کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو تو اس سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ کلمہ شہادت پڑھو، بلکہ اس کے سامنے خود کلمہ شہادت پڑھنا چاہیے۔ کیا معلوم وہ اس وقت کس کیفیت سے دوچار ہو اور وہ انکار کر دے تو لوگوں پر کیا اثر مترتب ہو۔

استعمال الفاظ میں احتیاط کی تاکید:

اس ضمن میں فتاویٰ کے مصنف نے یہ بھی تاکید کی ہے کہ الفاظ کے استعمال میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا جائے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جس سے دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہو یا اسے ذہنی اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔ کسی کو کافر کہنا اور اس کے اسلام اور ایمان میں شک کرنا مصنف کے نزدیک انتہائی غلط ہے۔ اس سے زبان کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ مصنف لکھتے ہیں:

" الـلـفظ الشنیع " زبان سے نکالنا چاہیے۔ اور نہ وہ لفظ نکالنا چاہیے جو " تشبه بالشنیع " ہو۔

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.

''کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے یا تو اچھی بات زبان سے نکالنا چاہیے، یا خاموش رہنا چاہیے۔''

حالت سفر میں مرنے والے کا مال:

مصنف نے ''لقطہ'' کی فصل میں بعض عجیب باتیں بیان کی ہیں، لکھتے ہیں:

غریب مات فی دار رجل ولیس له وارث معروف وخلف ما لا یساوی خمسة دراهم وصاحب الدار فقیر فله ان یتصدق بها علی نفسه لانه بمنزلة اللقطة .

''یعنی ایک شخص حالت سفر میں ایک شخص کے گھر میں وفات پا گیا۔ اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس نے پانچ درہموں کے برابر مال چھوڑا ہے اور گھر کا مالک (جہاں وہ فوت ہوا ہے) تنگ دست ہے۔ اب گھر کے مالک کو چاہیے کہ اس مال کو بطورِ صدقہ اپنے پاس رکھ لے، اس لیے کہ وہ مال لقطہ کے حکم میں ہے۔''

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ متوفی تھوڑا بہت مال کسی اجنبی کے گھر چھوڑ کر مرجائے تو صاحب خانہ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ گھر کا مالک اگر تنگ دست ہے تو اس مال کو اپنے آپ پر صدقہ سمجھ کر خرچ کرسکتا ہے، کیوں کہ اس مال کی حیثیت ''لقطہ'' کی سی ہے اور لقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو زمین پر پڑا ہوا کسی کو مل جائے۔

دعا کے بارے میں:

مصنف نے دُعا کی فصل میں دعا مانگنے کے طریقے اور آداب ذکر کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اللہ کے حضور صاف دل لے کر آنا چاہیے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر احضار قلب اور کامل طور پر توجہ الی اللہ نہ ہوسکے تو دعا مانگنے سے گریز کیا جائے۔ اللہ سے دعا بہرحال مانگنی چاہیے۔ دل کی کیفیت اگرچہ کچھ بھی ہو۔ اس ضمن میں مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

رجل یدعوا وهو ساهی القلب ولا یمکنه احضار القلب فالدعاء افضل من ترکه .

''یعنی ایک شخص اللہ سے دعا مانگتا ہے اور اس کا دل غفلت و بے پروائی کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے (کوشش کے باوجود) حضور قلب اس کے لیے ممکن نہیں۔ اس کے لیے دعا مانگنا، دعا نہ مانگنے سے افضل ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے، مصنف عام لوگوں کی قلبی کیفیت سے آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے دعا کے وقت اپنے دل اور ذہن کو حاضر رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ یہ سمجھ کر دعا مانگنا ہی ترک کر دیتے ہیں کہ جب اس کے آداب ہی پورے نہیں ہو سکتے تو خالی مانگنے سے کیا فائدہ؟ مصنف نے ایسے لوگوں کی دلجوئی کرنے کی سعی کی ہے اور انھیں ڈھارس بندھائی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے حضور اگرچہ دل کی کسی کیفیت سے ہو، نہ مانگنے سے مانگنا افضلیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مصنف محض زاہد خشک نہیں۔ وہ گنہگاروں کو ہر حال میں پراُمید رکھنا چاہتے ہیں۔

گداگر کے سلام کا جواب:

فصل فی السلام والمصافحۃ میں مصنف فتاویٰ نے اس موضوع سے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا سنت ہے لیکن ہر شخص کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں:

السائل علی الباب اذا سلم لا یجب ردہ لانہ شعار السوال لا التحیۃ .

”گداگر دروازے پر آ کر سلام کہے تو اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں، اس لیے کہ یہ سلام تو سوال کا ذریعہ ہے نہ کہ تحفہ اور ہدیہ!“

یعنی سلام تو ایک دوسرے سے بہترین الفاظ کی صورت میں تحائف و ہدایا کے مبادلے سے تعبیر ہے۔ ظاہر ہے گداگر اور سائل اس ذہن کے حامل نہیں ہوتے۔ ان کا سلام اپنے اندر مانگنے کا مفہوم رکھتا ہے جس سے شریعت کو کوئی تعلق نہیں، اس لیے اگر ایسے سلام کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

الفتاویٰ الغیاثیہ اس قسم کے بہت سے مسائل پر محیط ہے اور اپنے دور کی ایک فقہی کاوش ہے۔

(۲)

فتاویٰ قراخانی

جلال الدین فیروز خلجی کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

فتاویٰ قراخانی ایک فقہی مخطوطہ ہے جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی کلکشن میں ہے، جس کا نمبر ۱۶۸۲/۳۵۷۴ ہے۔ یہ نسخہ اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے۔ اس کے آغاز میں بتایا گیا ہے، یہ مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی، یا کرمانی کا تصنیف کردہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا یہ مخطوطہ ۳۶۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۷+۴، ۱۰ ہے اور ۱۳ سے ۲۳ تک سطور ہیں۔ آخری ورق پر اس مخطوطے کے کاتب کا نام اسماعیل عماد قاسم احمد قریشی مرقوم ہے، جو بوقت ظہر، بدھ کے روز یکم محرم ۹۳۶ء کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ صفحہ اوّل پر اس مخطوطے کا نام ''فتاویٰ قرآن خوانی'' تحریر کیا گیا ہے۔

مخطوطے میں جہاں حرف ''س'' آیا ہے اس دور کی کتابت کے رواج کے مطابق اس کے نیچے تین نقطے ڈالے گئے ہیں۔ اسی طرح ''گ'' کو ''ک'' اور ''چ'' کو ''ج'' لکھا ہے۔

فتاویٰ قراخانی شروع سے آخر تک جواب وسوال کی صورت میں ہے۔ سوال کے لیے مصنف نے لفظ ''استفتا'' استعمال کیا ہے۔ یعنی مصنف جس مسئلے کو زیر بحث لاتے ہیں، عنوان قائم کر کے پہلے اس کے بارے میں بصورت ''استفتا'' ایک سوال اُٹھاتے ہیں۔ پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔ جواب فقہ حنفی کی مختلف کتابوں کے حوالے سے دیے گئے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے لیکن مسئلہ زیر بحث سے متعلق جس کتاب کا حوالہ دینا مقصود ہو اس کی اصل عبارت (عربی ہو یا فارسی) درج کرتے ہیں۔

فہرست مضامین:

مخطوطے کے مندرجات و مشمولات کی فہرست یہ ہے:

كتاب الطهارات	كتاب الاعتكاف
باب في الغسل	باب الحج
فصل في الماء المستعمل	باب الفاظ الكفر
فصل في مسائل شتى	باب النكاح
فصل الآبار	باب السهو
باب المسح	باب حرمة المصاهرة
باب التيمم	باب نكاح اهل الشرك
كتاب الصلوٰة	باب الرضاع
باب الاذان	كتاب الطلاق
باب صفة الصلوٰة	باب الاستفسار۔ باب ايقاع الطلاق
باب ❶ يفسد الصلوٰة	فصل في التوكيل في الطلاق
باب سجدة التلاوة	باب ما فيها تجديد الطلاق

اس کے بعد کتاب میں باب الخلع ہے، لیکن فہرست میں نہیں ہے۔

باب العيدين	باب الجمعة
باب العدة	باب التراويح
باب الاعتاق	باب الجنائز
باب المكاتب	باب صلوٰة المسافر
فصل في العيد	كتاب الزكوٰة
باب الحضانة	باب صدقة الفطر
باب النفقات	باب الصوم

❶ ''ما يفسد الصلوٰة'' ہونا چاہیے، کتاب میں ''ما'' کا لفظ نہیں ہے۔

كتاب الايمان	باب اليمين فى المساكنة
كتاب السير والبغاة	باب اليمين فى الدخول
كتاب اللقيط	فصل اليمين فى الخروج
كتاب اللقطة	كتاب الحدود
كتاب الفقود	باب الوطى
كتاب الجزية والخراج	باب التعزير
كتاب الاباق	باب الرقة
باب الشركة	باب الوقف

آغاز:

کتاب کا آغاز اس تمہید سے ہوتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد وسپاس و ثنائے (بے) ❶ قیاس مرعلیم مطلق ومکیل ❷ برحق تقدست اسمائہ وتعالیٰ کبریائہٗ راکہ قوام دین مسلما (نی)، ❸ وثبات ملت یمانی ❹ بہ بیان علماء دین دار وفتویٰ فقہاء شرع شعار منوط ومربوط گردانید و بقائے عالم ومقام نسل بنی آدم باظہار حلال وحرام واشاعت شرائع واحکام متعلف ❺ کرد وتحف صلوٰت نامیہ وطرف تحیات زاکیہ برنگینہ خاتم رسالت وطراز کسوت جلالت محمد مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کہ مبین قوانین شریعت ومقرر براہین حکمت بود واطرا واعمال دین ودولت واستقامت امور ملکی وملت بمتابعت افعال واقوال ومشایعت عادات واحوال بازگشت وعزت تسلیمات برآل واصحاب وعترت واحباب او کہ محیط روایت وینابیع درایت وعیون ہدایت بودہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وبعد برضمائر جہانیاں وخواطر عالسیان چوں آفتاب روشن است کہ جوامع ہمت ونواعت

---

❶ کاتب نے ''ثنائے قیاس'' لکھا ہے۔ ''ثنائے بے قیاس'' ہونا چاہیے۔

❷ معلوم ہوتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے، ''ملیک'' ہونا چاہیے۔

❸ مخطوطے میں ''دین مسلما'' لکھا ہے، ''دین مسلمانی'' ہونا چاہیے۔

❹ ''ثبات ملت یمانی'' کے بجائے ''ثبات ملت ایمانی'' ہونا چاہیے۔

❺ یہ لفظ دراصل ''مکلف'' ہے۔

نہمت خسرِ و دین دار سلطان شرع شعار محی آ ثار شریعت، ماہی ❶ رسوم بدعت مظہر دین مسلمانی معلی معالم ملت ایمانی ناصب رایات ملک داری۔ رافع بنائے شہر یاری، ناشر صحائف العدل والاحسان، ناسخ رایات الکفر والطغیان الواثق بتائید الرحمٰن ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان۔

آنکہ عالم راز سر آباد کرد دفع شود وفتنہ و بیداد کرد

ہرکہ از عالم شنید اورا نواخت کارہائے عالماں از زر بساخت

قدر عالم و عالماں چند افزود کانچناں در ہیچ دور نہ بود ❷

خلداللہ ملکہ وسلطنتہ و اعلی امرہ وشانہ در اعلاءِ اعلام شریعت و اظہار آ ثار سنت وتمہید قواعد دین وتاسیس، معاقد یقین موقوف ومصروفیت و ہموارہ از کمال دین داری ووفور نیکوکاری چناں خواستہ بود کہ جمہور امور ملکی وملت جملگی اعمالِ دین و دولت بموجب فتویٰ علمائے وافر دیانت و اقوال فقہائے متوافر صیانت با مضاءِ رسد وعقودِ مناکحات و معاملات وجمع وخراج ومحصلات وقطع دعاوی وخصومات و استیفائے حدود وقصاص وایصالِ حقوق بعام و خاص برنہج شرع محمدی وسنن سنت احمدی جاری کرداند (گرداند) وکتب کہ منافع آں بخاص و عام وفوائد آن بکافۂ اہل الاسلام عائد باشد در عہد میمون ونوبت ہمایوں کہ اوخیر العہود بادشاہانِ روئے زمین و احسن القرون خسروان سپہر تمکین است۔ تالیف وتصنیف مے شود و برحکم الناس علی دین ملوکہم اعیان مملکت وارکان سلطنت بنائے مصالح براساس فتویٰ علمائے دین دار وفقہائے مرضی آ ثار مے کند بریں قضیت بندہ درکاہ (درگاہ) خداگیاں قبول قران خاں؟ راچناں معلوم شد کہ مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی (کرمانی)۔

کتاب درفقہ جامع جمیع ابواب و اقسام شامل کثیر مسائل واحکام ازنود ہشت کتاب ❸ معتبر وتصانیف معتمد کہ علمائے متقین وفقہائے معتمدین را درصحت آں مجال و دراعتبار آں محل ریبت نتواند بود جمع کردو روایات صحیح ومختار راکہ اغلب اغراض ومطلوب عموم خلائق وجمہور طوائف

---

❶ ''ماہی'' کے بجائے ''ماحی'' ہونا چاہیے۔

❷ ان اشعار کے آگے تین شعر اور ہیں جن کے دوسرے مصرعے پوری طرح پڑھے نہیں جاسکے۔

❸ یہاں کتاب سے کتب مراد ہے۔

بداں تعلق دارد درآں ثبت گردانیدہ وعیون مسائل وصور واقعات بعبارت فارسی درصورت فتویٰ و جواب آوردہ واز مرجوع ونادر وضعیف وغیر صحیح احتراز واجتناب واجب دیدہ وبیش ازانکہ کتاب مذکور از سواد ظلمت بنور بیاض رسد وتنقیح وترتیب وتصحیح وتہذیب آنجامد کتب وابواب برمحل خود استقامت یابد مؤلف کتاب بدار آخرت قرار گرفت وسواد مذکور بدست بعضے از ورثہ افتاد وسالہا باز ایں گنج را در زیر زمین مدفون می داشت دبدیں بسبب کتاب مذکور چوں شریعت منسوخہ وتقویم پارینہ مہجور ومتروک ماندہ بود وہیچ کس از فوائد ایں کتاب محفوظ [1] و بہرہ مند نمی شد بندہ درگاہ بلطف حسن واحسان ونہج شریعت از ورثہ مولانا مرحوم بیرون آوردواز حیز تلف وضیاع درمعرض فائدہ وانتفاع رسانیدہ وطبقہ علما وزمرۂ فقہا راجمع کردتا درترتیب وتصحیح وتبویب وتوضیح آں مبالغت نمودندو ظلمت سوادرابرودشنائی بیاض آوردندتا ہرکسے صورت مقصود وچہرۂ مطلوب خویش درآئینہ حصول مشاہدہ ومعائنہ بیند وخواص وعوام رادرمعرفت حکم شرع ہیچ اشکالے واشتباہے نماند وبدعاء دوام مملکت وقوام سلطنت ایں بادشاہ علماء پرور مشغول گردد۔ حق تبارک وتعالیٰ بفضل عمیم و احسانِ قدیم ثواب وثمرات ومیامن ومشومات کہ فائدہ عالمیان از مطالع وعمل باحکام ایں کتاب حاصل شود بایام دولت وعوام سلطنت بادشاہ دین پناہ ماصل ومتواصل گرداند وحسن سعی بندہ درگاہ راسبب نجات ودسیت احراز سعادات کند بحرمت النبی وآلہ الامجاد۔

ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد وشکر اور بے اندازہ ثنائے برحق اس صاحب مرتبہ اور علیم و مالکِ مطلق کے لیے مخصوص ہے، جس کے نام پاکیزہ ہیں اور جس کی کبریائی بہت بلند ہے۔ جس نے دین مسلمانی اور ملت ایمانی کے قیام و بقا کو متدین علما کی تشریح اور متشرع فقہا کے فتووں کے ساتھ وابستہ کیا۔ دنیا اور بقائے نسل انسانی کو حلال وحرام کے اظہار اور احکامِ شرعی کی اشاعت کا مکلف ٹھہرایا۔ نمو پذیر اور پاکیزہ درود ورحمت کے نادر تحائف محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو نگینہ خاتم رسالت اور حق دار لباس جلالت ہیں۔ علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ۔ آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اقدس قوانین شریعت کی تشریح اور دلائل حکمت کو مستحکم کرنے والی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے دین ودنیا اور ملکی وملی امور کو استقامت بخشی۔ اور تسلیمات آپ کے آل و

[1] ''محفوظ'' کے بجائے ''محظوظ'' ہونا چاہیے۔

اصحاب اور عترت و احباب پر جو روایات کے عمیق سمندر، درایت کے جاری چشموں اور ہدایت کی بہتی ہوئی نہریں ہیں۔

''اما بعد! اہل دنیا کے دلوں پر یہ چیز آفتاب کی طرح روشن ہے کہ ابوالمظفر سلطان فیروز شاہ خلداللہ ملکہٗ وسلطنتہ و اعلیٰ امرہ و شانہٗ جو آثارِ شریعت کو زندہ کرنے والا، رسومِ بدعت کو مٹانے والا، دین مسلمانی کو ظاہر کرنے والا، ملت ایمانی کا جھنڈا بلند کرنے والا، علم حکومت کو نصب کرنے والا، شہریاری کی عمارت کو بالا کرنے والا، عدل و احسان کے صحیفوں کو پھیلانے والا، کفر و طغیان کے جھنڈوں کو سرنگوں کرنے والا، تائید خداوندی سے استحکام حاصل کرنے والا ہے۔ وہ علم شریعت کو بلند کرنے، آثارِ سنت کو ظاہر کرنے اور قوعدِ دین و یقین کی بنیاد کو مضبوط کرنے میں مصروف و منہمک ہے۔

''وہ جس نے ایک جہان کو آباد کیا اور فتنہ اور جور و ظلم کو ختم کیا۔ دنیا میں جس نے بھی اس کے بارے میں سنا، اس کی تعریف کی، اور دنیا کی ضروریات کو اس نے پورا کیا۔

اہل علم کی توقیر اس قدر بڑھی کہ کسی دور میں بھی ان کی اس درجہ توقیر و تکریم نہ تھی۔

''اللہ اس کے ملک اور سلطنت کو دوام بخشے اور اس کے حکم اور مرتبہ و مقام کو بلندی عطا کرے کہ وہ اعلائے اعلام شریعت، اظہارِ آثارِ سنت اور تقویم و تاسیس دین میں مصروف ہے۔ وہ اس بات کا خواہاں ہوا کہ کمال دین داری و نیکوکاری کے پیش نظر تمام ملکی امور اور اعمالِ دین و دولت کو علما و فقہا کے فتاویٰ و اقوال کے ساتھ محفوظ کیا جائے اور مناکحت و معاملات، خراج و محصولات، دعاوی و خصومات، اجرائے حدود و قصاص اور عام و خاص کی حق رسی کا سلسلہ شرع محمدی اور سنت احمدی کے مطابق جاری ہو اور ایسی کتاب معرضِ تالیف میں لائی جائے جو عوام و خواص اور تمام اہل اسلام کے لیے فائدہ مند ہو اور جو تمام دنیا کی سلطنتوں کو بھی بہرہ مند کر سکے اور بمجوائے الناس علی دین ملوکھم ارکانِ سلطنت کے مصالح بھی اس میں ہوں اور اس کتاب کی اساس علما و فقہا کے فتاوے ہوں۔

''اس فیصلے کے بعد بندہ درگاہ قبول قرا خاں کو معلوم ہوا کہ مولانا صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرمانی نے فقہ کے بارے میں ایک ایسی کتاب تصنیف کی ہے جو تمام ابواب اور

بے شمار احکام و مسائل پر مشتمل ہے اور علمائے متقین اور فقہائے معتبرین کی تصنیف شدہ ۹۸ کتابوں کا نچوڑ ہے، جس کی صحت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اس میں صحیح و مختار روایات کو جن سے مصالح عامہ وابستہ ہیں، درج کر دیا گیا ہے اور کتاب کو فارسی زبان میں فتویٰ و جواب کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اور ضعیف اور غیر صحیح سے احتراز کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ مسودہ مبیضہ کی صورت اختیار کرتا اور اس کی تنقیح، ترتیب، تصحیح اور تہذیب کی جاتی اور اصل مآخذ اور ان کے ابواب سے مقابلہ کیا جاتا، مؤلف کتاب دار آخرت میں اقامت پذیر ہو گئے۔

"مؤلف کتاب کی وفات کے بعد مسودہ ان کے ورثا کے قبضے میں چلا گیا جو سالہا سال بے مصرف پڑا رہا۔ چوں کہ یہ شریعت منسوخہ اور تقویم پارینہ کی طرح بے کار پڑا رہا، اس لیے اس سے کوئی شخص بھی فائدہ نہ اُٹھا سکا۔ بندہ درگاہ نے مؤلف مرحوم کے ورثا سے مسودہ کسی طرح حاصل کر لیا اور اس کے ضائع ہونے کی بجائے، افادۂ عام کے لیے علما و فقہا کی ایک جماعت کو جمع کیا اور مزید ترتیب و تصحیح اور تہذیب و توضیح کی انتہائی کوشش کی اور وہ اس مسودے کو مبیضہ کی صورت میں لے آئے، تاکہ ہر شخص اپنے مطلوبہ مسائل کو آسانی سے اس کتاب کے آئینے میں دیکھ سکے اور عوام و خواص میں کسی کو حکم شرع معلوم کرنے میں کوئی دشواری اور اشتباہ نہ پیدا ہو اور وہ سب اس فرماں روائے علما پرور کی سلطنت کے حق میں ہمیشہ دعا گو رہیں۔

"اللہ تعالیٰ اس ہمہ گیر فائدے کا اجر جو اس کتاب سے حاصل ہو، اس سلطنت کے فرماں روا کو پہنچائے اور بندۂ درگاہ کو بوجہ اطاعت نبی ﷺ نجات و سعادت سے سرفراز فرمائے۔"

انڈیا آفس لائبریری کا مخطوطہ:

یہ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے، جس کا نمبر ۲۹۷۱ ہے۔ اس کے بارے میں انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں مرقوم ہے۔

یہ مخطوطہ عہد عالم گیری کا کتابت شدہ ہے، تاریخ کتابت ۱۲ر ذوالقعدہ ۱۰۹۹ ہجری ہے۔ کتابت سیّد محمد معصوم الشاہدی الگردیزی الرضوی اور سیّد عبدالقادر وغیرہ نے کی ہے۔ مخطوطہ اسلام کے دیوانی اور فقہی فیصلوں کے مختلف ضمنی ابواب پر مشتمل ہے اور بغیر کسی تمہید کے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ کتاب جن مسائل پر محیط ہے وہ اس کی اندرونی تحریر سے واضح ہو جاتے ہیں۔ اس کے

عنوانات کو لفظ ''کتاب'' پر تقسیم کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر ''کتاب'' کے تحت ضمنی ابواب قائم کیے گئے ہیں جن میں فقہی فیصلے دیے گئے ہیں۔ کتاب کی ایک فہرست مضامین بھی ہے۔ کتاب مسلسل سوالات و (استفتا) کی شکل میں لکھی گئی ہے جو ایسے شخص سے کیے گئے ہیں جو فقہی قوانین پر عبور رکھتا ہے۔ ان سوالات (استفتا) کا جواب فیصلوں کی شکل میں دیا گیا ہے۔ یعنی سوال (استفتا) کا جواب دینے والے کی رائے فیصلے کی صورت میں ہے اور وہ کتاب کا اصل متن ہے۔ کتاب کی فہرست مضامین یہ ہے:

کتاب البیوع ، باب خیار العیب ، باب بیع الفاسد

باب الاقالة ، باب بیع الفضولی ، باب السلم ، باب الکفالة ، باب الصرف۔ کتاب الحوالة ، کتاب القضاء ، باب کتاب الحبس۔

کتاب القضاء بالمواریث ، باب الرجوع عن القاضی الی القاضی ، کتاب الشهادة ، کتاب الوکاة

باب الوکیل بالبیع والشراء ، فصل فی اشراء ، باب الخصومة والفیض ، باب الیمین ، کتاب الدعوی۔ باب التناقض والدفع۔ فصل فی الابراء۔ کتاب الاقرار ، باب فیما یکون اقرارٰ وفیما لا یکون۔

کتاب الاستثناء ، کتاب الصلح ، کتاب المضاربة ، کتاب الودیعة ، کتاب العاریة ، کتاب الهبة ، کتاب الاجارة ، کتاب الولاء ، کتاب الاکراة ، کتاب الحجر ، کتاب الماذون ، کتاب القصب۔

کتاب الشفعة ، کتاب القسمة ، کتاب المزارعة ، کتاب الصید والذبائح فیما یحل اکله وما لا یحل۔

کتاب الاضحیة ، کتاب احیاء الموات

کتاب الاشربة ، کتاب الکراهیة ، کتاب الرهن۔

کتاب الجنایات ، باب ما یوجب القصاص وما لا یوجب .

باب جناية البهائم، كتاب الديات.

كتاب القسامة، كتاب الوصايا، كتاب الخنثى، كتاب مسائل المتفرقة، كتاب الفرائض.[1]

معلوم ہوتا ہے کہ انڈیا آفس لائبریری کا یہ نسخہ ناقص ہے اور پھر اس میں ایسے عنوانات بھی ہیں جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطے میں نہیں ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں مصنف کے نام کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ:

فتاویٰ قراخانی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بھی ہے، جس کا تعارف کراتے ہوئے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کیٹلاگ میں بتایا گیا ہے کہ اس کا پہلا حصہ صدر الدین یعقوب منظر کرامی نے لکھا اور مرتب کیا۔[2] دوسرا حصہ بھی اسی نے لکھا لیکن اسے مرتب نہ کر پایا تھا کہ وفات پا گیا اور اس کی تدوین و ترتیب قبول قراخان نے کی اور موجودہ شکل میں قبول قراخاں نے ہی اسے پیش کیا۔ فقہ فیروز شاہی کے پیش لفظ میں بھی اسی طرح مرقوم ہے اور لکھا ہے کہ فقہ فیروز شاہی بھی اسی مصنف یعنی صدر الدین یعقوب مظفر کی تصنیف ہے، جس کا نمبر انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں ۲۵۶۴ ہے۔ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہیں اور دونوں ایک جیسے مضامین و مندرجات پر مشتمل ہیں۔[3]

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کا نسخہ:

اس فتاویٰ کے دو نسخے آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ ایک نسخے کا نمبر ۱۰۲ ہے۔ اس کے آغاز میں خطبہ و تمہید ہے جو کتاب کی ترتیب وغیرہ پر مشتمل ہے لیکن سال تحریر اور کاتب کا

---

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس لائبریری حصہ فارسی کالم نمبر: ۱۶۱۰۔

[2] کتاب دراصل ایک ہی حصے یا جلد میں ہے۔ یہاں پہلے اور دوسرے حصے کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا آخری حصہ قبول قراخان نے مرتب و مدوّن کیا۔

[3] کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کتاب نمبر: ۱۰۳۴، صفحہ نمبر: ۴۹۸، جلد دوم، مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔ مطبوعہ ۱۹۲۶ (کرزن) میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب یعقوب مظفر کرمانی نے تصنیف کی اور قبول قراخاں نے اسے مرتب و مدوّن کیا۔ اصل کتاب نامکمل تھی۔ اسے بعد میں مکمل کیا گیا۔ اس کا نمبر ۳۵۶ ہے۔

نام درج نہیں۔ البتہ ورق اوّل پر تاریخ خرید ۱۲۷۲ھ مرقوم ہے۔ نیز اسی ورق پر ایک مہر ثبت ہے، جس میں ''خواجہ عبداللہ مرید بادشاہ عالمگیر سال ۱۱۱۲ھ'' کے الفاظ ہیں۔ اس مہر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۱۱۲ھ سے قبل کا تحریر شدہ ہے۔

دوسرے نسخے کا نمبر ۵۷ ہے۔ اس کے شروع میں خطبہ یا تمہید نہیں ہے۔ اس نسخے کا آغاز ''فصل فی بیان فرضیت وضو'' سے ہوتا ہے۔ اس پر بھی کاتب اور سالِ کتابت مرقوم نہیں۔ کل ورق ۳۰۵ اور سطور فی صفحہ ۲۳ ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست میں اس کا ذکر ''فتاویٰ قراخانی'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ ❶

پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ:

اس فتاویٰ کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے، جس کا تعارف ذیل میں کرایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس مخطوطے کے مندرجات و مشمولات کی ایک جھلک پیش کی جائے گی، جس سے اس کی فقہی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔ ❷

'' ۳۵، ۲۹۷، صدر حجم: ۳۶۹ اوراق، تقطیع ۹۱/۲، ۳/۴، ۱۰: ۱۹ تا ۲۷ سطری؛ بخط نسخ عبوری، تالیف ملا صدر الدین بن یعقوب یکے از علمائے عہد فیروز شاہ خلجی (۶۸۸ھ۔ ۶۹۵ھ) مرتبہ قراخاں (یکے از علمائے عہد علاء الدین خلجی) مؤلف کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ سلطان فیروز شاہ کے مداحین میں سے تھے۔ یہ کتاب فتاویٰ کا ایک قابل قدر اور نادر روزگار مجموعہ ہے، جس میں مسائل شرعیہ کو مسلک حنفی کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب ملا صدر الدین کی وفات کے بعد قراخاں نے سلطان جلال الدین فیروز شاہ کے بھتیجے سلطان علاء الدین کے عہد (۶۹۵ھ۔ ۷۱۶ھ یا ۷۱۵ھ) میں کی۔ انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات کے مرتب ہیر مین ایتھے نے کتاب فتاویٰ قراخاں کا ذکر تحت شمارہ ۲۹۷۱ کیا ہے۔ بظاہر ان کا بیان کردہ نسخہ ناقص الاول ہے، کیونکہ وہ کتاب البیوع سے شروع ہوتا ہے۔ غالباً ایتھے اس کتاب کا حجم صرف اسی قدر خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس

---

❶ فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن حصہ دوم، ص: ۱۴۱، ۱۴۳۔

❷ یہاں حاشیہ میں قاموس المشاہیر، ج: ۲، ص: ۲۷ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

سے پہلے کے ابواب وفصول کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ مؤلف کا نام اور سال تالیف بتایا ہے۔

مرتب نے مضامین کو عام کتب فقہ حنفیہ کی ترتیب کے مطابق کتاب الطہارات سے شروع کیا ہے۔ ہر جز کو کتاب سے تعبیر کیا ہے، جس کے تحت مختلف ابواب اور متعدد فصول ہیں۔ خاتمہ مسائل فرائض پر ہے۔

درق دو پر ایک فہرست مضامین بقید صفحات شامل ہے۔

مقدمے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

حمد و سپاس وثناء بے قیاس مر عالم مطلق و ملیک برحق تقدست اسماۂ وتعالیٰ کبریاء ہ۔

اس مقدمے کا کچھ حصہ (آخر) مفقود ہے۔

مسائل فقہیہ کو ''استفتا'' اور ''جواب'' کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطبوعہ نسخہ ناپید ہے۔ یہ مخطوطہ نوادر کتب میں سے ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ قیاس ہے، اوائل صدی دوازدہم ہجری کا مکتوبہ ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

صفحہ الف پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین درباب کفار ذمیان درج ہیں جو بظاہر خارج از کتاب اور غیر مستند ہیں۔ صفحہ الف پر ایک مہر کا نقش ہے: ''عبد المؤمن المفتي ملا صلاح البخاري.'' ❶

اس مخطوطے کے مصنف اور مرتب کے بارے میں قاموس المشاہیر کے الفاظ یہ ہیں:

''صدر الدین بن یعقوب ملا۔ فارسی زبان میں فتووں کا ایک مجموعہ جس کا نام ''فتاوائے قراخاں'' ہے، ان کی تصنیف ہے، جس کو قراخان نے ان کی وفات کے بعد سلطان علاء الدین کے زمانے میں ترتیب دیا تھا۔'' ❷

مصنف و مرتب اور ان کا عہد:

فہرست کتب کے بعض مجموعوں کے بیان کے مطابق جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا، اس مخطوطے کے مصنف کا نام مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی ہے اور ان کی وفات کے

---

❶ مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور۔ مرتبہ منظور احسن عباسی۔ مطبوعہ ۱۹۶۳ء، صفحہ: ۷۷، ۷۸۔

❷ قاموس المشاہیر، جلد دوم، صفحہ: ۳۷۔

بعد اس کو موجودہ شکل میں ترتیب دینے والا قبول قراخاں ہے۔ اس کا مقدمہ بھی اسی نے لکھا مگر مقدمے میں مصنف کا نام "مولانا صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی" مرقوم ہے اور مرتب ومقدمہ نویس نے اپنا نام "قبول قرآن خان" تحریر کیا ہے۔ علاوہ ازیں "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" فتاویٰ بوبکانی میں ❶ متعدد مقامات پر اس کے حوالے دیے گئے ہیں اور ہر جگہ "فتاویٰ قرآن خوانیہ" لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح بات وہی ہے جو کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور بعض دیگر مجموعہائے کتب میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی مصنف کا نام صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی اور مرتب کا قبول قراخاں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ فتاویٰ کس حکمران کے عہد میں معرضِ تصنیف میں لایا گیا۔ فیروز شاہ خلجی (۶۸۸ھ۔ ۶۹۵ھ) کے عہد میں یا فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ۔ ۷۹۰ھ) کے عہد میں؟ پنجاب پبلک لائبریری لاہور کے مجموعہ مخطوطاتِ فارسیہ کی رو سے یہ فیروز شاہ خلجی کے عہد میں لکھا گیا اور اس کے بھتیجے اور داماد سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ۔ ۷۱۶ھ) کے عہد میں قبول قراخان نے اس کو مرتب کیا۔ مگر بعض حضرات نے مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی کو فیروز شاہ تغلق کے عہد کا فقیہ و مصنف بتایا ہے۔ ❷ لیکن ان کی تصنیفات میں صرف "فتاویٰ فیروز شاہی" کا ذکر کیا گیا ہے، "فتاویٰ قراخانی" کا کہیں نام نہیں۔ پھر جن حضرات نے ان کو فیروز شاہ تغلق کے عہد کے علماء میں شمار کیا ہے، انھوں نے اپنے مآخذ کا ذکر بھی نہیں کیا۔ ہم نے بنیادی مآخذ کی طرف رجوع کیا تو فیروز شاہ تغلق کے عہد کے علماء کی فہرست میں ان کا نام نہیں پایا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "فتاویٰ قراخانی" سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے زمانے میں لکھا گیا اور سلطان علاء الدین کے عہد میں مرتب کیا گیا۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ میں عہد علاء الدین خلجی کے جن بڑے بڑے علما کی فہرست دی گئی ہے، ان میں مولانا صدر الدین کا نام بھی موجود

---

❶ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔

❷ دیکھیے: "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" از خلیق احمد نظامی، صفحہ: ۳۹۶ اور "ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر" از سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن، ایم۔ اے۔ صفحہ: ۲۱ و ۸۶۔

ہے، ❶ البتہ ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں۔ بہت ممکن ہے یہی بزرگ فتاویٰ قراخانی کے مصنف ہوں اور ان کا تعلق علاء الدین کے پیشرو سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی سے بھی رہا ہو۔ علاوہ ازیں تاریخ فرشتہ میں علاء الدین کے امرائے دولت میں ملک قبول کا بھی ذکر ہے۔

سلطنت خلجیہ اور اس کا عہد:

فتاویٰ قراخانی چونکہ سلطنت خلجیہ کے دور میں مرتب ہوا ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ اس عہد کے علمائے کرام اور خود اس کے دو حکمرانوں (سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی اور علاء الدین محمد شاہ خلجی) کے بارے میں بھی چند سطور میں کچھ بیان کر دیا جائے۔

دولت مملوکیہ کے خاتمے اور اس کے آخری حکمران کیقباد کے قتل کے بعد ۶۸۸ھ میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے دولت خلجیہ کی بنیاد رکھی۔ مگر یہ سات سال حکومت کرنے کے بعد ۶۹۵ھ میں اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین محمد شاہ خلجی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد خود علاء الدین تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے پورے اکیس سال (۷۱۶ھ تک) حکومت کی۔ یہ بڑا بلند حوصلہ، فاتح اور کشور کشا حکمران تھا۔ خلجی خاندان کے یہ دونوں بادشاہ عالم نہ تھے، بالخصوص علاء الدین خلجی تو نہایت سخت مزاج تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے عہد کا ہندوستان علمی اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس زمانے میں فقہا، علما، محدثین اور دیگر علوم سے تعلق رکھنے والے بے شمار حضرات ملک میں آباد تھے اور یہ بادشاہ ان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی نے اس عہد کے ان علمائے کرام کی ایک فہرست دی ہے، جن سے وہ خود متعارف تھا، ورنہ بے شمار علمائے کرام ایسے بھی تھے، جن سے وہ تعارف و واقفیت نہ رکھتا تھا۔

اس فہرست میں سے چند نام یہ ہیں: قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سرباہی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، مولانا ظہیر الدین لنگ، قاضی مغیث الدین بیانہ، مولانا رکن الدین سناجی، مولانا تاج الدین کلاہی، مولانا ظہیر الدین بھکری، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا کمال الدین کولی، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا منہاج الدین قابنی، مولانا نظام

---

❶ ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج اوّل ص ۱۲۱۔

الدین کلاہی، مولانا نصیر الدین کڑہ، مولانا نصیر الدین صابونی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین جوہری، مولانا حجت ملتانی قدیم، مولانا حمید الدین مخلص، مولانا برہان الدین بھکری، مولانا افتخار الدین برنی، مولانا حسام الدین سرخ، مولانا وجیہ الدین ملہو، مولانا علاء الدین گرگ، مولانا حسام الدین ابن شادی، مولانا حمید الدین بنیانی، مولانا شہاب الدین ملتانی، مولانا فخر الدین ہانسوی، مولانا فخر الدین سقاقل، مولانا صلاح الدین سترگی، قاضی زین الدین ناقلہ، مولانا وجیہ الدین رازی، مولانا علاء الدین صدر الشریعہ، مولانا میران ماریکلہ، مولانا نجیب الدین سادی، مولانا شمس الدین تمر، مولانا صدر الدین گندھک، مولانا علاء الدین لاہوری، مولانا شمس الدین یحییٰ، قاضی شمس الدین گاذرونی، مولانا صدر الدین قاری، مولانا معین الدین لونی، مولانا افتخار الدین رازی، مولانا معز الدین الذہبی، مولانا نجم الدین انتشار وغیرہ۔

ان علمائے کرام میں سے اکثر کے حالات بھی کتب تاریخ و سیر میں مرقوم ہیں، مگر یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مندرجات و مشمولات:

مخطوطے کی فقہی اہمیت اور تاریخی حیثیت کی وضاحت کے بعد اس کے مضامین اور مندرجات و مشمولات پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ساتویں صدی ہجری کا ہندوستان علمی اور فقہی میدان میں کتنا آگے تھا اور برصغیر کے حکمرانوں کو فقہیات اور علما سے کس درجہ لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ پھر علما اور فقہا کا ذہن مختلف مسائل کے باب میں کتنا واضح اور صاف تھا۔ علاوہ ازیں وہ جو مسئلہ بیان کرتے اور جس موقف کی توضیح کرتے اس کے لیے اپنی تائید میں کیسے کیسے دلائل لاتے تھے اور ان کے سامنے کتنی کتابیں کھلی رہتی تھیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس دور کے عوام بھی فقہی مسائل سے خاص دلچسپی رکھتے تھے اور فہم مسائل میں علما و فقہا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس دور کی فقہی عظمت اور علمی کیفیت کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں مخطوطے میں مندرج مختلف مضامین کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں پہلے مصنف کی اصل عبارت درج کی گئی ہے۔ پھر اس کتاب کی عبارت لکھی گئی ہے، جس سے مصنف استدلال کرتے ہیں۔ پھر اس کا اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

مباحث کتاب کا آغاز:

تمہید و مقدمہ کے بعد کتاب کے اصل مباحث کا آغاز ''کتاب الطہارت'' سے ہوتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ کتاب الطہارت کے تحت مصنف فرضیت وضو کے بارے میں فصل قائم کرتے ہیں۔ پھر قرآن پاک کی آیت درج کر کے استفتا اور جواب کی صورت میں مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کرتے ہیں۔ مصنف کی اپنی عبارت اس سلسلے میں یہ ہے:

کتاب الطہارت

سبب وضو، نماز ہے یا قیام سوئے نماز:

فی فصل بیان فرضیة الوضوء استفتا۔ وضو بدیں آیہ قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ ....﴾ ثابت شدہ است یا نے؟

جواب: شدہ است!

''کتاب الطہارت۔ فصل فرضیت وضو کے بیان میں۔ استفتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی روشنی میں کہ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ﴾ [1] وضو کرنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہوتا ہے۔

ایک بات واضح ہونے کے بعد دوسرا سوال ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، جو خالص فقہی نوعیت کا ہے۔

استفتا: سبب وجوب وضو نماز است یا قیام سوئے نماز؟

جواب: نماز است، نہ قیام سوئے نماز کہ اصحاب الظواہر می گویند۔

فی حاشية الهداية: اختلف المشائخ فی سبب وجوب الوضوء قال اصحاب الظواهر سبب الوضوء القيام الى الصلوٰة بظاهر النص وهذا فاسد لان رسول الله ﷺ صلى خمس صلوات بوضوء

---

[1] یعنی اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہو تو اپنا منہ دھولیا کرو۔ الخ (سورۂ مائدہ، آیت: ٦)

واحد۔ في الينابيع وانعقد عليه الاجماع وعندنا سببه الصلوٰة لقوله تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم يعني اذا اردتم القيام الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم لاجل الصلوٰة لان مثل هذا الكلام لافادة اثبات الثاني للاوّل كما يقال اذا دخلت على السلطان فتزين اى لاجل الدخول عليه. ❶

استفتا: وجوب وضو کا سبب نماز ہے یا نماز کے لیے قیام؟

جواب: نماز ہے، نماز کے لیے قیام نہیں، جیسا کہ اصحاب ظواہر ❷ کہتے ہیں۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے۔ سبب وجوب وضو کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اصحابِ ظواہر کا کہنا ہے کہ سبب وضو قیام الی الصلوٰۃ ہے جیسا کہ نص (قرآن) سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ غلط ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔ ❸ ینابیع میں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ہمارے نزدیک سبب وضو نماز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ یعنی جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو نماز کے لیے ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اپنے چہروں کو دھولیا کرو۔ بات یہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ سبب ثانی کو اوّل کے لیے ثابت کرنے کا افادہ حاصل ہو جائے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں حاضری دے تو بن سنور لے، تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے اپنی زیب و زینت کرو نہ کہ محض بادشاہ کے لیے۔"

(تو اس سے مقصد ثانی ثابت ہوا۔ یعنی بادشاہ کی خدمت میں حاضری باعثِ زیب و

---

❶ ورق: ۴۔۵

❷ اس سے امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) اور ان کے پیرو مراد ہیں، جو کتاب وسنت کے ظاہر الفاظ کو لائق اعتنا اور قابل عمل گردانتے ہیں۔

❸ مطلب یہ کہ اگر وضو کا مقصد قیام الی الصلوٰۃ ہوتا تو حضور ﷺ ہر نماز کے لیے الگ الگ وضو کرتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقصد وضو نماز ہے۔

زینت ہے۔)

یہ تو محض بحث برائے بحث ہے، اصل مقصد تو نماز ہے اور نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

تعزیر

مالی تعزیر:

حد کے سلسلے میں بادشاہ، قاضی اور والی کے اختیارات پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

استفتا: اگر بر مردے شرعاً حد واجب شد، بعدہ بادشاہ یا قاضی یا والی مصلحت دیدند کہ تعزیر او بمال کنند شرعاً جائز باشد یا ئے؟

جواب: باشد۔ واللہ أعلم۔

فی فتاوی الخلاصة۔ والتعزیر بالمال ان رأی القاضی والوالی المصلحة جازو فی الذخیرة عن ابی یوسف رحمه الله ان التعزیر من السلطان باخذ المال جائز.

استفتا: اگر کسی شخص پر اجرائے حد واجب ہو جائے، لیکن اس کے بعد بادشاہ یا قاضی یا والی بر بنائے مصلحت اس پر مالی تعزیر عاید کرنا چاہیں تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: جائز ہوگا۔ واللہ أعلم۔

فتاویٰ الخلاصہ میں ہے کہ اگر قاضی اور والی مصلحت کے پیش نظر مالی تعزیر عائد کرنا چاہیں تو جائز ہوگا۔ ذخیرہ میں امام ابویوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سلطان کے لیے مالی تعزیر عائد کرنا جائز ہے۔

تادیب کے لیے غلام پر تعزیر:

استفتاء: مولیٰ را تعزیر بندہ کہ از حد بگو ارند روا باشد یا نے؟

جواب: نے! واللہ أعلم۔

فی الفتاویٰ الناصریة، المولی ان یعزر عبده اذا شاء ادبه ولا یجاوز به الحد۔

وفی فتاویٰ الخلاصة، عبد اذا ساء الادب، للمولی ان یؤدبه

ویعزر، ولا یجاوز به الحد. ❶

استفتا: مالک کے لیے غلام پر ایسی تعزیر عائد کرنا جو حد سے تجاوز کر جائے روا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں۔ واللہ اعلم۔

فتاویٰ الناصریہ میں ہے کہ آقا کے لیے اپنے غلام کی، جب کہ وہ اسے ادب سکھانا چاہے تعزیر کرنا روا ہے مگر وہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

فتاویٰ الخلاصہ میں ہے، غلام اگر سوئے ادب کا مرتکب ہو تو آقا کے لیے اس پر بغرضِ تادیب تعزیر عائد کرنا جائز ہے، لیکن اس میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

کتاب السرقہ:

سرقہ کے باب میں چور کی سزا اور قطع ید وغیرہ امور پر مصنف نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

استفتا: درآنچہ وزدے بادراز گوش درخانہ زید در رفت و جامہ ہارا جمع کرد و برآں دراز گوش بار کرد۔ دراز گوش میان خانہ زید گزاشت وچوں بیروں آمدہ خانہ خود رفت بعدہ دراز گوش باجامہا بیروں آمدہ وخانہ آں وزد برد۔ شرعاً برآں وزد قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ أعلم۔

فی الواقعات الحسامیة، سرق رجل مع حمار منز لا فجمع الثیاب وحملها ثم خرج هو من منزل الی منزله فخرج الحمار بعد ذالك حتی جاء الی منزل السارق لا یقطع السارق لانه لا یخرج شیئًا الی منزله. ❷

استفتا: اس بارے میں کہ چور اپنے گدھے کے ساتھ زید کے مکان میں داخل ہوا اور کپڑے جمع کیے اور گدھے پر لاد لیے، مگر گدھے کو وہیں چھوڑ گیا اور اپنے گھر کو روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد گدھا کپڑوں سمیت باہر آیا اور انھیں لے کر چور کے گھر پہنچ گیا۔

---

❶ ورق: ۲۸۶۔ ❷ ورق: ۲۸۷۔

اب از روئے شرع اس چور کا ہاتھ قطع کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ اُعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ چور نے ایک گھر میں گدھے کے ساتھ سرقہ کیا۔ گھر کے کپڑے اکٹھے کیے اور گدھے پر لاد دیے۔ بعد ازاں چور اس گھر سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد گدھا بھی وہاں سے نکلا اور چور کے گھر پہنچ گیا۔ اس صورت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ وہ کوئی چیز بھی اس گھر سے نکال کر اپنے گھر لے کر نہیں گیا۔

یہ بھی فقہاء کی کتاب الحیل کا مسئلہ ہے۔ گدھے نے خود ہی تو اپنے اوپر مال نہیں لادا۔ جس نے لادا ہے، وہی چور ہے۔ اسے سزا دینی چاہیے۔

کیا طبل جنگ کے سارق پر قطعِ ید واجب ہے؟

چوری کی ایک اور صورت کے بارے میں مصنف تحریر فرماتے ہیں:

استفتاء: درآں کہ زید طبل غزات کہ قیمت آن دہ درہم شرعی است بدزدیدہ، شرعا برزید قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ اُعلم۔

فی الواقعات الحسامية رجل سرق طبل الغزاة وهو يساوي عشرة دراهم تكلم الناس فيه فالمختار انه لا يقطع لانه كما يصلح للغزو يصلح لغيره فتمكنت الشبهة .

"استفتا: اس مسئلے سے متعلق کہ زید، غازیوں کا طبل جس کی قیمت دس درہم شرعی ہے، چوری کر لیتا ہے۔ شرعی اعتبار سے زید پر قطع ید واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ اُعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک شخص نے غازیوں کا طبل چوری کیا، جس کی قیمت دس درہم کے برابر ہے اور لوگوں کو اس کے بار میں شبہ ہے۔ مختار مذہب یہ ہے کہ اس چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ جس طرح وہ غازیوں کے لیے ہے، اسی طرح دوسروں کے لیے بھی ہے۔ لہٰذا اس میں شبہ پیدا ہو گیا (کہ اس نے کیوں چوری کیا۔ غزوہ کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے۔)

چوری ثابت ہونے کے بعد سزا نہ دینا معصیت ہے:

اگر چور پر قطع ید واجب ہو جائے تو اس کو سزا دینے سے اجتناب کرنے والا گناہ گار ہے۔ مصنف رقم طراز ہیں۔

استفتاء: اگر بردزد براہِ شرع قطع واجب شد، آن دزد را بر قاضی بروند۔ قاضی آں دزد را قطع نہ کرد وگذاشت۔ شرعاً قاضی آثم باشد یا نے؟

جواب: باشد! واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامية، سرق رجل وجب عليه القطع حق الله تعالىٰ فيأثم بتركه.

"اگر چور پر شرعی لحاظ سے قطع ید واجب ہو گیا اور لوگوں نے اس کو قاضی کے سامنے پیش کیا، لیکن قاضی نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور اسے چھوڑ دیا۔ اس صورت میں از روئے شرع قاضی گناہ گار ہو گا یا نہیں؟"

جواب: ہو گا! واللہ اعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک چور نے جس پر اللہ نے قطع واجب کر دیا، چوری کا ارتکاب کیا تو اس کو (بلا سزا) چھوڑنے والا گناہ گار قرار پائے گا۔

میزبان کے گھر سے چوری کے بارے میں!

مہمان میزبان کے گھر سے چوری کرے تو چور کو سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: درآنکہ زید عمرو را در خانہ خود مہمان کرد۔ بعدہ عمرو در خانہ زید کالائے کہ قیمت آں دہ درہم شرعی است دزدی کرد۔ شرعاً برو قطع شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامية لو سرق الضيف من بيت المضيف لا يقطع.

ترجمہ: اس مسئلے کے بارے میں کہ زید، عمرو کو اپنے گھر بطور مہمان ٹھہراتا ہے اور عمرو زید کے گھر سے اتنی مقدار کی شئے چوری کر لیتا ہے جس کی قیمت دس درہم شرعی کے برابر ہے۔ شرعاً اس پر قطع ید واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔ واللہ اعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ مہمان، میزبان کے گھر سے چوری کرے تو اس کا قطع ید نہیں ہوگا۔

خشک اور تر میوے کے چور کی سزا:

خرمائے خشک چوری کرلیا جائے تو اس کی سزا کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

استفتاء: اگر مردی خرمائے خشک رادزدی کرد کہ قیمت آن میوہ دہ درہم شرعی است۔ شرعا بر وقطع واجب شود یانے؟

جواب: شود۔ واللہ أعلم۔

في ینابیع الصحیح من مذهب ابی حنیفة رحمه الله انه یقطع في الفاکهة الیابسة۔ في الواقعات واذا سرق ان کان رطبات کلموا فیه والمختار انه لا یقطع وفي الیابس یقطع لان في الرطب یخاف الفساد من وجه بخلاف الیابس۔ [1]

استفتا: اگر کوئی شخص اتنا خشک خرما چوری کرے کہ جس کی قیمت دس درہم شرعی ہو۔ شرعا اس پر قطع ید واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے: مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے صحیح بات یہ ہے کہ خشک میوے کی چوری پر قطع ید ہوگا۔ واقعات میں مذکور ہے کہ اگر مسروقہ میوہ تر ہو تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ مذہب مختار یہ ہے کہ اس پر قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی اور خشک میوے کی چوری پر دی جائے گی۔ اس لیے کہ تر میوے کے کسی حد تک خراب ہوجانے کا خطرہ ہے، بخلاف خشک کے کہ اس میں یہ خطرہ نہیں ہوتا۔

اگر چور حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے مال مسروقہ واپس کردے:

اگر مقدمہ حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے چور مال مسروقہ مالک کو واپس کردے تو

---

[1] ورق: ۲۸۷۔ ۲۸۸۔

اس صورت میں چور قابل سزا قرار پائے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق مخطوطے میں مرقوم ہے:

استفتاء: اگر دزد کالا را بر مسروق منہ پیش از مراجعت بر حاکم رد کرد، قطع دریں صورت ساقط شود یا نے؟

جواب: شود۔ واللّٰہ أعلم.

فی الینابیع: ولو ردّ السارق العین الی المسروق منہ قبل ان یرفع الی الحاکم یسقط القطع فی المشهور من الروایة.

استفتاء: اگر سارق حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہونے سے قبل مال مسروقہ مالک کو واپس کردے تو اس صورت میں قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: ساقط ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے: اگر حاکم کے پاس مرافعہ جانے سے پیشتر سارق مال مسروقہ مالک کو واپس کردے تو مشہور روایت کے مطابق قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

اگر حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد مال واپس کرے:

لیکن اگر مرافعہ حاکم کے سامنے پیش ہونے اور شہادت کی سماعت کے بعد واپس کرے تو؟

اس باب میں مخطوطہ میں مرقوم ہے:

وما قولہم اگر بعد مرافعت وسماع بیّنہ پیش از آنکہ قاضی بقطع او حکم کند شرعاً قطع ازو ساقط شود یا نے؟

جواب: نے! واللّٰہ أعلم.

فی الینابیع ولو ردّها بعد المرافعة وسماع البینة لم یسقط سواء کان قبل القضاء او بعد.

استفتاء: اگر مرافعہ پیش ہونے اور شہادت کی سماعت کے بعد، مگر اس سے قبل کہ قاضی قطع ید کا حکم دے (چور مال مسروقہ واپس کردے) شرعاً اس سے سزائے قطع ید ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ اعلم۔

یہ بات بھی اسی (ینابیع) میں ہے کہ اگر مرافعہ قاضی کے سامنے پیش ہونے اور شہادت سننے کے بعد چور چوری شدہ مال واپس لوٹا دے تو قطع ید کی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ خواہ چور یہ مال فیصلے سے پہلے واپس کرے یا بعد۔

سزا سنانے کے بعد مالک چور کو معاف نہیں کر سکتا:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ چور کو قطع ید کی سزا سنا دیتا ہے اور اس کے بعد جس شخص کا مال چوری ہوا، وہ چور کو معاف کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟ اس ضمن میں مصنف کی عبارت مع سوال اور جواب کے ملاحظہ ہو:

استفتاء: اگر بادشاہ بر دزدے قطع فرمودہ بعد آنکہ دزدے او موجہ شدہ بود کہ دست او قطع کند خصم کالائے کہ آن دزد از وے دزدی کردہ بود، می گو ید من عفو کردم۔ شرعاً عفوِ او باطل باشد یا نے؟

جواب: باشد! واللہ أعلم۔

فی الینابیع: ولو امر الامام بقطعه فقال المسروق منه عفوت، فهو باطل.

استفتاء: اگر چور کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا ہو اور اس نے چور کے لیے قطع ید کی سزا کا فیصلہ صادر کر دیا ہو مگر اس کے بعد چوری شدہ مال کا مالک یہ کہے کہ میں نے معاف کر دیا تو اس صورت میں شرعاً یہ معافی باطل قرار پائے گی یا نہیں؟

جواب: باطل قرار پائے گی۔ واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے کہ اگر امام قطع ید کا حکم نافذ کر دے اور اس کے بعد جس شخص کا مال چوری کیا گیا ہے، وہ کہے کہ میں نے معاف کر دیا تو یہ معافی باطل (غیر موثر) ہوگی۔

مالک کی غیر موجودگی میں غلام کو سزا دینے کے بارے میں:

اس ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کا غلام چوری کرے اور چوری ثابت بھی ہو جائے تو غلام کے مالک کی غیر حاضری میں غلام کو سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس باب میں مخطوطہ میں مرقوم ہے:

استفتاء: اگر بندۂ زید دزدی کردہ، شرعاً وے دزدی ثابت شدہ، قاضی را باید کہ درغیبتِ مولیٰ او قطع کند یا نے؟

جواب: نے! واللہ أعلم.

فی الفتاویٰ لا بالعبد اذا سرق لا یقطع القاضی یدہ لا یحضرہ المولی عند ابی حنیفة ومحمد.

استفتاء: اگر زید کا غلام چوری کر لیتا ہے اور شرعاً اس پر چوری ثابت ہو جاتی ہے تو غلام کے آقا کی عدم موجودگی میں قاضی قطع ید کرے یا نہ کرے؟

جواب: نہ کرے۔ واللہ أعلم۔

فتاویٰ میں ہے کہ غلام چوری کرے تو قاضی مولیٰ کی غیر حاضری میں قطع ید کی سزا نہ دے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

مالک کی غیر موجودگی میں غلام کے بارے میں قاضی کا شہادت لینا:

مگر ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک کی غیر موجودگی میں قاضی شہادت سن سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: ولکن بینہ درغیبت مولیٰ برآں بندہ سارق قاضی می شنود، شرعاً جائز باشد یا نے؟

جواب: نے! واللہ أعلم۔

وفیها ایضًا وعلی العبد بغیبة المولی لا تقبل البینة اجماعًا.

استفتاء: لیکن مالک کی غیر موجودگی کی صورت میں اس سارق غلام کے خلاف قاضی کا شہادت سننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں۔ واللہ أعلم۔

اسی (ینابیع) میں ہے کہ آقا کی غیر حاضری میں غلام کے خلاف شہادت بالاجماع قبول نہیں ہوگی۔

چوری کی ایک اور قسم:

سرقہ کی ایک اور قسم کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر مردے کوزہ کہ درو شہد بود بدزدیدہ و قیمت کوزہ نہ درہم شرعی است وقیمت شہد یک درم۔ شرعاً قطع بروواجب شود یانے؟

جواب: شود! واللہ أعلم۔

فی الینابیع رجل سرق کوزافیه عسل وقیمة الکوز تسعة درهم وقیمة العسل درهم قطع .

استفتاء: اگر کوئی شخص ایک کوزہ چوری کرلیتا ہے جس میں شہد ہے۔ کوزے کی قیمت نو درہم شرعی ہے اور شہد کی ایک درہم۔ تو شرعاً اس پر قطع ید واجب ہوگا یانہیں؟

جواب: ہوگا۔ واللہ أعلم۔

ینابیع میں ہے کہ اگر کوئی شخص شہد کا کوزہ چوری کرلے، کوزے کی قیمت نو درہم اور شہد کی ایک درہم ہو تو چور کو قطع ید کی سزادی جائے گی۔

عادی چور کو جلاوطن یا علاقہ بدر کردینے کے بارے میں:

کیا عادی چور کو حاکم تادیباً جلاوطن یا علاقہ بدر بھی کرسکتا ہے؟ اس سلسلے میں مخطوطے میں مرقوم ہے:

استفتاء: اگر زید عادت دزدی دارد، اگر بادشاہ اوراسیاست کند، شرعاً روا باشد یانے؟

جواب: باشد۔ واللہ أعلم۔

فی نوادر الفتاویٰ: ہر کہ را دزدی عادت شود، اگر سلطان اورا سیاست کند روا بود۔

استفتاء: اگر کسی کو چوری کی عادت پڑچکی ہو، اور بادشاہ اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے تو بادشاہ کا یہ اقدام جائز ہوگا یانہیں؟

جواب: جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

قطع ید کے بعد قید وحبس کی سزا:

نوادر الفتاویٰ میں ہے کہ جو شخص چوری کا عادی ہوچکا ہو، اس کے خلاف بادشاہ اقدام کرے تو جائز ہوگا۔ قطع ید کے بعد چور کو قید کردینے کے متعلق مصنف ان الفاظ میں سوال کرتے اور اس کا جواب دیتے ہیں:

استفتاء: اگر سارق را بعد قطع حبس کند شرعاً روا باشد یا نے؟

جواب: باشد! واللہ أعلم۔

في الناصرية: السارق اذا حد يحبس حتى يتوب، كذا عن محمدؒ۔

استفتاء: اگر قطع ید کی سزا دینے کے بعد چور کو قید کر دیا جائے تو شرعاً روا ہوگا یا نہیں؟

جواب: روا ہوگا۔ واللہ أعلم۔

ناصریہ میں ہے کہ چور پر حد نافذ کر دی جائے تو اس کو توبہ کرنے تک محبوس رکھا جا سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ❶

شطرنج کی چوری کے متعلق:

شطرنج کی چوری کے متعلق بھی مصنف نے وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر مردے شطرنج را دزدید، شرعاً بر آں دزد قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ أعلم۔

في الواقعات الحسامية رجل سرق شطرنجا لا يقطع.

استفتاء: اگر کوئی شخص شطرنج چوری کرلے تو شرعاً اس چور پر قطع ید واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ أعلم۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک شخص شطرنج چرا لیتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ❷

کیا چوری کا جبری اقرار صحیح ہے؟

اگر چور سے جبراً اقرار جرم کرایا جائے تو یہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دونوں نقطۂ نظر ہیں۔ یہ بھی کہ اقرار صحیح نہیں ہوگا اور یہ بھی کہ صحیح ہوگا۔

مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر مردے باکراہ اقرار سرقہ کردہ، اقرار صحیح باشد یا نے؟

---

❶ مخطوطہ میں سرقہ کے سلسلے کی یہ تفصیلات ورق: ۲۸۸ سے ۲۹۲ تک مذکور ہیں۔

❷ ورق: ۲۹۳۔

جواب: باشد۔ واللہ أعلم۔

فی الفتاویٰ الظهیریة: اذا اقر بالسرقة مکرها، فاقراره باطل ومن التاخرین من افتی بصحته .

استفتاء: اگر کوئی شخص جبراً چوری کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب: صحیح ہوگا۔ واللہ أعلم۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ جب چور حالت اکراہ میں چوری کا اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ٹھہرے گا۔ لیکن متاخرین فقہا میں سے بعض نے اس اقرار کی صحت کا فتویٰ دیا ہے۔ ❶

کتاب الایمان

اس باب میں قسموں کے بارے میں چند ضروری امور بیان کیے گئے ہیں: مثلاً:

استفتاء: درآں کہ زید سوگند خورد کہ باعمرو سخن نگویم۔ بعدہ ایں عمرو درمیان جماعت نشستہ است۔ زید ایں جماعت راسلام کرد و ہیچ استثنا نہ کرد کہ عمرو راسلام نمی گویم۔ شرعاً زید بدیں سلام گفتن حانث شود یا نے؟

جواب: شود۔ ❷

استفتاء: اس مسئلے کے بارے میں کہ زید قسم کھالیتا ہے کہ میں عمرو کے ساتھ بات نہ کروں گا۔ مگر اس کے بعد عمرو ایک مجمع میں بیٹھا ہے اور زید اس مجمع کو سلام کرتا ہے اور یہ استثنا نہیں کرتا کہ میں عمرو کو سلام نہیں کہتا۔ کیا شرعاً زید اس صورت سلام میں حانث ❸ ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہوگا۔

کتاب النکاح

اس کتاب میں نکاح سے متعلق بھی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور نکاح کے تمام مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً ایک فقہی مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے:

---

❶ ملاحظہ ہو: مخطوطہ، ورق: ۲۹۳۔ ❷ ورق: ۲۶۸۔

❸ حانث کا مطلب ہے ایسی قسم توڑنے والا جس پر کفارۂ قسم واجب ہو جائے۔

استفتاء: اگر زید وعمرو بہ نکاح زینب دعویٰ می کند۔ زینب گوید کہ من نفس خود را بزید بزنی دادہ ام بعد آنکہ بعمرو دادہ ام۔ شرعاً زینب زنِ زید باشد یا زنِ عمرو؟

جواب: زنِ زید۔

فی الفتاوٰی الخانیة لو ادعی زید وعمرو نکاح امرأة فقالت تزوجت زید ابعد ما تزوجت عمروا، قال ابو یوسف رحمه الله يقضی لزيد وعليه الفتوىٰ . [1]

استفتاء: اگر زید اور عمرو دونوں زینب کے بارے میں اپنی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کریں۔ زینب یہ کہے کہ میں نے عمرو کی بیوی ہونے کے بعد اپنے آپ کو بہ طور بیوی زید کے سپرد کر دیا تو شرعاً زینب زید کی بیوی متصور ہوگی یا عمرو کی؟

جواب: زید کی۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر زید اور عمرو ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کریں اور عورت یہ کہے کہ میں نے عمرو سے نکاح کرنے کے بعد زید سے نکاح کر لیا تھا تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ زید کے حق میں کیا جائے گا۔ اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

اس میں زکوٰۃ کے مسائل و احکام بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں۔ متن کتاب میں یہ باب الزکوٰۃ ہے اور فہرست مضامین میں کتاب الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض نہایت اہم ہیں۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ کے ضمن میں یہ مسئلہ کس درجہ اہمیت رکھتا ہے۔

مال دار کے لیے عطیہ سلطانی حلال نہیں:

استفتاء: اگر مردے کہ اورا صدقہ ستدن حلال نیست، اگر بادشاہے آں را عطیہ می دہد، شرعاً اورا افضل قبول کردہ عطیہ است یا ترکِ او؟

---

[1] ورق: ۱۷۶۔

جواب: افضل آنست کہ قبول نکند۔

فی الواقعات الحسامية رجل لا يحل له اخذ الصدقة فالافضل له ان لا يقبل جائزة السلطان لانها يشبه الصدقة ولا يحل له قبول الصدقة۔ ❶

استفتاء: ایک شخص پر صدقہ حلال نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اس کو عطیہ دے تو شرعاً افضلیت کس بات میں ہے، اس کو قبول کرنے میں یا ردّ کر دینے میں؟

جواب: افضلیت اس میں ہے کہ وہ اس عطیہ کو قبول نہ کرے۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ جس شخص پر صدقہ لینا حلال نہیں، اس کے لیے افضلیت اس میں ہے کہ سلطان کا عطیہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ صدقے ہی سے مشابہت رکھتا ہے، اور صدقہ لینا اس کے لیے حلال نہیں۔

حکمران کسی خاص وجہ سے کسی کا خراج معاف کرنے کا مجاز نہیں!

اب صدقے کی ایک اور صورت ملاحظہ ہو۔ اس سے واضح ہوگا کہ حکمران کا کسی پر مہربان ہو کر اس کو اموال و عطایا سے نوازنا اور کسی بہانے سے بھی اس کو کچھ دینا نہ شرعاً حکمران کے لیے جائز ہے اور نہ لینے والے کے لیے۔ مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر بادشاہے یا والی زید را برائے صرف خراجِ زمین او بخشید، شرعاً بادشاہ و والی راچنیں ہبہ کردن شاید و مر زید را شاید کہ قبول کند یا نے؟

جواب: نے!

فی الواقعات الحسامية الوالی اذا وهب رجلا خراج ارضه لا یسعه ان يقبل لان الخراج صدقة الارض وهو حق المسلمين فلا يجوز له ان يختص هكذا ذكر ههنا وهذا عندنا ويجوز اذا كان اهلا لذالك۔ ❶

استفتاء: اگر بادشاہ یا والی زید کو گزارے کے لیے زمین کا خراج بطورِ عطیہ بخش دے تو

---

❶ ورق: ۱۲۵۔

شرعاً بادشاہ اور والی کے لیے ایسا کرنا اور اسے یہ خراج بطورِ عطیہ دینا جائز ہوگا اور پھر خود زید کے لیے اس کو قبول کرنا روا ہوگا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ والی اور حکمران زمین کا خراج کسی شخص کو ہبہ کر دے تو اس کے لیے اس کو قبول کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ خراج کی حیثیت زمین کے صدقے کی ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے۔ بادشاہ کو یہ جائز نہیں کہ کسی فردِ واحد کے لیے اسے مخصوص کر دے۔ یہاں اسی طرح مرقوم ہے اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ البتہ اگر وہ اس کا مستحق ہو تو (اسے دینا اور اس کا قبول کرنا) جائز ہوگا۔

ایک روز کی خوراک بھی ہو تو صدقہ مانگنا جائز نہیں:

صدقہ قبول کرنے میں کس درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس سے بچنا اور کسی کے سامنے دست سوال وراز کرنے سے احتراز کرنا کتنا ضروری ہے۔ اس بارے میں مخطوطے میں مرقوم ہے:

استفتاء: اگر زید قوت یک روزہ دارد اور اسوال کردن از مرد ماں شاید یا نے؟

جواب: نے!

فی الواقعات الحسامية: ولا ينبغي لاحد ان يسأل الناس وعنده قوت يومه، لان السوال لا يجوز الا لضرورة ولا ضرورة ههنا۔ [1]

استفتاء: اگر زید کے پاس ایک روز کی خوراک ہو تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ کسی ایسے شخص کو جس کے پاس ایک دن کا سامان خوراک موجود ہے، یہ جائز نہیں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اس لیے کہ جب تک ضرورت نہ ہو، سوال نہیں کرنا چاہیے اور یہاں ضرورت نہیں (کیونکہ ایک دن کی خوراک موجود ہے)۔

---

[1] ورق: ۱۲۵۔

پہاڑوں اور جنگلوں سے دست یاب شدہ شہد اور میوے پر عشر واجب ہے:

کتاب الزکوٰۃ میں مسئلہ عشر سے متعلق بھی بحث کی گئی ہے، اور خالص فقہی انداز میں اس کے بارے میں بعض تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً:

استفتاء: اگر مردے میوہ یافت در درختاں یا شہد درکوہ یا در بیاباں آں را مالکے نیست، شرعاً دراں میوہ وشہد عشر واجب شود یا نے؟

جواب: شود!

في الينابيع: لو وجد ثمارا اوفاكهة في الاشجار اوعسلا في الجبال اوبرية لا مالك لها، ففيه العشر۔ [1]

استفتاء: اگر کسی شخص کو ایسے درختوں سے میوہ حاصل ہو جاتا ہے یا ایسے پہاڑوں اور جنگلوں سے شہد دست یاب ہو جاتا ہے، جن کا کوئی مالک نہیں۔ کیا شرعاً اس میوے اور شہد میں سے عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہوگا۔

اس کی تائید میں ینابیع کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص میوے اور فواکہ ایسے درختوں میں پائے یا ایسے پہاڑوں اور بیاباں میں اسے ایسا شہد حاصل ہو جائے جو کسی کی ملکیت نہیں تو اسے عشر ادا کرنا پڑے گا۔

کتاب السیر والبغاۃ

فتاویٰ قراخانی جس دور میں مرتب کیا گیا، وہ بادشاہت کا دور تھا۔ اور بادشاہوں کے محلوں کے آداب عجیب و غریب نوعیت کے تھے۔ ان کی مجالس میں بعض اوقات بہت سے ایسے خلاف شرع امور کا ارتکاب بھی ہوتا تھا جو شرک کی حد تک پہنچ جاتے تھے۔ ان میں ایک سجدہ تعظیمی یا سجدہ تحیہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے اور اس قسم کے سجدے کی تائید کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس ضمن میں مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] ورق: ۱۲۹۔

سجدۂ تعظیمی:

استفتاء: اگر مسلمانے را گفتند کہ بادشاہ را سجدہ کن والاترا ہم کشت، شرعاً ایں مسلماں را افضل چیست، سجدہ کند یا نے؟

جواب: نے!

فی الواقعات اذا قیل للمسلم اسجد للملك والاقتلناك فالافضل ان لا، ❶ یسجد لانہ کفر والا فضل ان لا یاتی بما ھو کفر صورۃ وان کانت حالۃ الاکراہ۔

استفتاء: اگر مسلمان سے کہا جائے کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمھیں قتل کردیں گے۔ شرعاً اس مسلمان کے لیے افضل کون سی بات ہے، سجدہ کرے یا نہ کرے؟

جواب: نہ کرے۔

واقعات میں ہے کہ اگر مسلمان سے یہ کہا جائے کہ بادشاہ کے سامنے سجدہ کرو ورنہ ہم تمھیں قتل کردیں گے تو افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کیوں کہ ایسا کرنا کفر ہے اور افضل یہ ہے کہ کفر کا ارتکاب نہ کرے، اگرچہ حالت اکراہ ہو۔

لیکن ساتھ ہی یہ لکھا ہے:

وما قولھم اگر سجدۂ تحیت از خوف بادشاہ مے کند شرعاً ایں کافر شود یا نے؟

جواب: نے!

یعنی اس مسئلے سے متعلق (فقہا) کی کیا رائے ہے کہ اگر بادشاہ کے خوف سے سجدہ تحیہ کرلے، شرعاً اس صورت میں وہ کافر قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

آگے اس جواب کی تائید میں واقعات حسامیہ کی عبارت نقل کی گئی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ سجدہ تعظیمی وتحیہ بادشاہ کے خوف سے کیا جائے تو کفر نہیں۔ ❷

---

❶ کتاب میں یہ لفظ: ان یسجد ہے، (جس کے معنی ہیں: سجدہ کرے) لیکن سیاق سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ دراصل لفظ " ان لا یسجد " ہے۔ یعنی سجدہ نہ کرے۔

❷ ورق: ۲۹۸۔

دار الحرب میں قرآنِ مجید:

اسی ضمن میں فتاویٰ قراخانی کے مصنف نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ دارالحرب میں قرآنِ مجید لے کر جانا چاہیے یا نہیں؟ اگر لے جایا جائے تو کب اور نہ لے جایا جائے تو کس صورت میں؟ مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر مصحف در دارِ حرب می بردتا قرآن بخواند چوں لشکر عظیم است وخوف تلف و استخفاف مصحف نیست، شرعاً روا باشد بردن بخود یانے؟

جواب: باکے نیست۔

فی الفتاویٰ الخانیة، ولا باس بادخال المصحف دار الحرب لقراء ة القرآن اذا کان العسکر عظیما.

فی الهداية: لا باس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کان عسکرا عظیما تؤمن علیها لان الغالب هو السلامة والغالب کالتحقق.

استفتاء: اگر تلاوت کی غرض سے کوئی شخص دار الحرب میں قرآنِ مجید اس صورت میں اپنے ساتھ لے جائے کہ مسلمانوں کی فوج بہت بڑی تعداد میں ہے اور قرآنِ مجید کے تلف اور استخفاف کا کوئی خطرہ نہیں، تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں!

فتاویٰ الخانیہ میں ہے کہ جب (مسلمانوں کا) لشکر بہت بڑا ہو تو دار الحرب میں بغرضِ تلاوت، قرآن پاک لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ جب عساکر اسلام اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے تو مسلمانوں کے لیے اپنے ساتھ عورتیں اور قرآنِ مجید لے جانے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ گمان غالب یہ ہے کہ اس میں سب سلامت رہیں گے اور گمان غالب یقین کا درجہ رکھتا ہے۔

لیکن اگر عساکر اسلام کم تعداد میں ہوں تو پھر؟ اس ضمن میں مصنف رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

وما قولہم اگر سریہ است یعنی لشکراند کے است بقدر صد سوار ست، شرعاً مصحف بردن درجنگے مکروہ باشد یانے؟

جواب: باشد!

فی الهداية يكره اخراج ذلك فی سرية لا يتيقن من عليها لان فيه تعريض المصحف علی استخفاف فانهم يستخفون بها ...... لقوله عليه السلام لا تسافروا بالقران فی ارض العدو۔ ❶

مگر اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر مسلمان بشکل سریہ نکلیں یعنی ان کی فوج بہت کم تعداد میں ہو، مثلاً بقدر سو سوار! ۔ کیا اس صورت میں جنگ میں قرآنِ مجید ساتھ لے جانا شرعاً مکروہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے کہ قرآنِ مجید کا اتنے تھوڑے لشکر کی صورت میں جس پر پورا اطمینان نہ ہو، ساتھ لے جانا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اس طرح استخفاف کے لیے ان کے سامنے قرآن کو پیش کرنا ہے اور وہ اس کا استخفاف کریں گے ...... اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی رو سے احتراز کرنا چاہیے کہ قرآن کو ساتھ لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر نہ کرو۔

ذمی اور ان کی عبادت گاہیں، اسلامی حکومت میں:

اسی باب میں مصنف نے اس مسئلے کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم اور اہل ذمہ کے بت خانے اور عبادت گاہیں قائم و محفوظ رہنے چاہئیں یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں:

استفتاء: اگر اہل ذمہ در آں دہا بت خانۂ قدیم دارند، شرعاً مسلماناں را رسد کہ آں بت خانہا خراب کنند یانے؟

جواب: نے!

---

❶ ورق: ۳۰۴۔۳۰۵۔

في الزيادات فان كان لهم في تلك القرى بيع وكنائس قديمة تركت علىٰ حالها لم يمنع ولم يتعرض اليهم اهل صلح، فليستحقون ترك التعرض لهم كذالك الا ترى انه لا يجوز التعرض لهم في اخذ شيء من اموالهم واملاكهم وزراعتهم في تلك المواضع۔ ❶

استفتاء: اگر ذمیوں کے ان شہروں میں (جو اَب مسلمانوں کی حکومت میں آگئے ہیں) پہلے سے بت خانے موجود ہوں تو شرعاً مسلمانوں کو ان بت خانوں کو ڈھا دینے اور مسمار کر دینے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں!

زیادات میں ہے اگر ان شہروں میں قدیم سے گرجے اور معبد موجود ہوں تو انھیں اسی پہلی حالت پر رہنے دیا جائے گا اور ان کو ان سے روکا نہیں جائے گا اور ان اہل صلح سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ اسی طرح کیا تم نہیں جانتے کہ ان مواضع میں ان کے اموال، املاک اور زراعت کے سلسلے میں بھی ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔

ذمی اور اسلامی حکومت میں خمر وخنزیر کی فروخت:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت میں اہل ذمہ خمر اور خنزیر کی خرید و فروخت کر سکتے اور ناقوس بجا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں مصنف کے الفاظ اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

استفتاء: اگر ذمیاں در دیہائے خمر وخنزیر فروختند و ناقوس می زنند، شرعاً ایشاں را امیر از فروختن خمر وخنزیر وزدن ناقوس منع کند یا نے؟

جواب: کند۔

فى الزيادات فليس لهم ان يبيعوا فيها خمرا او خنزيرا وان يضربوا فيها بناقوس۔ ❷

❶ ورق: ۳۱۸۔ ❷ ورق: ۳۱۸۔

استفتاء: اگر ذمی (اسلامی مملکت کے) دیہات وقصبات میں خمر اور خنزیر فروخت کریں اور ناقوس بجائیں تو شرعاً امیر مملکت ان کو خمر وخنزیر کی فروخت اور ناقوس بجانے سے منع کرے یا نہیں؟

جواب: کرے۔

زیادات میں ہے کہ ان کو اجازت نہیں کہ وہ اسلامی مملکت میں خمر یا خنزیر بیچیں اور ناقوس بجائیں۔

اگر کفار مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرلیں:

کفار اگر مسلمانوں پر غالب آجائیں اور ان پر فتح حاصل کرلیں اور ان سے ان کے اموال واملاک کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں مسلمانوں اور ان کے امیر کو کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر کفار قہرہم اللہ شہرے از شہر ہائے مسلماناں غالب آمدند ومحاصرہ کردند واز مسلماناں مال می خواہند تا صلح کنند وامان دہند، شرعاً مسلماناں را شاید کہ مال بکفار دہند یانے؟

جواب: نے!

فی الهداية: وان حاصر العدو المسلمين وطلبوا الموادعة على مال يدفعها المسلمون اليهم لا يفعل الامام لما فيه من اعطاء الذمة والحاق المذلة باهل الاسلام۔

استفتاء: اگر کفار، اللہ انھیں ذلیل کرے، مسلمانوں کے کسی شہر کا محاصرہ کرلیں اور مسلمانوں سے یہ مطالبہ کریں کہ ان سے صلح کرنے اور ان کے امان وتحفظ کی ضمانت کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اموال ان کے حوالے کردیں تو ازروئے شریعت مسلمانوں کو اپنے مال کفار کے حوالے کردینے چاہئیں یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر دشمن مسلمانوں کو محصور کرلیں اور وہ صلح اور امان کے بدلے میں ان

سے مال کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا امام و امیر (ان کفار) کی بات نہ مانے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ خود (مسلمانوں) کی حفاظت کی ذمہ داری سے دست بردار ہوگیا ہے اور یہ ذمہ داری دوسروں یعنی کفار کے سپرد کردی ہے اور (اس نے) مسلمانوں کو ذلت سے دوچار کردیا ہے۔

لیکن ساتھ ہی لکھا ہے:

وما قولہم اگر مال بر ایشاں بدہند بخوف آں باشد، نعوذ باللہ من ذلک کہ مسلماناں را ہلاک کنند، شرعاً دریں صورت مال دادن بر ایشاں درست باشد یا نے؟

جواب: باشد۔

فیہ (الھدایۃ) ایضًا لا اذا خاف الھلاك لان دفع الھلاك واجب بای طریق یمکن۔[1]

استفتاء: اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر وہ (مسلمان) ان (کفار) کو اس خوف و خطرے کی وجہ سے مال دے دیں کہ نعوذ باللہ وہ مسلمانوں کو ہلاک کردیں گے تو ازروئے شریعت اس صورت میں ان کو مال دینا درست قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: درست قرار پائے گا۔

اسی (ہدایہ) میں ہے کہ اس وقت (کفار کو مال دینے سے انکار نہ کریں) جب ہلاکت کا خطرہ درپیش ہو، کیوں کہ ہلاکت کے خطرے کو دور کرنا جس طریق سے بھی ممکن ہو، واجب ہے۔

کتاب الجزیۃ والخراج

مصنف فتاویٰ قراخانی نے دیگر مسائل فقہ کی طرح، کتاب الجزیہ والخراج میں مسائل جزیہ اور خراج کے اہم گوشوں پر بھی بحث کی ہے اور اس کی تفصیلات حیطۂ تحریر میں لائے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

استفتاء: اگر مردے ذمی زمین موات را احیا کرد، احیائے صحیح۔ شرعاً ایں زمین را مالک

---

[1] ورق: ۳۱۵، ۳۱۶۔

شودیانے؟

جواب: شودا!

فی الکافی لمولانا حافظ عماد الدین رحمہ اللہ ویملکه الذمی بالاحیاء کما یملکه المسلم لان الاحیاء سبب الملك وهو كالمسلم فی سائر اسباب الملك۔ [1]

استفتاء: اگر ذمی بنجر زمین آباد کرے اور صحیح و مکمل طور سے آباد کرے تو شرعاً یہ شخص اس زمین کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: مالک قرار پائے گا۔

الکافی میں مولانا حافظ عماد الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زمین آباد کرنے کی وجہ سے ذمی، اس کا ٹھیک اسی طرح مالک ہوگا، جس طرح کہ مسلمان مالک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا مِلک کا سبب بنتا ہے اور وہ تمام اسبابِ ملک میں مسلمان کی مانند ہیں۔

پوری کتاب شروع سے آخر تک اسی طرح سوال و جواب کی صورت میں ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے اور فقہ کی ایک اہم کتاب ہے۔

[1] ورق: ۳۳۳۔

(۳)

فوائد فیروز شاہی

فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

فیروز شاہ تغلق آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ ۷۱۰ ہجری (۱۳۱۱ء) میں پیدا ہوا۔ بیالیس سال کی عمر میں ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں تخت حکومت پر متمکن ہوا اور اسی (۸۰) برس کی عمر پا کر ۷۹۰ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوا۔

عہد فیروز شاہ تغلق کے علمائے کرام:

فیروز شاہ تغلق کو علماء سے نہایت تعلق خاطر تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں مندرجہ ذیل علما و فقہاء کے نام تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں:

شیخ اسمٰعیل بن محمد ملتانی، قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی، شیخ احمد بن یحییٰ منیری، شیخ امام الدین دہلوی، امیر تاتار خاں دہلوی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ اسحٰق مغربی، مولانا شمس الدین باخرزی، قاضی ضیاء الدین برنی، مولانا عالم بن علا اندرپتی، قاضی ضیاء الدین سمنانی، قاضی جلال الدین کرمانی، شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری، شیخ عبدالعزیز اردبیلی، شیخ عثمان بن داؤد ملتانی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علما و فقہا کے نام مختلف تذکروں میں ملتے ہیں اور ان میں سے اکثر کے حالات بھی دست یاب ہیں، مگر صفحات کی تنگ دامانی اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتی۔

فیروز شاہ تغلق کا دورِ حکومت امن و امان، عدل و انصاف، علم و فضل اور نیکی و تصوف کا دور تھا۔ خود بادشاہ معدلت گستری میں معروف، علم و علماء کا قدر دان اور صلحا و صوفیا کا معتقد تھا۔ اس کے دور میں متعدد نامور علماء پیدا ہوئے اور کئی کتابیں حیطۂ تحریر میں آئیں، جن میں مولانا امام

ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرانی کی ''فقہ فیروز شاہی'' خاص طور سے لائق تذکرہ ہے، اور یہ بشکل مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ ❶

یہ کتابیں اس بات کی وضاحت کناں ہیں کہ فیروز شاہ علم وعلما اور فقہ وفقہا سے وابستگی رکھتا تھا اور اپنی قلمرو میں علم کی نشر واشاعت کے لیے کوشاں رہتا تھا۔

فوائد فیروز شاہی:

اس زمانے کی تصانیف میں سے ایک اہم کتاب ''فوائد فیروز شاہی'' ہے۔ یہ کتاب اس دور کے ایک ذی علم بزرگ شرف محمد عطائی کی تصنیف ہے اور متعدد مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ مخطوطے کی شکل میں اس کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری (لاہور) میں موجود ہے۔

یہ مخطوطہ دو جلدوں میں مجلد اور محفوظ ہے۔ پہلی جلد مع فہرست کے ۲۰۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد: ۲۱۰ سے شروع ہو کر ۴۳۷ اوراق پر ختم ہوتی ہے۔ سرورق پر کتاب کا نام یا اس سے متعلق کوئی شئے درج نہیں بلکہ ادھر ادھر کی اور ہی چند سطور مرقوم ہیں۔ صفحہ ۲ اور ۳ پر ابتدائیہ ہے۔ فہرست کتاب بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ سرخ اور سیاہ دونوں قسم کی روشنائی سے لکھی گئی ہے۔ دوسرا صفحہ جس سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے مع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۴ سطور کا ہے اور تیسرا صفحہ ۲۱ سطور پر مشتمل ہے، جس پر باریک قلم سے حاشیہ بھی ہے۔ بعض الفاظ سرخ روشنائی سے خط کشیدہ ہیں۔ کچھ الفاظ کا بین السطور ترجمہ دیا گیا ہے اور چند الفاظِ جمع کے واحد درج کیے گئے ہیں۔ فہرست صفحہ ۴ سے شروع ہوتی ہے۔ فہرست سے بعد کے نو صفحے اکیس اکیس سطر کے ہیں اور ان پر باریک قلم سے گنجان حواشی ہیں۔ اس سے اگلا صفحہ ۱۹ سطر کا ہے، اور حاشیہ اس کا بھی گنجان اور باریک ہے۔ آگے چل کر ۱۹، ۱۷ اور ۱۶ سطر کے صفحے ہیں اور کہیں کہیں حواشی بھی ہیں۔ ان کا کاغذ خاکی رنگ کا ہے جو مضبوط اور دبیز ہے۔ ہر ورق کرم خوردہ ہے اور اس میں بے شمار سوراخ ہیں۔ بعض مقامات پر الفاظ سوراخوں کی زد میں آ گئے ہیں لیکن ان کو پڑھنے اور سمجھنے میں تکلیف نہیں ہوتی۔ البتہ ابتدائی دو صفحات زیادہ زخمی ہیں، جن کے

---

❶ ملاحظہ ہو: کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری لندن، حصہ فارسی، صفحہ: ۱۳۷۷۔ نمبر: ۲۵۶۴۔

بعض حصوں پر جلد ساز نے سفید رنگ کا باریک سا کاغذ چسپاں کردیا ہے اور الفاظ اس کاغذ کے نیچے آگئے ہیں جس کی وجہ سے ان الفاظ کا پڑھنا اور سمجھنا ناممکن ہوگیا ہے۔ مخطوطے کا سائز: ۸½ + ۹½ ہے۔

معلوم ہوتا ہے پرانے دور کے کاتبوں نے بعض حروف کی پہچان کے لیے کچھ خاص قسم کی علامتیں مقرر کر رکھی تھیں، جو اس مخطوطے کی کتابت میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حرف ''س'' کے نیچے نقطے اس طرح (ﭙ) لکھے گئے ہیں۔ یعنی کاتب نے سنان کو سپنان، مجالس کو مجاپس، ترسم کو ترپسم، سعدی کو سپعدی اور نشستن کو نشسپتن لکھا ہے۔ البتہ سیف الدین کی ''س'' کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے۔ بعض مقامات پر سعدی کی ''س'' بھی ان نقطوں سے خالی ہے۔

اسی طرح ''گ'' کو ''ک'' اور ''چ'' کو ''ج'' لکھا ہے۔ اور ''۵'' کے ہندسے کا اندازِ کتابت یہ ''y''، ''J'' ہے اور ''۴'' کا یہ ''ع'' ۔

فہرست:

فہرست کا آغاز ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے ہوتا ہے اور اس کے نیچے یہ الفاظ ہیں:

''فہرست الابواب من الکتاب فوائد فیروز شاہی''

اس کا بہرۂ فہرست چار اقسام، ایک سو پندرہ ابواب اور پانچ سو چوہتر (۵۷۴) فصول کو اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ترتیب فہرست اس طرح ہے کہ پہلے تو فہرست ہی میں ہر اہم مسئلے سے متعلق ایک باب قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً: ''باب سی وکیم در جہاد''۔ پھر اس کے تحت اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں سے متعلق الگ الگ چھوٹے چھوٹے ضمنی عنوان ''فصل'' کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں۔ یعنی فصل در شجاعت، فصل در صفت سرلشکر، فصل در متفرقات، فصل در غنیمت۔

فہرست کے علاوہ اصل کتاب میں جہاں یہ مسئلہ مذکور ہے وہاں بھی اسی طرح ایک ہی جگہ یہ تمام عنوان اسی ترتیب سے لکھے گئے ہیں بلکہ وہاں بعض ضمنی عنوان فہرست کے عنوانات سے زیادہ ہیں۔ پھر اس سے آگے ہر مسئلہ الگ الگ عنوان قائم کرکے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی بعض مقامات پر اصل باب کے سلسلے کے ضمنی عنوانات میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ فہرست میں تو ضمنی عنوانات لکھنے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، لیکن اصل کتاب میں پورے

عنواناتِ دیے گئے ہیں۔ اگر فہرست بھی تمام عنوانات کو حاوی ہوتی تو اس میں کئی صفحات کا مزید اضافہ ہو جاتا۔

مخطوطہ ناقص ہے:

لیکن اس کے ساتھ ہی چند عنوانات ایسے بھی ہیں جو فہرست میں تو موجود ہیں مگر اصل کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ مثلاً باب: ۷۱ اور باب: ۷۲ مع فصول کے فہرست میں درج ہیں مگر کتاب میں نہیں ہیں۔ وہ ابواب یہ ہیں: باب ہفتاد و یکم۔ در اطاعت امراد کرم و دولت و حرمت۔ اس کی تین فصلیں ہیں: باب ہفتاد و سوم۔ در بدن کردن بر کسے سخن خستہ و عذر گناہ کردن۔ اس کی بھی تین فصیل ہیں۔

یہ ابواب پوری کتاب میں مجھے نہیں ملے۔ اس اعتبار سے مخطوطے کا پیش نگاہ نسخہ ناقص ہے۔

پانچ ابواب جو آخر میں درج ہیں:

علاوہ ازیں درج ذیل ابواب مع ذیلی فصول کے فہرست میں تو صحیح ترتیب سے درج ہیں مگر کتاب کے آخر میں دیے گئے ہیں۔

۱: باب ہفتاد و چہارم۔ در غیبت و طعنہ و بہتان۔ اس کی پانچ فصلیں ہیں۔

۲: باب ہفتاد و پنجم۔ در آزاد کردن بندہ و مکاتبت و مدبر گردانیدن۔ اس کی تین فصلیں ہیں۔

۳: باب ہفتاد و ششم۔ در بندہ مجور و ماذون و کنیزک ام ولد۔ اس کی بھی تین فصلیں ہیں۔

۴: باب ہفتاد و ہفتم۔ در کسب و تجارت رند و محتکر۔ اس کی چار فصلیں ہیں۔

۵: باب ہفتاد و ہشتم۔ در اجارت و زراعت و شرکت۔ اس کی تین فصلیں ہیں۔

ترتیب عنوانات اور الفاظ میں اختلاف:

بعض ابواب و فصول کی ترتیب کتاب کے ابواب و فصول سے مختلف ہے۔ مثلاً فہرست میں "باب در زکوٰۃ" پہلے ہے اور اس کے بعد "باب در سجدہ ہاو دعا و قنوت" ہے، لیکن کتاب میں "باب در سجدہ ہاو دُعاءِ قنوت" پہلے ہے اور "باب در زکوٰۃ" بعد میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح کئی ابواب میں تقدیم و تاخیر کا یہ عمل چلتا ہے۔ پھر متعدد مقامات پر عنواناتِ فہرست اور عنواناتِ کتاب کے الفاظ میں بھی فرق ہے۔ مثلاً فہرست میں "فصل در ماہیت علم" ہے اور کتاب میں "ماہیت

ایمان'' ہے اور ''ماہیت ایمان'' ہی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ فصل ''باب دوم در ایمان و اسلام'' کے تحت قائم کی گئی ہے۔ اور باب کا تقاضا یہ ہے کہ ضمنی عنوان یعنی فصل ''در ماہیت ایمان'' ہی ہو نہ کہ ''در ماہیت علم۔'' اسی طرح فہرست میں ''فصل در نشانی ہائے ایمان'' ہے اور کتاب میں ''فصل در علامات ایمان'' ہے۔

باب سوم ''در احکام شرع معرفت مذہب سنت و جماعت'' کے تحت فہرست میں ''فصل در سنت و جماعت'' ہے اور کتاب میں ''فصل در مذہب سنت و جماعت'' ہے۔ یعنی لفظ ''مذہب'' کا اضافہ ہے، جو صحیح ہے۔

''باب سیزدہم در احکامِ مسجد'' کے تحت فہرست میں ایک عنوان ''فصل در بیان مسجد'' ہے اور کتاب میں ''فصل در بناءِ مسجد'' ہے۔

''باب ہفدہم در فضیلت نماز'' کے تحت فہرست میں ''فصل در تکبیراتِ اولیٰ'' کا عنوان ہے لیکن کتاب میں ''فصل در تکبیر اولیٰ'' ہے۔

اسی باب میں فہرست میں ''فصل حدیث در نماز'' ہے اور کتاب میں ''فصل حدث در نماز'' ہے۔ غرض بہت سے مقامات پر عنوانات میں الفاظ کا یہ فرق پایا جاتا ہے۔

آخری دس صفحات:

مخطوطے کے آخر میں دس صفحے باریک کاغذ کے ہیں۔ ان کا قلم کتابت بھی باریک ہے اور یہ صفحات باقی نسخے کی کتابت کی بہ نسبت گنجان بھی ہیں۔ ان دس صفحات میں سے پہلے چھ صفحوں کی سطریں ۲۷ سے ۳۰ تک فی صفحہ ہیں۔ اور ان کا سائز مخطوطے ہی کا ہے۔ ان کے بعد کے دو صفحوں میں سے جو نسبتاً چھوٹے ہیں، ایک کی ۲۶ اور ایک کی ۱۹ سطریں ہیں۔ ۱۹ سطور کے صفحے پر حاشیہ بھی ہے۔ آخری دو صفحے بہت چھوٹے سائز کے ہیں۔ مگر کاغذ کا رنگ ایک ہی ہے۔ جہاں سے ان دس صفحات کا آغاز ہوتا ہے اس سے پتا نہیں چلتا کہ یہ اسی مخطوطے کا حصہ ہیں، کیونکہ جو مضمون پیچھے سے چلا آ رہا ہے وہ ان صفحات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے والا پریشان ہو جاتا ہے، لیکن صفحات کے نمبروں کی ترتیب مسلسل ہے اور اس کی رُو سے یہ صفحات بھی اسی مخطوطے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان دس صفحات میں سے ابتدا کے چھ صفحے فی الواقع مخطوطے کا حصہ ہیں اور یہ ان ابواب پر مشتمل ہیں۔ باب ہفتاد و چہارم، باب ہفتاد و پنجم، باب ہفتاد و ششم، باب ہفتاد و ہفتم، باب ہفتاد و ہشتم۔

یہ وہ ابواب ہیں جو (جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا) فہرست میں تو موجود ہیں لیکن کتاب کا اصل مقام ان سے خالی ہے۔ یہ ابواب مع فصول کے مرتبِ نسخہ نے آخر میں رکھ دیے ہیں۔ رہے اس کے بعد کے چار صفحے تو ان کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مخطوطے ہی کا حصہ ہیں۔ ان میں کچھ دعائیہ قسم کا مضمون ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مخطوطے کا آخری حصہ ہے جسے دعائیہ کلمات کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔

تاریخ کتابت:

ان میں کے بالکل آخری دو صفحے بہت چھوٹے سائز کے ہیں۔ ایک ۹ سطر کا ہے اور ایک ۶ سطر کا۔ اور ان دونوں صفحات کے نیچے کا نصف حصہ خالی ہے۔ آخری صفحے کی آخری سطر پر تاریخ کتابت ۱۲؍صفر ۱۱۵۲ ہجری مرقوم ہے۔ لیکن اسے کس نے لکھا ہے اور کہاں لکھا ہے؟ اس کا پتا نہیں چلتا۔

چار نسخے:

فوائد فیروز شاہی کے نسخے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟ اس کی تلاش و جستجو میں مَیں نے بڑی محنت کی، لیکن پوری کوشش کے باوجود چار نسخوں سے زیادہ کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اس کا ایک نسخہ تو ترکی کی استنبول لائبریری میں ہے، جس کا تذکرہ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''کشف الظنون'' میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"فوائد الفیروز شاھیه۔ فی فروع الحنفیه۔" ❶

دوسرے نسخے کا تذکرہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ملتا ہے:

''چودھویں صدی مسیحی کے ہندوستانی مسلمان عوام کے جو عقیدے، قصے کہانیوں اور

---

❶ کشف الظنون، جلد ثانی، کالم: ۱۳۰۰، مطبوعہ ۱۹۴۳ء (۱۳۶۲ھ)

جادو ٹونوں سے وابستہ تھے ان کے متعلق یہ ایک ایسا عجیب دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے جو بہت دلچسپ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ اس کا سائز ۱۰ ۳/۴ + ۷ ہے۔ ہر صفحے کی سطریں ۱۱ سے ۱۳ تک ہیں۔'' ❶

تیسرا نسخہ: خدا بخش لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''فوائد فیروز شاہی۔ فرقہ اہل سنت والجماعت کی فقہی معلومات کا جامع و مانع قاموس یا دائرۃ المعارف ہے۔ اس میں دینی، اخلاقی اور لسانی مسائل سے بحث کی گئی ہے اور کثیر التعداد معتبر اور مستند کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ شرف محمد العطاری کی تالیف ہے۔ کتاب کے آخر میں مؤلف یہ لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق کے نام منتسب کی ہے، جس نے ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ (۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء) تک حکومت کی۔ اس کتاب کے متعلق نہ تو فیروز شاہی مورخ شمس سراج عفیف اور ضیاء الدین برنی کچھ بتاتے ہیں اور نہ سیرت فیروز شاہی میں اس کا تذکرہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور کتاب ''فقہ فیروز شاہی'' صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی نے بھی لکھی تھی، جسے ان کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق نے شائع کیا۔ انڈیا آفس لائبریری لندن کے کیٹلاگ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور یہ نسخہ ایک سو پندرہ ابواب پر منقسم ہے۔ مؤلف نے معتبر اور گراں قدر کتابوں سے اقتباس کیا ہے۔ مثلاً شرح طحاوی، ہدایہ، اخلاق الناصری اور بستانِ فقیہ وغیرہ۔ شعرا میں خسرو، سعدی، نظامی، خاقانی، ہمام الدین تبریزی وغیرہ کے اشعار دیے گئے ہیں۔ یہ نسخہ خوش خط ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں ہے مگر سرورق پر جو نوشتہ ہے وہ یقیناً اسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے اس نسخے کی کتابت کی ہے۔ اس کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کی کتابت بمقام جون پور ماہ رجب ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ نوشتہ مذکور حسب ذیل ہے:

این کتاب کہ موسوم است بفوائد فیروز شاہی در بلدۂ جون پور استکتاب کردہ شد بتاریخ شہر رجب المرجب سنہ سبعۃ وسبعین وتسمائۃ۔ العبد منعم بن میرم۔

❶ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال کلکشن، صفحہ ۵۱۷، نمبر: ۱۳۸۔

شروع کتاب میں حاشیہ پر کچھ عبارتیں ہیں۔ تاریخی قدر و اہمیت کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت کچھ قابل التفات ہے۔ [1]

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن مطبوعہ ۱۹۲۴ء کلکتہ میں اس کا تذکرہ کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''یہ ایک نہایت دلچسپ مذہبی دائرۃ المعارف ہے، جس میں ہر طرح کے عقائد اور ہر ممکن ماحول میں آدابِ معاشرت وغیرہ کی جامع معلومات درج ہیں۔ قطع نظر اس کی مذہبی قدر و قیمت کے کتاب قصے کہانیوں اور زمانہ وسطیٰ یعنی آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولھویں صدی تک کے ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق بہت دلچسپ اور وسیع معلومات فراہم کرتی ہے۔ مؤلف اپنا نام شرف (الدین) العطائی بتاتا ہے۔ اس نے اس کتاب کو فیروز شاہ تغلق کے نام معنون کیا ہے جو اغلباً دہلی کا فیروز شاہ ثالث (۷۵۳۔۷۹۰ھ) ہے، جس نے مذہبی لٹریچر کی سرپرستی کی۔ یہ تالیف ایک سو پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کی مختلف فصلیں ہیں۔''

آخری حصہ قدرے ناقص ہے، جس میں آخری باب کا ابتدائی حصہ غائب ہے۔ تعارف میں فہرست مضامین موجود ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد اللہ الحنان الذی خلقنا من الانسان الخ۔ [2]

چوتھا نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری (لاہور) کا ہے، جو اس وقت پیش نگاہ ہے۔

تقابل:

مصنف اور مضامین کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مخطوطے کے تعارف کے سلسلے میں مختلف مجموعہ ہائے فہارس کتب میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے ''کشف الظنون'' کو لیجیے۔ اس میں صرف کتاب کے نام اور اس کے موضوع کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی تفصیلات اور مصنف کا نام نہیں بتایا گیا۔ معلوم نہیں

---

[1] ۳۴۶۔ فوائد فیروز شاہی، خدا بخش لائبریری، بانکی پور۔ [2] صفحہ: ۵۱۷۔

استنبول لائبریری کے نسخے میں یہ باتیں درج ہیں یا نہیں!

اس کے بعد رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن کو سامنے رکھیے۔ اس میں اس سے متعلق یہ الفاظ مرقوم ہیں:

''یہ کتاب چودھویں صدی عیسوی کے مسلمان عوام کے جو عقائد، قصے کہانیوں اور جادو ٹونوں سے وابستہ تھے، ان کا ایک معلومات افزا اور عجیب وغریب دائرۃ المعارف ہے۔''

اس کے لیے اس میں (Folklore) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنے قصے کہانیوں، رسوم وعوائد اور لوک گیتوں کے ہیں۔ حالانکہ اس میں اس قسم کی باتیں بالکل نہیں ہیں۔ ہاں! اس میں امام غزالی اور دوسرے بزرگانِ دین سے منقول کچھ نصیحت آموز واقعات اور اصلاحی حکایات اور فارسی کے اشعار ضرور درج ہیں، اور ان کا تعلق قصے کہانیوں یا لوک گیتوں سے نہیں بلکہ اصلاح وموعظت، پاکیزگیٔ قلب وذہن اور تزکیۂ نفس سے ہے۔ اصلاحی امور کے بیان میں کنز العباد ❶ کا نام بھی کتاب میں بار بار آتا ہے۔

جادو ٹونے کے بارے میں اس کلکشن میں (Magic) اور (Witch Craft) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب میں نہ جادوگری کے مباحث ہیں، نہ جنوں اور بھوتوں کی کہانیاں ہیں اور نہ چڑیلوں کے قصے اور ٹونوں کے تذکرے ہیں۔ البتہ ''سحر'' اور ''کہانت'' پر ایک باب قائم کیا گیا ہے جو بہت مختصر ہے اور اس میں سحر اور کہانت کی چند سطور میں تغلیط اور تکذیب کی گئی ہے اور اس کا انداز بالکل وہی ہے جو حدیث وفقہ کی دوسری کتابوں کا ہے!

رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن سے قاری کے ذہن پر یہ تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب شاید ان مباحث پر مشتمل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں اس نوع کی کوئی بات درج نہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن میں بھی (Folklore) کا لفظ ہے اور اس میں کتاب کا تعارف زیادہ وضاحت سے کرایا گیا ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں مصنف کے نام ''شرف'' کے ساتھ خطوط ہلالی میں ''الدین'' کا لفظ بھی لکھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے اس کا نام

---

❶ کنز العباد فی شرح الاوراد۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے اوراد کی شرح ہے، جو فارسی زبان میں علی بن احمد غوری نے لکھی۔ (کشف الظنون، جلد:۲، کالم:۱۵۱۷)

''شرف (الدین) محمد العطائی'' ہو۔ مگر مجھے اس نام کا کوئی شخص کسی کتاب میں نہیں ملا۔

خدا بخش بانکی پور لائبریری کے نسخے کا تعارف بھی گزشتہ صفحات میں درج کیا گیا ہے، جس میں مصنف کا نام ''شرف محمد عطاری'' لکھا ہے، حالانکہ باقی تمام نسخوں اور مجموعہ ہائے فہارس کتب میں ''شرف محمد عطائی'' درج ہے۔ پھر اس میں لکھا ہے کہ:

''کتاب کے آخر میں مؤلف لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق کے نام منتسب کی ہے۔''

میرے سامنے پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کا جو نسخہ ہے، اس میں مؤلف نے کتاب کے آغاز میں فیروز شاہ کی طرف اس کا انتساب کیا ہے، آخر میں نہیں۔ پھر تعارف میں بتایا گیا ہے کہ اسی مضمون کی ایک اور کتاب ''فقہ فیروز شاہی'' ہے اور ساتھ ہی انڈیا آفس لائبریری لندن کے کیٹلاگ کے حوالے سے ''فقہ فیروز شاہی'' کے مصنف کا نام ''صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی'' لکھا ہے۔ حالاں کہ یہ صحیح نہیں۔ ''فقہ فیروز شاہی'' صرف فقہی مسائل پر مشتمل ہے، جیسا کہ انڈیا آفس لائبریری لندن کیٹلاگ کے صفحہ ۱۳۷۷ پر مذکور ہے اور ''فوائد فیروز شاہی'' فقہیات کے علاوہ دیگر بے شمار مسائل و مباحث کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے، (جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا) علاوہ ازیں انڈیا آفس لائبریری لندن کیٹلاگ میں ''فقہ فیروز شاہی'' کے مصنف کا نام ''صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی'' نہیں لکھا، بلکہ اس طرح لکھا ہے:

''مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرمانی۔'' [1]

ابتدائیہ:

مخطوطے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد لله الحميد الحنان الذى خلقنا من الانسان وانطق السنتنا بالبيان والبرهان وجعلنا من امة نبى اخر الزمان الموصوف بالحق العظيم فى القرآن المخصوص سلقية دخول الجنان والصلوٰة على النبى وعلى اخوانه وآله واصحابه۔ الخ

[1] ملاحظہ ہو: کیٹلاگ، انڈیا آفس لائبریری، صفحہ: ۱۳۷۷، کتاب نمبر: ۲۵۶۴۔

ابتدائیہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ نسخے کے کاتب کا نام درج نہیں، لیکن جس نے اس کی کتابت کی ہے، معلوم ہوتا ہے وہ عربی زبان اور اس کے اسلوبِ کتابت سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ اس نے " وانطلق الستتنا " کو " وانطق التنا " لکھا ہے۔ اور "بالبیان "، " بالحق "، " بالعبادۃ "، " لا صحاب " وغیرہ کو الفاظ کو " باالبیان "، " باالحق "، " باالعبادۃ " اور " لا اصحاب " لکھا ہے، یہاں " با "، " لا " کے بعد "الف" کا اضافہ غلط ہے۔

کتاب فارسی میں ہے۔ اس کے مصنف کا نام شرف محمد عطائی ہے اور اس نے اس کو ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ انتساب اس زمانے کے رواج کے عین مطابق ہے۔ اس دور میں مصنفین اپنی کتابوں کی شہرت و اشاعت اور عوام و خواص میں مقبولیت کے لیے ان کا انتساب حکمرانوں اور بادشاہوں کی طرف کر دیتے تھے۔ انتساب کا سلسلہ اب بھی چلتا ہے جو کہ مصنف عام طور سے کسی بڑے آدمی کی طرف کرتا ہے۔

مصنف:

" فوائد فیروز شاہی" کے مصنف شرف محمد عطائی کے حالات معلوم کرنے کے لیے ہم نے بہت سی قدیم و جدید کتابیں دیکھیں۔ مثلاً کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری لندن، برٹش میوزیم سٹوری، فرست آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن، تاریخ فیروز شاہی (از شمس سراج عفیف) جو فیروز شاہ اور اُس کے زمانے کی ایک مستند تاریخ ہے، تاریخ فیروز شاہی (از ضیاء الدین برنی) تاریخ فرشتہ، تذکرہ علمائے ہند، نزہتہ الخواطر، تغلق نامہ، التواریخ اور ان کے علاوہ دیگر متعدد مستند کتابوں کی طرف رجوع کیا اور بہت سے اہل علم حضرات کے بابِ عالی پر دستک دی، مگر فوائد فیروز شاہی اور اس کے مصنف کا کوئی کھوج نہ لگ سکا اور تاریخ کے اوراق نے ان کے بارے میں کچھ معلومات فراہم نہ کیں، لیکن اس عدمِ ذکر کے یہ معنی نہیں کہ یہ کتاب اور اس کے مصنف تاریخ نگاروں اور تذکرہ نویسوں کے نزدیک لائق اعتنا نہ تھے، بلکہ یہ محض ایک تساہل ہے اور مؤرخین سے اس قسم کا تساہل ہو جانا کوئی انوکھی اور اچنبھے کی بات نہیں۔

عدمِ ذکر کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، ممکن ہے یوں ہی بلاقصد و ارادہ مؤرخین نے اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ یا ہو سکتا ہے، وہ ایک گوشہ گیر اور درویش صفت عالم ہو۔ عام طور پر مؤرخین کسی بادشاہ

کے دور کے انہی لوگوں کو اوراقِ کتاب کی زینت بناتے ہیں جو بادشاہ کے دربار میں حاضری دیتے رہے ہوں اور مؤرخین و وزراء اور اہل دربار کی نظروں کے سامنے رہتے ہوں لیکن بعض اہل علم شاہی درباروں میں حاضر ہونے کے عادی نہیں ہوتے اور وہ نام و نمود کی خواہش سے بالا و بے نیاز رہ کر محض علمی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کو عام طور پر معاصر مؤرخین اس دور کا ''بڑا'' اور ''قابل ذکر'' آدمی نہیں سمجھتے اور ان کی خدماتِ گوناگوں چوں کہ ان کے وضع کردہ پیمانۂ خاص میں پوری نہیں اُترتیں، اس لیے وہ انھیں نظر انداز کر جاتے ہیں اور مناسب نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کو تاریخ کے صفحات میں جگہ دی جائے اور کسی انداز سے بھی ان کا تذکرہ کیا جائے۔

بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خود وہ لوگ اتنے اونچے، بھاری بھرکم، بالغ نظر اور ذی علم ہوتے ہیں کہ ہم عصر مصنف ان کو نشانۂ حسد و رقابت بنالیتے ہیں اور اپنی رقابت کی بنا پر اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ غلط طور پر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ان کے علم و فضل کی وسعت پذیریوں کو بیان کریں گے تو اس سے خود ان کی اپنی اہانت اور کمزوریوں کے پہلو نمایاں ہوں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی اہل علم کے ذکر اور اس کی جائز تعریف سے خود مؤرخ کی ذاتی رفعت، اس کی قلبی عظمت، فراخ حوصلگی اور اس کے قلم کی غیر جانب داری کی وضاحت ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے فوائد فیروز شاہی اور اس کے مصنف کے عدم ذکر میں اسی نوع کے اسباب میں سے کوئی سبب پنہاں ہو، ورنہ اگر آئینۂ کتاب میں مصنف کے علم و فضل کا جائزہ لیا جائے، تو کہنا پڑے گا کہ کتاب علم و فن کے جن گوشوں پر محیط ہے ان میں مصنف کو خاص درک اور گہرائی حاصل ہے اور ہر باب اس کی علمی بے پائیوں کا غماز ہے، لیکن اگر اس دور کے مؤرخین ہی کسی کے حالات و کوائف کی نقاب کشائی نہ کریں اور اس سے متعلق قلم و قرطاس کو حرکت میں نہ لائیں تو بعد کے مؤرخین کیوں کر اس کا تذکرہ کرسکیں گے اور اس کے واقعاتِ زندگی کہاں سے تلاش کریں گے۔ متاخرین کا اصل ماخذ اور ذریعۂ معلومات تو متقدمین ہی ہیں۔ خود ہمارے دور میں اب بھی بعض شخصیتوں کا تزکرہ نہیں کیا جاتا یا چند الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ ہر لحاظ سے اہم شخصیتیں ہوتی ہیں اور ان کے حالات تفصیل کے متقاضی ہوتے ہیں، لیکن ہم انھیں نظر

انداز کر جاتے ہیں۔

مضامین:

- مضامین کے اعتبار سے ''فوائد فیروز شاہی'' کے مخطوطے کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔
- ایک حصہ مختلف علوم اور ان کی تعریف و وضاحت سے متعلق ہے۔
- ایک حصے میں عام فقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔
- ایک میں کچھ طبی نوعیت کے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں اور
- ایک اخلاقیات اور نیکی و احسان اور اس کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے۔

مختلف علوم اور ان کی وضاحت:

اس کتاب کا ابتدائی حصہ مختلف علوم کی تعریف اور وضاحت سے متعلق ہے۔ باب اوّل کا عنوان '' درعلم وجہل'' ہے۔ پھر قسم اوّل ''علم'' کے بارے میں ہے۔ اس میں علم کے معنی اور مفہوم سے بحث کی گئی ہے، پھر الگ الگ فصلیں ''ماہیت علم اور شرف علم'' اور ''تعلیم'' پر محیط ہیں۔ اس کے بعد علم صرف، علم نحو، علم حیلہ، علم عروض اور علم حساب کی فصلیں ہیں۔

ان علوم پر مصنف نے بڑی اچھی بحث کی ہے اور ان کے تمام حدود اور گوشوں کو خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس علم کے جس پہلو پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے اس میں آسانی پیدا کرنے اور بات قاری کے ذہن میں اُتارنے اور راسخ کرنے کے لیے مناسب مواقع پر مثالیں بھی دی ہیں، تاکہ مسئلہ زیر نظر کے کسی پہلو میں بیان و اظہار کی کمی اور تشنگی باقی نہ رہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ علوم اس زمانے میں بنیادی اہمیت کے حامل تھے اور علما و طلبا ان کو خصوصیت سے مرکز توجہ ٹھہراتے تھے۔ اسی بنا پر مصنف نے بھی اس کو اوّلین اہمیت کا مستحق قرار دیا ہے اور اوائلِ کتاب ہی میں ان کو بیان کرنا ضروری گردانا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو اس موضوع کی دوسری کتابوں سے مختلف ہو، لیکن اس سے بہرحال اندازہ ہوتا ہے کہ ان علوم کی تحصیل اس زمانے میں ضروری تھی اور خود فاضل مصنف ان پر گہری نظر رکھتے تھے۔

حصہ فقہی:

اس مخطوطے میں فقہیات کا حصہ بڑا مفصل اور ان تمام عنوانات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو

کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، صدقہ، عیدین، جمعہ، تجارت، بیوع، نکاح، طلاق، خلع، ایلا، ظہار، لعان، اجارہ، شراکت، زراعت، احتکار، ہبہ، عشر، خراج، جزیہ، قصاص، دیت، شہادت تعزیر وغیرہ امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

طبی معلومات:

ضروری طبی معلومات جس انداز سے کتاب میں مذکور ہیں وہ عام طبی کتابوں سے مختلف ہیں، اس میں نبض اور اس کی پہچان کے طریقے، عام امراض اور ان کے علاج یا ادویات وغیرہ سے بحث نہیں کی گئی، بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ کون کون سی اشیا صحت انسانی کے لیے مفید ہیں اور کن کن چیزوں کے استعمال سے کیا فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً گاجر، سیب، انار، شہد، کدو، خرما، خربوزہ میں طبی اعتبار سے جو فوائد مضمر ہیں، ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور یہ حصہ کتاب بڑا دلچسپ ہے۔

اخلاقیات:

اخلاقیات کا حصہ خصوصیت سے لائق اعتنا ہے۔ اس کو عام فقہی کتابوں سے ہٹ کر موضوع کتاب بنایا گیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے اور بحیثیت انسان ہر ایک کی عزت و تکریم ضروری ہے۔ پھر الگ الگ ابواب کے تحت چھوٹی چھوٹی فصلیں قائم کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس کا احترام کس طرح کرنا چاہیے۔ انسانیت کے کس طبقے سے کس نہج کا برتاؤ کیا جائے اور کس آدمی کے حدودِ احترام کیا ہیں؟ مثلاً استاذ کی عزت، والدین کا احترام، اپنے سے بڑے کی تعظیم، اولاد پر شفقت، چھوٹوں پر رحم، علما کی توقیر، بزرگوں کی قدر و منزلت، اولیا کی تکریم، یہ اخلاقیات کی بنیادی قدریں ہیں اور ان میں جو فرقِ مراتب ہے اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور ان کے احترام کے تقاضوں کو پورا کرنا انسانی فرائض میں داخل ہے۔

علاوہ ازیں بیمار کی بیمار پرسی، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، غربا و مساکین کی امداد، بیواؤں کی دیکھ بھال، حکام کا ماتحت عملے سے حسن سلوک، ہمسایوں سے اچھے تعلقات، دوستوں سے میل جول، عام لوگوں سے ربط و مودت، اہل شہر سے استواریٔ علائق، رشتے داروں سے صلہ رحمی، نرمیٔ گفتار، عذوبت لسان وغیرہ امور کو اخلاق کے حجر اساسی قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انسانوں کے علاوہ حیوانوں، مویشیوں اور ڈنگر ڈھوروں پر بھی نظر کرم اور نگاہِ شفقت کو ضروری

ٹھہرایا گیا ہے۔ ان تمام امور میں حدیث اور فقہ کے حوالے دیے گئے ہیں اور فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی تمام مکاتبِ فکر سے استدلال کیا گیا ہے۔

دیگر مباحث:

اس کے علاوہ ترکِ دنیا، زہد وعبادت، صبر وشکر، قناعت و بے نیازی، تحمل و بردباری، انابت الی اللہ، دعا، خلوصِ نیت، صفائی قلب، ایفائے عہد، فوائد خاموشی، نصرتِ مظلوم، عدل و انصاف وغیرہ امور کو بہترین اسلوب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکرو فریب، ریاکاری و دھوکا دہی، ظلم وتعدی، حسد و بدظنی، حرص و آز، طمع و لالچ، نخوت وغرور، عجب وخود پسندی، غیبت وعیب جوئی، بخل، حب دنیا، بہتان طرازی، طعن وتشنیع، نکتہ چینی وغیرہ عیوب کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

ایک باب میں احتکار و ذخیرہ اندوزی اور ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور لونڈی غلام کی آزادی، مکاتبت، تدبیر، اُمّ ولد، بیع مملوک، بیع مملوک صغیرہ، غلام کی خرید وفروخت میں دھوکا بازی وغیرہ مسائل کو موضوع بحث ٹھہرایا گیا ہے۔

کتاب میں خواب ورؤیا پر بھی ایک باب ہے، جس میں خواب دیکھنے والے کے خیالات، انواعِ خواب، خواب میں اللہ تعالیٰ کی رویت، رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور تعبیر رویا پر بحث کی گئی ہے۔

سحر و جادوگری اور کہانت پر بھی ایک باب ہے، جس میں اس کو غلط اور خلافِ شریعت ثابت کیا گیا ہے۔ توبہ و استغفار، گناہ ومعصیت، دروغ گوئی اور جھوٹی شہادت پر بھی ایک باب ہے۔ اور یہ مسائل جس نہج سے ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتاب متقی اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔

وراثت، اصحاب فرائض اور عصبات پر بھی ایک باب ہے۔

ایک باب تواریخ خلافت، عشرہ مبشرہ، فضلیت صحابہ اور اصحابِ کہف پر مشتمل ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں بھی ایک باب ہے اور ایک باب رسول اللہ ﷺ پر درود، آپ کے نسب، حلیہ مبارک، تعداد ازواج مطہرات اور وفات النبی ﷺ پر محتوی ہے۔

شہادت و بہادری، فوج، عسکری تنظیم، مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم پر بھی ایک باب قائم کیا گیا ہے۔

یہ چند عنوانات ہیں جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ورنہ اس قسم کے بے شمار مضامین مخطوطے کے ۴۳۷ اوراق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مخطوطہ ہمہ گیر نوعیت کا حامل ہے اور ایک عام انسان کی معلومات میں اضافے کا باعث ہے۔

حصۂ فقہیات میں اگرچہ اصل ترجمانی فقہ حنفی کی گئی ہے اور اسی مسلک اور زاویۂ فکر کو منقح کیا گیا ہے، تاہم امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے حوالے بھی دیے گئے ہیں اور ان مسالک فقہ کو ساتھ ساتھ چلایا گیا ہے۔ اور یہ مصنف کی وسعت علم و فکر اور فراخیٔ قلب کی دلیل ہے کہ انھوں نے بیان مسائل میں صرف ایک ہی فقہی نقطۂ نظر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام مدارسِ فقہ کو واضح کر دیا ہے۔ پھر بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان جو اختلاف آراء ہے اس کی نشان دہی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ فتویٰ کے اجرا و نفاذ میں کس امام کی دلیل اور فکر و رائے کو فوقیت حاصل ہے۔

مصنف کی علمی ہمہ گیری:

یہ مخطوطہ اس امر کا بھی وضاحت کناں ہے کہ اس دور میں ایک اہل علم کس اسلوب سے مسائل کو ہدف بحث ٹھہراتا تھا اور اس کے نظر و بصر کے حدود کتنے وسعت پذیر تھے۔ اگر وہ ایک ہی کتاب میں ایک خاص ترتیب و سلیقہ کے ساتھ مختلف نوعیّتوں کے مسائل کو گھیر لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بہ یک وقت عالم دین بھی ہے، معلّم و مدرس بھی ہے، فقیہ بھی ہے، قرآن و حدیث کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔ آئمہ عظام کے اختلاف رائے سے بھی آگاہ ہے، طبی مسائل سے بھی باخبر ہے، اخلاقی قدروں سے بھی آشنا ہے، حساب و ریاضی اور باقی اصناف علم سے بھی واقفیت رکھتا ہے۔ تصوف سے بھی اسے لگاؤ ہے، وظائف و اوراد سے بھی وابستگی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بنیادی فریضہ بھی اس کے سامنے ہے، قلبی و روحانی غذا کا مسئلہ بھی اس کے پیش نگاہ ہے۔ غرض وہ کسی موضوع میں بند نہیں۔ ظرف و ماحول کی روشنی میں وہ ایک ہی کتاب کے صفحات میں تمام ضروری اور اہم مسائل کو خوب صورتی کے ساتھ سمیٹ دیتا

ہے اور یہ اس دور کے لوگوں کی ایک بہت بڑی علمی خدمت کی دلیل ہے۔

یہ مخطوطہ جو مختلف مسائل کا مجموعہ اور متنوع امور کا مرقع ہے، برصغیر پاک و ہند کے ثقافتی و تہذیبی اور علمی وفنی سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس بات کا عکاس ہے کہ شاہانِ تغلق کے دور میں ہندوستان میں علمائے دین کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کے دائرے کتنے ہمہ گیر تھے۔ نیز اس سے پتا چلتا ہے کہ خود شاہانِ تغلق علم و ثقافت اور فن و تہذیب کے مختلف میدانوں میں کس درجہ تیز رَو تھے اور ان سے کتنی قلبی وابستگی اور دلی محبت رکھتے تھے۔

(۴)

فتاویٰ تاتارخانیہ

ہندوستان کے نیک دل اور علم و علما سے تعلق رکھنے والے ملوک و امرا کے زمانے میں جو علمی اور فقہی کتابیں ضبط تحریر میں لائی گئیں، ان میں فتاویٰ تاتارخانیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ فتاویٰ تیس جلدوں میں مرتب کیا گیا اور اسلامی دَور کے ہندوستان کا یہ وہ فقہی ذخیرہ ہے، جس کی ضخامت و حجم اور تفصیلاتِ مسائل کے بارے میں مثال نہیں ملتی۔ لیکن افسوس ناک تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے اور مشہور کتب خانے اس سے خالی ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوسکا ہے پوری دنیا کے صرف چھ حسب ذیل کتب خانوں میں یہ کتاب موجود ہے۔

۱۔ احمد آباد (ہندوستان) کے کتب خانہ پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۵ شعبان ۱۱۰۰ھ، وفات ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ) میں اس کا مکمل نسخہ موجود ہے۔ [1] غالباً دنیا بھر کا یہ واحد کتب خانہ ہے، جس میں اوّل تا آخر یہ پورا سیٹ پایا جاتا ہے۔ ورنہ باقی پانچ کتب خانوں میں یہ کتاب ناقص اور نامکمل صورت میں ملتی ہے۔

۲۔ اس کا ایک نسخہ حیدر آباد (دکن) کے کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ یہ نسخہ پہلی سے نویں جلد تک مسلسل نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ [2]

۳۔ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی اس کی کچھ جلدیں موجود ہیں، جن میں سے چوتھی جلد نور محمد نوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو ۸۶۲ھ کی مکتوبہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] تاریخی مقالات۔ از پروفیسر محمد اسلم استاذ شعبہ تاریخ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔ صفحہ: ۸۱۔ مطبوعہ ۱۹۷۰ء۔ (شائع کردہ: ندوۃ المصنفین، سمن آباد، لاہور)

[2] فہرست کتب خانہ آصفیہ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۰۵۳، ۱۰۵۴۔

ہندوستان کی یہ تصنیف نویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں پہنچ چکی تھی۔ ❶

۞ کتب خانہ رام پور میں اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد ۸۵۶ صفحات پر مشتمل ہے جو کتاب الطہارت سے کتاب الوقف تک کے ابواب پر محیط ہے۔ دوسری جلد: ۹۸۲ صفحات کو محتوی ہے۔ اس میں کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں جلدوں کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے۔ ❷

۞ کتب خانہ بانکی پور (پٹنہ) میں اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کا نمبر ۱۷۱۵ ہے جو کتاب الرضاع کے کچھ حصوں پر ختم ہوتی ہے۔ ایک اور جلد تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے۔ اس کے آخری حصے ۹۶۳ھ کے کتابت شدہ ہیں۔ ان میں کتاب الصرف، کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف شامل ہیں۔ پہلی جلد کا ایک اور نسخہ کتاب الحج تک ہے۔ اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۲ھ کی کتابت شدہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ حافظ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت رہ چکا ہے۔ نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر چسپاں ہے۔ ❸

۞ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ترکی میں بھی موجود ہے۔ حاجی خلیفہ نے ''تاتارخانیہ فی الفتاویٰ'' کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ امام ابراہیم بن محمد الحلبی (متوفی ۹۵۶ھ) نے ایک جلد میں اس کی تلخیص کی اور اس سے باقاعدہ حوالۂ کتب کے ساتھ وہ نادر اور کثیر الوقوع مسائل منتخب کیے جو متداول کتابوں میں نہیں ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

ثم ان الامام ابراهيم بن محمد الحلبي المتوفى سنة ست وخمسين

---

❶ فہرست مخطوطات، کتب خانہ خدیویہ، مصر، جلد: ۲، صفحہ: ۸۷۔

❷ فہرست کتب عربی مخطوطات، کتب خانہ رام پور، صفحہ: ۲۲۳۔

❸ فہرست مخطوطات، بانکی پور، جلد: ۱۹، صفحہ: ۱۵، ۱۶۔

وتسع مائة ، لخصه فی مجلد وانتخب منه ماهو غریب او کثیر الوقوع ولیس فی الکتب المتداولة ، والتزم بتصریح اسامی الکتب ، وقال متی طلق الخلاصة فالمراد بها شرح التهذیب ، واما المشهورة فتقید بالفتاوی۔ ❶

برٹش میوزیم کے ایک مجموعے میں منہاج البیان نام کی ایک کتاب کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں۔اس مجموعے کا نمبر ۱۱۹۹ ہے۔ ❷

آغاز:

بانکی پور کلکشن کے مطابق فتاویٰ تاتارخانیہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمدللّٰہ الذی صیر الفقھاء انجمًا للاھتداء ونحمد ربنا علی ما اسبغ علینا من العطاء۔ الخ۔ ❸

مآخذ اور علامات:

نیز مقدمۂ کتاب سے اخذ کرکے فہرست مخطوطات میں فتاویٰ کے مآخذ سے متعلق ۳۷ کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔حاجی خلیفہ نے بھی فتاویٰ کے مآخذ کا ذکر کیا ہے اور جس کتاب کے حوالے کے لیے مصنف نے جو علامت مقرر کی ہے، اس کی بھی وضاحت کی ہے۔ لکھا ہے:

جمع فیه مسائل المحیط البرھانی ، والذخیرة ، والخانیة ، والظھیریة وجعل المیم علامة للمحیط ، وذکر اسم الباقی ، وقدم بابافی ذکر العلم ، ثم رتب علی ابواب الھدایة۔ ❹

یعنی مصنف فتاویٰ نے اس میں المحیط ، البرہانی ، ذخیرہ ، خانیہ اور ظہیریہ کے مسائل جمع کیے ہیں۔المحیط کے لیے میم کی علامت مقرر کی ہے اور باقی کتابوں کے نام لکھے ہیں۔شروع میں

---

❶ کشف الظنون ، جلد اوّل ، کالم: ۲۶۸۔ (مطبع بہیہ ۱۹۴۱ء۔۱۳۴۰ھ)

❷ ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۱۵۷۔

❸ ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ، صفحہ: ۱۵۷۔

❹ فہرست مخطوطات ، بانکی پور ، جلد: ۱۹ ، صفحہ: ۱۵۔

ایک باب علم کے بیان کے بارے میں تحریر کیا ہے اور کتاب، ابوابِ ہدایہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کی ہے۔

کتاب کا نام:

اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ بھی ہے، زاد السفر بھی ہے اور زاد المسافر بھی۔ ایک جگہ حاجی خلیفہ نے ''زادالمسافر فی الفروع'' بھی لکھا ہے:

تاتارخانیہ فی الفتاویٰ لامام الفقیہ عالم بن علاء الحنفی وھو کتاب عظیم فی مجلدات . ❶

''یعنی تاتارخانیہ فتاویٰ کے سلسلے میں ہے جو امام وفقیہ عالم بن علاء حنفی کی تصنیف ہے اور یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔''

اس کے بعد لکھا ہے:

وذکر انہ اشار الی جمعہ الخان الاعظم ، تاتار خان ، ولم یسمہ ولذٰلک اشتھر بہ ، وقیل انہ سماہ زاد المسافر . ❷

''یعنی کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب خانِ اعظم تاتارخاں کے ایما واشارہ سے معرض ترتیب میں لائی گئی۔ کتاب چونکہ کسی نام سے موسوم نہیں کی گئی، لہٰذا تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصنف کتاب نے اس کو زاد المسافر کے نام سے موسوم کیا تھا۔''

حاجی خلیفہ نے زاد المسافر کے ذیل میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، مرقوم ہے:

زاد المسافر فی الفروع۔ وھو المعروف بالفتاویٰ التاتارخانیۃ لعالم بن علاء الحنفی المتوفی سنۃ ۲۸۶ ست وثمانیہ ومائتین انتخبھا ابراھیم بن محمد الحلبی ، ادلہ الحمد للّٰہ ربّ العالمین . ❸

---

❶ کشف الظنون، جلد:۱، کالم: ۲۶۸۔

❷ ایضاً۔

❸ ایضاً، جلد:۳، کالم: ۹۴۷۔

”یعنی زاد المسافر فقہ کے موضوع پر مشتمل ہے اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے معروف ہے۔ عالم بن علا حنفی کی تالیف ہے، جو ۲۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ ❶ ابراہیم بن محمد حلبی نے اس کی تلخیص کی جس کا آغاز الحمدللہ رب العالمین کے الفاظ سے ہوتا ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کتاب کا اصل نام ”فتاویٰ تاتارخانیہ“ نہیں تھا بلکہ مصنف نے اس کا نام ”زاد المسافر“ رکھا تھا۔ پھر مصنف اور تاتارخاں کے درمیان علمی سطح کے تعلقات پیدا ہوگئے جو آہستہ آہستہ دوستانہ مراسم میں بدل گئے۔ ان مراسم کی بنا پر مصنف نے مقدمہ کتاب میں بھی تاتارخاں کا ذکر کیا اور کتاب بھی اس کے نام سے منسوب کر دی۔

مصنف:

سوال یہ ہے: کتاب کا اصل مصنف کون ہے اور اس کا علمی پایہ کیسا ہے؟ مصنف کا نام مولانا عالم بن علاء اندر پتی ہے اور ان کا دائرۂ علم و فضل بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے۔

شیخ، امام، عالم کبیر فرید الدین عالم بن علاء حنفی اندر پتی فقہ، اصول اور عربی ادبیات کے ماہر و باکمال علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۷ھ میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو امیر تاتارخاں کے نام پر فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے موسوم کی۔ (بادشاہ ہند) فیروز شاہ تغلق چاہتا تھا کہ اس کتاب کا انتساب اس کے نام سے کیا جائے۔ لیکن مصنف کتاب مولانا عالم بن علا اور تاتارخاں کے درمیان چونکہ گہرے دوستانہ مراسم تھے، لہٰذا مصنف نے بادشاہ کی یہ درخواست منظور نہ کی۔ ❷

نزہۃ الخواطر میں مصنف فتاویٰ مولانا عالم بن علاء کے سال وفات کے بارے میں بھی وضاحت کی گئی ہے اور لکھا ہے:

”وانت تعلم ان ما ذکرنا من سنة وفاته، لعله التبس علیه عدد

---

❶ حاجی خلیفہ سے عالم بن علاء کا سن وفات ۲۸۶ھ غلط درج ہوگیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سن وفات ۷۸۶ھ ہے، مخطوطہ چونکہ نقل در نقل ہوتا رہا، اس لیے ممکن ہے صاحب کشف الظنون کی نظر میں جو نسخہ آیا، اس میں یہی سن وفات مرقوم ہو یا مصنف موصوف کو لفظی تساہل ہوگیا ہو۔

❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۲، صفحہ: ۶۷۔

السبع بالاثنين لانهما متقاربان فی الشکل ، فالمظنون انه توفی سنة ست و ثمانين وسبع مائة۔" ❶

"یعنی مصنف کے سالِ وفات کے بارے میں (حاجی خلیفہ کو) سبع (سات) اور اثنین (دو) کے عدد میں التباس پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ یہ دونوں عدد شکل وصورت میں باہم ملتے جلتے سے ہیں۔ ورنہ ظن غالب یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی۔"

امیر تاتار خاں:

اب سوال یہ ہے کہ امیر تاتار خاں کون تھا؟ یہ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں کس طرح پہنچا اور اس کا علمی دنیا میں کیا مقام ہے؟ تاریخ فیروز شاہی میں سراج عفیف نے "خان اعظم تاتار خاں" کے عنوان سے اس کا تفصیلی تعارف کرایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"نقل ہے کہ خانِ اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ صاحب سیف وقلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر بہ اعتبارِ نسل ترک تھا۔

"معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں خراسان کے ایک صاحب جاہ وحشم فرماں روا نے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت وتاراج کیا۔ یہ (حملہ آور) بادشاہ اپنی ایک زوجہ پر جو بے حد صاحب حسن و جمال تھی اس درجہ شیدا تھا کہ اس کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کرسکتا تھا۔ اس مہم میں یہ زوجہ بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان و دیپال پور میں قدم رکھتے ہی اس بیگم کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتل عام شروع کردیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی اور ہر شخص نے راہِ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گہوارے میں چھوڑ دیا۔

"سلطان تغلق کا لشکر، مالِ غنیمت کو ہر جانب تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر اس گہوارے پر پڑی۔ گہوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا۔ بادشاہ نے اس خوش نصیب بچے کی باپ کی طرح پرورش شروع کی۔

"سلطان تغلق نے اس فرزند کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا جو اس عہد میں خُرد سال

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۶۸۔

تھا۔ یہ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں جوان ہو کر مشہورِ زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری و زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہد حکومت میں لشکر کشی و فتوحاتِ ملکی میں نادرِ روزگار خیال کیا جانے لگا، اس شخص نے اپنے زورِ بازو سے کئی ممالک فتح کیے۔

"معتبر روایت ہے کہ ایک وقت سلطان محمد، تاتار ملک سے ناراض ہوا اور اس نے اس امیر کو برے الفاظ سے یاد کیا اور تاتار ملک کو اپنے سے جدا کر کے دور روانہ کر دیا۔ تاتار ملک نے چند اشعار نظم کر کے بادشاہ کے حضور روانہ کیے۔ سلطان محمد نے یہ اشعار دیکھ کر ان کی بے حد تعریف کی اور تاتار ملک کو اپنے حضور میں طلب کر کے اس پر انتہائی نوازش فرمائی۔

"فیروز شاہی عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا خطاب عطا ہوا اور چتر قطیفہ کے عطیہ سے سرفراز فرمایا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زریں کے زریں طاس رکھا گیا جو محض سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔

"فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار کرتا اور بادشاہ کے دائیں جانب جو وزراء کے لیے مخصوص ہے، تاتار خاں کو جگہ عطا ہوئی اور بادشاہ کے بائیں جانب خاں جہان مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہان مقبول وزیر تھا، لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت ہوئی۔ تاتار خاں کی رحلت کے بعد یہ جگہ خاں جہاں مقبول کو عطا ہوئی۔

"فیروز شاہ کو تاتار خاں پر کلی اعتماد تھا اور بادشاہ امورِ ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہماتِ ملکی کا فیصلہ کرتا اور ان کی بابت احکام جاری کرتا تھا۔ خان مذکور بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور اس کی فطرت بے حد عمدہ و سلیم واقع ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امیر کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔

"تاتار خاں نے توفیق الٰہی سے ملک حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد ہندوستان واپس آیا۔ اس امیر کی صحبت میں ہمیشہ علما و فضلا کا مجمع رہتا اور تاتار خاں اس مقدس گروہ کی عزت کرتا۔ تفسیر تاتار خانی جو بہترین و مشہورِ زمانہ تفسیر ہے، اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔

"معتبر راویوں کا بیان ہے کہ تاتار خاں نے ارادہ کیا کہ ایک مفصل تفسیر ترتیب دے۔ اس

امیر نے تمام تفاسیر جمع کیں اور علما کی ایک جماعت کو جمع کر کے تمام ائمہ تفاسیر لے اختلافات نقل کر کے ہر ایک آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ تاتار خاں نے اس تفسیر کے جمع کرنے میں دل و جان سے کوشش کی اور ہر اختلاف کا حوالہ دے کر صاحب تفسیر کے نام کی تصریح کی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام تفاسیر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ تفسیر مرتب ہوئی اور تاتار خاں نے اس کو تفسیر تاتار خانی کے نام سے موسوم کیا۔

''اسی طرح خان اعظم نے ایک مجموعہ فتاویٰ بھی مرتب کیا، جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتب فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک نسخہ ترتیب دیا جس میں ہر مسئلہ و ہر کلمہ میں مفتیان شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔

''تاتار خاں علم شریعت میں مرتبۂ عالی رکھتا تھا اور شریعت کے اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔

''تاتار خاں نے شوقِ طلب میں نردبان عشق میں قدم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ابوابِ عشق اس کے قلب پر وا کر دیے۔

''مختصر یہ کہ خانِ اعظم، خانانِ معظم، عالم دین، حاجی و نمازی تاتار خاں احکامِ شریعت کا بے حد پابند تھا۔ یہ امیر قوانین شریعت سے سرمو تجاوز نہ کرتا تھا اور سفر و حضر ہر حالت میں شریعت پر کاربند رہتا تھا۔ خانِ اعظم لشکر کشی کے لیے روانہ ہوتا تو کنیزانِ حرم کے ہمراہ لے جانے میں دیگر امرا کی تقلید نہ کرتا۔ دیگر ملوک و خانان کا دستور تھا کہ اپنی کنیزوں کو اپنے برابر رکھتے تھے، جو سفر میں ان کے ہم عنان چلتی تھیں، لیکن تاتار خاں نے اپنے حرم کو کبھی گھوڑے پر سوار نہیں کیا بلکہ ایک گاڑی تیار کرائی اور اسی میں کنیزوں کو سوار کیا۔ اس گاڑی کو ہندی میں بھر کر یا بھرکیہ کہتے ہیں۔ تاتار خاں نے پردے کے خیال سے ان گاڑیوں کو تخت پوش کر دیا تھا اور ان کو حجرہ کے مانند بنا کر مقفل کر دیا تھا تاکہ نامحرم کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ کس درجہ احتیاط تھی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

''غرض اس امیر کے تمام افعال پسندیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبی سے آراستہ فرمایا تھا۔ تاتارخاں نے جلوسِ فیروز شاہی کے چند سال بعد وفات پائی۔'' ❶

نزہتہ الخواطر میں سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی نے بھی تاتارخاں کا ذکر کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''امیر کبیر خانِ اعظم تاتارخاں دہلوی ان معروف لوگوں میں سے تھا جو فضل و صلاح اور ریاست و سیاست میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک جنگ میں گرا ہوا پایا اور اس کو اُٹھالیا۔ سلطان نے امارت و سیاست کی گود میں اس کی پرورش کی اور اسے اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنالیا اور اسے مناصب جلیلہ پر فائز کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ارکانِ سلطنت میں سے ایک اہم رکن گردانا گیا۔ فاضل و عادل، شجاع و بہادر، سخی، بہترین اخلاق کا مالک، شریعت مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک و امرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا۔ اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا۔ ایک مرتبہ مے نوشی کے بارے میں اس نے فیروز شاہ کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصار فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے ہاں سے بالکل الگ کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

دہ ندانم از کجا رنجیدۂ	بے سبب از دوستاں ببریدۂ
بانگ نے خوش می زند جانان من	نالۂ بے چارگاں نشنیدۂ
در تو بارے ہرگز ایں عادت نبود	از طریق خود مگر گردیدۂ
گو گنا ہے کردہ مارا بخش	زانکہ تو چندیں گنہ بخشیدۂ
از تتارِ خستہ باللہ العظیم	نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ

محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا اور اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کر دیا

---

❶ تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ)، صفحہ: ۲۶۳ تا ۲۶۷ (شائع کردہ نفیس اکیڈیمی، کراچی)

اور اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی۔ مگر وہ اس کے باوجود حرمین شریفین چلا گیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔

اس نے تفسیر قرآن کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا اور اس کے حکم سے عالم بن علاء دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا۔ [1]

فتاویٰ تاتارخانیہ کے بارے میں ایک سوال سطحِ ذہن پر یہ اُبھرتا ہے کہ کیا فی الواقع اس کی تکمیل کے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس کے مصنف مولانا عالم بن علاء اندرپتی سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ یہ فتاویٰ تاتارخاں کے نام سے منسوب نہ کیا جائے بلکہ خود اس کے یعنی فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کیا جائے؟ اور پھر مصنف نے اس کو فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کرنے سے انکار کر دیا اور تاتارخاں کے نام منسوب کرنے پر اصرار کیا؟

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس دور میں ملوک و سلاطین کی خواہش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا۔ اس درجہ صاحب عظمت و جبروت بادشاہ کی بات نہ ماننا اور اس کے مقابلے میں ایک ماتحت وزیر کی دوستی کو ترجیح دینا دورِ ملوکیت میں بظاہر ایک عام انسان کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں اور پھر بادشاہ بھی وہ جو صاحب فراست بھی ہو اور علماء سے انتہائی تعلق خاطر بھی رکھتا ہو۔ لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو کہنا چاہیے کہ مولانا عالم بن علا بہت ہی دل گردے کے مالک تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر علیٰ وجہ البصیرت بادشاہ کے علم پر ایک وزیر کے علم و فضل اور دوستی کو ترجیح دی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ علمائے حق کا ہمیشہ یہی کردار رہا ہے۔ وہ وہی فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے علم کی رُو سے صحیح اور ان کے قلب و ضمیر کے لیے باعث اطمینان ہو۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امیر تاتارخاں نے تین عظیم شاہانِ ہند کا زمانہ پایا اور ان کے ساتھ تعلقات استوار کیے۔ وہ تھے: سلطان غیاث الدین تغلق، اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ تغلق اور بھتیجا سلطان فیروز شاہ تغلق۔

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق بڑے رعب اور دبدبے کا مالک تھا اور ساتھ ہی عبادت گزار، نماز باجماعت کا پابند اور عابد و زاہد تھا۔ اُس کے زمانے کے علما و فقہا،

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۲، صفحہ: ۱۸، ۱۹۔

عباد و زہا اور مشائخ و اولیا میں سے شیخ علاؤ الدین اجودھنی، بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر، شیخ نظام الدین اولیا، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا فخر الدین رازی، شیخ زادہ حسام الدین، مولانا علم الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ وہ انتہائی عقیدت رکھتا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

تاتار خاں، سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد، اس کے لڑکے سلطان محمد شاہ تغلق سے منسلک ہوا۔ اس بادشاہ کے متعلق کئی قسم کی روایات مشہور ہیں۔ بہر حال اس کے دورِ حکومت کے، جن علما و فقہا کے نام مؤرخین نے ذکر کیے ہیں، ان میں مولانا ضیاء الدین بخشی، مولانا معین الدین عمرانی، شیخ ابوبکر بن خلال، شیخ عبدالعزیز اردبیلی، شیخ عثمان بن داؤد ملتانی، مولانا عفیف الدین کاشانی، مولانا عماد الدین غوری، قاضی فصیح الدین ہردی شامل ہیں۔

تیسرا سلطان ہند، جس سے ملک تاتار خاں کو شرف انسلاک حاصل ہوا، فیروز شاہ تغلق تھا۔ اس کے عہد سلطنت کے علما و فقہا کا تذکرہ گزشتہ سطور میں آ چکا ہے۔ ان میں بعض علمائے کرام، اولیائے عظام اور فقہائے عالی مقام وہ ہیں جنھوں نے ان تینوں بادشاہوں کا زمانہ پایا۔ آخر میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانیہ چونکہ ہمارے سامنے نہیں ہے اور ہماری دست رس سے باہر ہے، اس لیے افسوس ہے ہم اس کے مضامین و مندرجات کے اقتباسات اپنے قابل احترام قارئین کے مطالعہ میں نہیں لا سکے۔

(۵)

فتاویٰ حمادیہ

گجرات (کاٹھیاواڑ) کا ایک تاریخی فقہی مخطوطہ

فتاویٰ حمادیہ عربی زبان میں ایک فقہی مخطوطہ ہے جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے۔
یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی کلکشن میں موجود ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اس کا نمبر: ۳۹۰۹ ہے۔ سطور ۱۲ سے ۲۳ تک ہیں اور سائز ۲۶٫۵ + ۱۶٫۵ ہے۔ اوراق: ۴۳۰ ہیں۔ مخطوطے کے اکثر حصے اچھی حالت میں ہیں اور آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ آخر کے بعض مقامات خاصے کرم خوردہ ہیں۔ ابتدا میں غلام علی رضوی کے نام کی مہر ہے۔

فہرست مضامین:

مخطوطے کے ابتدا میں اس کے مندرجات و مضامین کی فہرست دی گئی ہے، جو یہ ہے:

كتاب الطهارة، كتاب الصلوٰة، كتاب الزكوٰة، كتاب الصوم، كتاب الحج، كتاب النكاح، كتاب الطلاق، كتاب العتاق، كتاب الايمان، كتاب الحدود والسرقة، كتاب السير، كتاب اللقيط واللقطة، كتاب الاباق، كتاب المفقود، كتاب الشركة، كتاب الوقف، كتاب البيوع، كتاب الكفالة، كتاب الحواله، كتاب الدعوى، كتاب الاقرار، كتاب الصلح، كتاب المضاربة، كتاب الوديعة، كتاب العارية، كتاب الهبة، كتاب الاجارة، كتاب الاكراه، كتاب الحجر، كتاب الغصب، كتاب الشفعة، كتاب القسمة، كتاب المزارعة، كتاب الصيد والذبائح، كتاب

الاضحية، كتاب الاستحسان، كتاب احياء الموات والسرب، كتاب الوهن، كتاب الجنايات كتاب الوصايا، كتاب الفرائض۔

مقدمہ کتاب:

مخطوطہ کے آغاز میں مصنف کی طرف سے ایک طویل مقدمہ ہے، جس میں اس کی وجہ تالیف بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی تالیف میں کن کن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ مخطوطہ کس کی طرف منسوب ہے۔ مقدمہ کے الفاظ یہ ہیں:

وبه نستعين، رب يسرو تمم بالخير

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الذى نور قلوب الموحدين بنور التوحيد والايمان، وشرح صدور العلماء بقبول الاسلام والاحسان واحى فداد العارفين باعطاء المعرفة والايقان وخص من بينهم المجتهدين بزيادة اصابة الحق والاتقان ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له الذى انزل الاحكام وشرع الشرائع وبين الحلال والحرام (و) احل الحلال ان يكتبوه، وحرم الحرام ان يجتنبوه علم، واعلم حكم واحكم، وعد واوعد، افتى وادجد من اتباع احسن مافى السنن والكتاب، ومدح لهم بقوله اولئك الذين هدهم الله واولئك هم اولوا الالباب، شهادة هى مصباح مشارق خلاصة الاعتقاد كلمة هى مفتاح اعراض تتمة الارشاد ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى بلغ فى تقرير تهذيب المرا[illegible] (و) غاية الاستغناء، وبلغ فى مابلغ استقصاء ايضاح سنن [illegible] الايماء، صلى الله عليه واله وبارك وسلم، ما اضيف اصلاح منطق المبتلى الى الفتوى وافيض منتقى زلال حكم الصغرى والكبرى وسلم تسليما كثيرا۔

اما بعد! فقد قال العبد الراجي الی رحمة اللّٰه الرب الباری ابوالفتح رکن بن حسام المفتی الناکوری اصلحه اللّٰه شانهٗ واعطی بکرمه برهانه. ❶

"سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے موحدین کے قلوب کو توحید اور ایمان کے نور سے منور کیا۔ علما کے سینوں کو اسلام اور احسان کی قبولیت کے لیے کھول دیا۔ عارفوں کے دلوں کو معرفت و ایقان کی دولت سے زندگی بخشی۔ اور ان میں سے مجتہدین کو اصابت فکر و رائے کے ساتھ حق و اتقان کی منزل تک پہنچنے کی خصوصیت عطا کی۔

ہم شہادت دیتے ہیں کہ بجز اس اللہ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی لائق عبادت نہیں۔ جس نے احکام نازل فرمائے، شرائع مقرر کیے، حلال اور حرام کے حدود کی وضاحت کی، حلال کے استعمال کو حلال ٹھہرایا تا کہ لوگ اس کو (عمل کرنے کے لیے) ضبط تحریر میں لائیں اور حرام کو حرام قرار دیا کہ اس سے دامن کشاں رہیں۔ وہ اللہ جو خود بھی علیم ہے اور جس نے لوگوں کو بھی علم سکھایا۔ خود بھی حکیم ہے اور لوگوں کے ذہن و فکر کو بھی استواری بخشی۔ اس نے (نیک اعمال کی جزا کا) وعدہ کیا، اور (برے اعمال پر) وعید سنائی اور جن خوش بخت لوگوں نے کتاب و سنت کی بہترین طریق سے اتباع کی، ان کی ﴿اولئك الذين هدهم اللّٰه واولئك هم اولوا الالباب﴾ ...... "یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقل مند لوگ ہیں" کے الفاظ میں تعریف کی۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنھوں نے مواعظ و نصائح کے باب میں عمدہ تریں انداز اختیار کیا۔ آپ استغنا اور دنیا سے بے نیازی کے معاملے میں نہایت اونچے درجے پر پہنچے۔ اور سنن و فرائض کو اس طرح واضح فرمایا کہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے فتویٰ کی راہیں صاف ہوگئیں اور کسی چھوٹے یا بڑے حکم شرعی میں لغزش کے مواقع باقی نہ رہے۔ اللھم صل علیہ وسلم کثیرا کثیرا۔

---

❶ اس سے آگے مقدمے کی عربی عبارت حذف کردی گئی ہے اور اس کا اُردو ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

"اما بعد! بندہ اُمید وار رحمت پروردگار ابوالفتح رکن بن حسام مفتی ناگوری (اللہ اس کی حالت درست فرمائے اور اسے اپنے کرم و برہان کی نعمت سے سرفراز کرے) کہتا ہے کہ جب میں شہر نہروالا میں آیا (اللہ اس شہر کو تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے) تو وہاں کے ارکان دولت، اعیان حکومت اور دیگر لوگوں میں ایک شخص کو سب سے بڑھ کر عالم، فاضل، مجتہد اور حق و باطل کے درمیان حد فاصل پایا۔ وہ شخص لوگوں کے عادات و اطوار سے آگاہ ہے اور شریعت کو اساس اور بنیاد ٹھہرا کر فیصلے کرتا ہے۔ وہ چونکہ انتہائی سمجھ دار اور بدرجہ غایت معاملہ فہم ہے، اس لیے کوئی شخص اس کے سامنے خلاف واقع بات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور وہ ذہنی پاکیزگی، معرفت و شعور، تجربہ اور مہارت کے اعتبار سے اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کے حضور نہ کوئی جھوٹی شہادت دے سکتا ہے اور نہ غلط بیانی کرسکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ۳۵ سال سے تنفیذ احکام اور محکمۂ قضا پر متمکن ہے اور اس نے دعاوی اور مقدمات کے وہ فیصلے کیے ہیں جو جمہور فقہا کے اقوال اور ان کے فتاویٰ سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

"معلوم ہے وہ کون شخص ہے۔ وہ اعظم و معظم، اکرم و مکرم، صدر صدور العالم، اہل اسلام میں سے افضل ترین، اشرف بنی آدم، قاضی القضاۃ حماد جمال الدین احمد ہے۔ ان کے والد امام، عالم، فاضل، استاذ الثقلین، بحر المعانی، نعمان الثانی، جامع الفروع والاصول، ناقل المعقول والمنقول اور قاضی القضاۃ، مرحوم و مغفور اکرم ہیں، اللہ انھیں نعمائے جنت سے سرفراز کرے اور زمانے کی آفات و آلام سے مامون و ماصون رکھے۔

"انھوں (قاضی حماد بن اکرم) نے میرے اور میرے لڑکے کے جو ایک عالم شخص ہیں اور جن کا نام مولانا داؤد ہے، (اللہ انھیں دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائے) یہ خدمت سپرد کی کہ ہم مختلف فتوے جمع کریں اور ایسی صحیح اور بہترین روایات اکٹھی کریں جن کی بنیاد پر فقہا نے فتوے جاری کیے ہوں اور جو قضا کے باب میں قابل اعتماد ہوں۔

"چنانچہ میں نے اور میرے اس بیٹے نے، ایسی روایات کی تلاش شروع کی جو معتمد علیہ ہوں اور عقل و درایت کی میزان پر پوری اُترتی ہوں۔ وہ (قاضی حماد بن اکرم) اللہ کے فضل و

کرم سے اس ضمن میں اسی چیز کو پسند کرتے اور محبوب گردانتے تھے، جس پر جمہور فقہا کا اجماع ہو۔ انھوں نے (اس کتاب کی تکمیل کے لیے) ہمارے پاس بہت سا مواد (علمی) جمع کر دیا، جن میں الواقعات بھی شامل ہے۔ لیکن یہ سب مواد (فقہ کی) مختلف و متفرق روایات و اقوال پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس پورے سلسلے کو یک جا کیا تا کہ اس پر اعتماد اور رسائی کا معاملہ سہل ہو جائے اور اس انداز سے مرتب کیا کہ علم و اطلاع میں آسانی ہو۔ ہم نے ہر بات کو اس کے اصل مقام اور ہر فصل کو اس کی اصلی حالت پر رکھا۔ بعض ابواب میں ہم نے روایات کا تکرار بھی کیا، تا کہ ہر باب سے موافقت و مناسبت کی صورت پیدا ہو جائے اور یہ تکرار مؤلفین کی عادت اور مصنّفین اساتذہ کی فطرت و اسلوب کے عین مطابق ہے۔ اس سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ طالب، ہر جگہ اپنے مطلب و مقصد کی بات پالے اور مسئلے کی تلاش و جستجو میں اسے کوئی دِقت پیش نہ آئے۔ (اس کتاب کی ترتیب میں) ہم نے جن کتابوں سے استخراج کیا اور مسائل مستنبط کیے ان میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

(اس کے بعد ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے مصنف شہیر نے اس فتاویٰ کی تالیف و ترتیب میں مدد لی۔ یہ دو سو سولہ کتابیں ہیں۔) جن میں ہدایہ، الکافی، الخوارزمی، شرح مجمع البحرین، شرح الوقایہ، تحفہ الفقہاء، شرح طحاوی، النسفی، الخلاصہ، المحیط، فتاویٰ الناطقی، المبسوط، الذخیرہ، الواقعات للحسامی، فتاویٰ تاتارخانی، کشف الغوامض، جواہر الفتاویٰ، فتاویٰ البرہانی، جامع الفتاویٰ، کشف المکتوم، فتاویٰ سمرقندی، فتاویٰ قراخانی، فتاویٰ النوازلی، فتاویٰ ولوالجی، خزانۃ الفقہ، فتاویٰ الصیرفی، تفسیر فخر الدین رازی، دستور القضاۃ، زاد الفقہاء، مشکوٰۃ المصابیح، معالم التنزیل، تفسیر الکشاف، الحاشیۃ البزدوی، فتاویٰ الابانہ، تفسیر شیخ شہاب الدین السہروردی وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب (فتاویٰ حمادیہ) فقہ احناف سے متعلق مسائل پر محیط ہے، تاہم اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو فقہ امام شافعی پر مشتمل ہیں۔

ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ مقدمے کے آخر میں فرماتے ہیں:

فلما فرغنا عن جمع هذه المسائل الشريفة، سميناها بكتاب الحمادي لتكون محمودة، مقبولة، مشهورة، معمولة، فان

الاعتصام بذيل الكرام يورث المقاصد والمرام، جعلنا الله وإياكم من الذين رضی بفضله عنهم وصلى الله على خير خلقه محمد وآله اجمعين.

"یعنی جب ہم ان تمام مسائل کی جمع وترتیب سے فارغ ہوئے تو اس کا نام "کتاب الحمادی" رکھا تا کہ یہ اچھے لوگوں میں مقبول ومشہور اور قابل عمل قرار پا جائے۔ اس سے اعتصام وتعلق انسان کو بنیادی مقاصد کا حامل بنادے گا (دُعا ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو اور ان سب لوگوں کو جن سے وہ اپنے فضل وکرم سے راضی ہوا، اس زمرے میں شامل کرے۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔"

مخطوطہ مختلف لائبریریوں میں:

فتاویٰ حمادیہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے علاوہ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہے۔ مثلاً انڈیا آفس لائبریری لندن، مانچسٹر لائبریری، رام پور لائبریری، بانکی پور (پٹنہ) لائبریری، کتب خانہ خدیویہ (مصر) اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد (دکن) وغیرہ میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ ذیل میں ان نسخوں کا تعارف ملاحظہ فرمائیے۔

انڈیا آفس لائبریری کے نسخے:

لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں اس مخطوطے کے تین نسخے ہیں، جن کے نمبر علی الترتیب ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، اور ۱۶۹۱ ہیں۔ پہلا نسخہ خطِ نسخ میں ہے، جو اُٹھارھویں صدی میں دہلی میں لکھا گیا۔ اس کے مختلف مقامات پر حواشی بھی ہیں۔ دوسرے نسخے کا سال کتابت ۱۸۲۲ء ہے۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور دہلی کا کتابت شدہ ہے۔ اس کے بعض مقامات پر حواشی ہیں اور کچھ صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا نسخہ ۱۶۹۰ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ بھی خط نستعلیق میں ہے اور اس کے بھی چند مقامات پر حواشی ہیں، جو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت سے فقہی نکات پر مشتمل ہیں۔

نسخہ اوّل کے ذکر میں اس کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب ابوالفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری کی نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے بیٹے

داؤد کی مدد سے مکمل کی۔ اس کی تالیف کے محرک قاضی حماد الدین احمد تھے، جو گجرات کے شہر نہروالا میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ کتاب کے مقدمے میں ان بہت سی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی مدد سے یہ کتاب تالیف کی گئی۔ اس کے شروع میں کتاب الطہارت اور آخر میں کتاب الفرائض ہے۔ ❶

کتب خانہ خدیویہ مصر:

مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں اس کے دو نسخے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہے:

یہ کتاب الشیخ ابوالفتح رکن بن حسام الناگوری کی تالیف ہے۔ اس کے آغاز میں شیخ موصوف کہتے ہیں: قاضی جمال الملۃ والدین احمد بن قاضی اکرم نے مجھے اور میرے بیٹے علامہ داؤد کو عدالتی فتویٰ نویسی (الافتاء فی القضاء) کی خدمت سرانجام دینے پر مامور کیا۔ اس کے لیے ہم نے معتمد علیہ کتابوں کی ورق گردانی کی اور ان سے وہ مسائل جمع کیے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ خط نسخ میں ہے اور اس کا کاتب ابراہیم بن محمد ازنوطی ہے۔ اس نے اس کی کتابت جمعرات کے روز ۳ ربیع الاوّل ۱۲۷۲ھ کو مکمل کی۔ ❷

یہ کتاب ۱۲۴۱ھ میں ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔ ❸

کیٹلاگ آف مانچسٹر لائبریری:

مانچسٹر لائبریری کے کیٹلاگ میں جو عربی سے متعلق ہے اور جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر ہے، اس مخطوطے کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

الفتاویٰ الحمادیہ، فقہی مسائل کا مجموعہ ہے اور ابوالفتح رکن بن حسام الناگوری کی تالیف ہے، جو انھوں نے قاضی القضاۃ حماد جمال الدین احمد بن القاضی نعمان ❹ (متوفی اواخر سولھویں صدی

---

❶ کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری، جلد: ۲، جز: ۳، فقہ، صفحہ: ۲۷۲، ۲۷۳۔

❷ فہرست کتب خانہ خدیویہ، مصر، جلد: ۳، صفحہ: ۸۸۔

❸ ایضاً۔ اس کا مطبوعہ نسخہ ناپید ہے اور اب اس کی حیثیت مخطوطے کی سی ہے۔

❹ مقدمہ کتاب سے ظاہر ہے کہ قاضی حماد کے والد کا نام قاضی اکرم ہے۔ مصنف نے اس کے فقہی مرتبے کے اعتبار سے اسے ''نعمان ثانی'' لکھا ہے اس سے کیٹلاگ کے مرتب کو شبہ ہوا کہ اس کا نام ہی نعمان ہے، اور اس نے یہی لکھ دیا۔

عیسوی) کے حکم سے اپنے بیٹے مولانا داؤد کی معیت میں تالیف کیا۔ حماد کے حالات کا سوائے اس کے کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ ایک قاضی تھے۔ یہ کتاب چوں کہ ان کے حکم سے معرضِ تصنیف میں لائی گئی، اس لیے انہی کے نام سے منسوب کی گئی اور اس کا نام ''فتاویٰ حمادیہ'' رکھا گیا۔ یہ کتاب اگرچہ (اس دور کی) جدید تالیف ہے، مگر ایک مستند حیثیت کی حامل ہے۔ ہوز کی ڈکشنری آف اسلام کے صفحہ: ۲۹۰ پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ ❶ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمدللّٰہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان...... اما بعد! فقال العبد الراجی رحمہ اللّٰہ الرب الباری ابوالفتح رکن بن حسام الناکوری ...... الی لما شرفت فی بلدۃ نہروالہ، صانہا اللّٰہ عن الہالۃ بشرف مجلس من اسعد اہل زمانہ ...... اعنی قاضی القضاۃ القاضی حماد جمال الملۃ والدین احمد بن الامام العامل ...... نعمان ...... وفرض الی والی ابنی العالم المسمی مولانا داؤد ...... فلما فرغنا عن جمیع ہذہ المسائل الشریفۃ سمیناہا بکتاب الفتاویٰ الحمادی.

اس کا کاتب اس کی کتابت سے بدھ کے روز بعد از اشراق ۲۵ صفر ۱۱۲۹ھ (۱۷۱۶ء) کو فارغ ہوا۔ اور اس نے اپنا نام اس طرح لکھا:

" احقر العباد جعفر بن مرحوم، قاضی غلاز یول "

اس مخطوطے کے شروع اور آخر میں ایک مہر ہے، جس میں ''۱۷۸۹ء، ۱۲۰۴ھ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد'' اور ''احمد بن محمد درویش'' کے الفاظ کندہ ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان کے بہترین خط نسخ میں لکھی ہوئی ہے۔ الفاظ صاف اور نمایاں ہیں اور نہایت آسانی سے پڑھے جاتے ہیں۔ ❷

---

❶ ہوز نے اسے جدید ترتیب شدہ اور مستند کتاب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ڈکشنری آف اسلام (ہوز)، صفحہ: ۲۹۰۔

❷ کیٹلاگ مانچسٹر لائبریری حصہ عربی، فقہ، کالم نمبر: ۳۲۴، ۳۲۶، کتاب نمبر: ۲۰۴۔

بانکی پور (پٹنہ) کی لائبریری:

یہ کتاب بانکی پور (پٹنہ) کی لائبریری میں بھی موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۷۲۳ ہے۔ بانکی پور لائبریری کے کیٹلاگ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

یہ فقہ کے موضوع سے متعلق ایک مشہور کتاب ہے، جس میں دو سو سے زائد مستند کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے نام مقدمے میں دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی ہدایت پر مرتب کی گئی۔

اس کے مؤلف ابوالفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری مقدمۂ کتاب میں لکھتے ہیں کہ ان کا بیٹا اس کتاب کی ترتیب میں ان کا معاون اور شریک رہا۔ یہ کام حماد کے حکم سے تکمیل پذیر ہوا۔ تاریخ ورجال کی کتابیں مؤلف کے حالات کے بارے میں خاموش ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مؤلف جن کتابوں کے حوالے دیتا ہے وہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں ہجری کے نصف اوّل تک کی تصنیفات ہیں۔ نویں صدی ہجری کی کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ یہ چیز اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اس کتاب کا مصنف یا تو آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یا نویں صدی ہجری کے شروع تک زندہ تھا۔ خزانۃ الروایات کا مصنف جو ۹۲۰ھ میں فوت ہوا، اپنی کتاب میں فتاویٰ حمادیہ کے حوالے دیتا ہے۔

یہ کتاب کلکتہ میں ۱۲۴۱ھ میں چھپ چکی ہے۔

بانکی پور کا مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ غالبًا بارھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔ [1]

رام پور لائبریری:

فتاویٰ حمادیہ کے رام پور لائبریری میں دو نسخے ہیں۔ اس کی فہرست کتب میں بتایا گیا ہے کہ اس کے مصنف کا نام مفتی رکن الدین ابوالفتح بن حسام الدین ناگوری ہے۔ ایک نسخے کا نمبر ۳۶۲ ہے، جو خط نسخ میں ہے اور کتاب الطہارت سے کتاب الوصایا تک ہے۔ یہ نسخہ ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا نسخہ خط نستعلیق میں ہے اور کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک

---

[1] کیٹلاگ آف بانکی پور لائبریری، جلد: ۱۹، صفحہ: ۲۰۔

ہے۔اس کے صفحات ۱۰۷ ہیں اور نمبر ۳۶۳ ہے۔ ❶

کتب خانہ آصفیہ:

حیدر آباد دکن کے کتب خانہ آصفیہ میں بھی فتاویٰ حمادیہ موجود ہے اور وہاں کی قلمی کتابوں کی فہرست میں اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

فتاویٰ حمادیہ ابوالفتح رکن الدین ابن حسام الدین مفتی ناگوری کی تصنیف ہے اور فقہ امام اعظمؒ کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے۔کتاب کا آغاز: الحمدلله الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان ......الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔کتب خانہ آصفیہ میں اس کے چار نسخے ہیں، جن کے نمبر علی الترتیب ۱۸، ۱۹، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہیں۔نسخہ نمبر ۱۸ بہت عمدہ خط نسخ میں ہے۔سن تحریر اور نام کاتب مرقوم نہیں۔البتہ ابتدائے کتاب میں اس کا سال خریداری ۱۲۵۹ھ لکھا ہے۔یہ نسخہ غالباً تیرھویں صدی ہجری کے شروع کا مکتوبہ ہے۔کل ورق ۳۱۴ اور ہر صفحے کی ۲۳ سطور ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۹ آدھا خط نسخ میں ہے اور آدھا خط نستعلیق میں۔مگر بظاہر ایک ہی شخص کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔یہ نسخہ ۱۰۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔کاتب کا نام مرقوم نہیں۔کل اوراق ۱۵۷ ہیں اور سطور فی صفحہ: ۲۷۔

نسخہ نمبر: ۱۰۵ خط نستعلیق میں ہے۔نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔جملہ اوراق ۲۴۴ ہیں اور سطور فی صفحہ: ۲۵۔

نسخہ: ۱۰۶ بھی خط نستعلیق میں ہے۔نام کاتب و سال تحریر نہیں۔البتہ ''قاضی معین الدین'' کے نام کی مہر کتاب کے وسط اور آخر میں ثبت ہے۔ورق اوّل پر سال خرید ۱۲۰۷ھ مرقوم ہے۔بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط کا کتابت شدہ ہے۔اس کے اوراق ۴۰۰ اور سطور فی صفحہ: ۱۷ ہیں۔یہ کتاب ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔ ❷

فتاویٰ حمادیہ کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''الفتاویٰ الحمادیہ'' ناگور

---

❶ فہرست کتب عربی، کتب خانہ رام پور، صفحہ: ۱۳۳۲، مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء۔

❷ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ (حصہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن)، صفحہ: ۱۳۳، ۱۳۴۔

کے مفتی ابوالفتح رکن بن حسام الدین نے اپنے صاحب زادے کی مدد سے اس زمانے میں مرتب کیا، جب کہ وہ نہروالا (گجرات) میں مقیم تھے۔ یہ قاضی حماد الدین بن قاضی اکرم کا دور تھا۔ یہ کتاب انہی کی فرمائش پر لکھی گئی اور انہی کے نام سے منسوب کی گئی۔ اس کے علاوہ مصنف اور سرپرست کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

اس کتاب میں جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کے آخر یا نویں صدی ہجری کے شروع میں معرضِ تصنیف میں لائی گئی۔ مصنف نے ان کتابوں کی بہت تفصیلی فہرست دی ہے، جن سے اس نے کتاب مرتب کرنے میں مدد لی ہے۔ کتاب قابل اعتماد ہے اور فتاویٰ عالم گیری میں اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب وہی ہے جو اس نوعیت کی دوسری کتابوں کی ہے۔ [1]

فتاویٰ کا مصنف:

فتاویٰ حمادیہ نویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔ افسوس ہے اس کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری، ان کے بیٹے اور معاون، مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری، قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی (جن کی طرف یہ فتاویٰ منسوب ہے) اور ان کے والد قاضی محمد اکرم گجراتی کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکے کہ یہ نویں صدی ہجری کے اعیان وعلما سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا شمار ہندوستان کے طبقہ تاسعہ کے علما وفقہا میں ہوتا ہے۔ نزہۃ الخواطر میں ان کا ذکر اسی زمرے میں کیا گیا ہے۔ پھر یہ ذکر تفصیلی نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو فتاویٰ کے مقدمے سے مستفاد ہے۔ چنانچہ مصنف فتاویٰ کے بارے میں مرقوم ہے۔

الشیخ عالم کبیر، علامہ مفتی رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری کا شمار اونچے درجے کے فقہا میں ہوتا ہے۔ فقہ واصول میں ان کا مرتبہ بلند تھا۔ یہ گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مفتی تھے۔ ان کی تصنیف فتاویٰ حمادیہ ہے، جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب انھوں نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی اور اس سلسلے میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی دوسو چار کتابوں سے استفادہ کیا اور ان سے مسائل فقہی بیان کیے۔ اس کا آغاز: الحمد للہ

---

[1] کنٹری بیوشن آف انڈو پاکستان ٹو عربک لٹریچر، صفحہ: ۷۰، ۷۱۔

الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان۔ ...... کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ❶

قاضی حماد الدین گجراتی:

پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر فرماتے ہیں:

الشیخ عالم وفقیہ، قاضی حماد الدین بن محمد اکرم حنفی گجراتی اپنے دور کے مشہور فضلا میں سے تھے۔ نہر والا میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری نے ان کے حکم سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف فرمایا۔ مصنف نے ابتدائے کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی علمی دسترس اور فضل وکمال کی بڑی تعریف کی ہے۔ ❷

مصنف کے معاون:

فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف میں مصنف کے لڑکے مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری نے ان کی امداد کی (اور جیسا کہ مقدمۂ کتاب سے ظاہر ہے) ان کی معاونت سے یہ کتاب معرضِ تصنیف میں آئی۔ مفتی داؤد کے بارے میں سید عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ عالم کبیر، مفتی داؤد بن رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری عظیم المرتبت عالم تھے اور فقہ واصول میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بلادِ گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مسند افتا پر فائز تھے۔ فتاویٰ حمادیہ کی تدوین وترتیب میں، جیسا کہ آغاز کتاب میں ان کے والد نے صراحت کی ہے، انھوں نے اپنے والد مفتی رکن الدین ناگوری کی اعانت فرمائی۔ ❸

قاضی محمد اکرم گجراتی:

یہ قاضی حماد کے والد تھے۔ سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

الشیخ عالم وفقیہ، قاضی محمد اکرم حنفی گجراتی بڑے علم وفضل کے حامل تھے اور ان علما میں سے تھے جن کو فقہ واصول میں خاص درک حاصل تھا۔ شہر نہر والا میں قاضی القضاۃ تھے۔ مفتی رکن الدین

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۳، صفحہ: ۷۱۔ ❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۳، صفحہ: ۵۱۔

❸ ایضاً، صفحہ: ۶۸۔

ناگوری نے اپنی تصنیف فتاویٰ حمادیہ کے دیباچے میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور امام، عالم، نعمان ثانی اور ناقد المعقول والمنقول وغیرہ القاب سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ❶

مشمولات ومضامین:

فتاویٰ حمادیہ اسی قسم کے مضامین ومندرجات پر محیط ہے جو فقہ کی عام کتابوں کی زینت ہیں۔ اس فتاویٰ میں (جیسا کہ پہلے بتایا گیا) دوسو سے زائد کتابوں سے مسائل فقہی بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر بڑی تفصیل دی گئی ہے۔ بعض مسائل واحکام میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس زمانے کے حالات کے مطابق مسئلہ زیر بحث سے تعرض کیا گیا ہے۔

کتاب الحج

مثلاً کتاب الحج صرف ایک صفحے تک محدود ہے۔ کتاب الحج کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ حج فرض ہے اور اللہ کے نزدیک حاجی کے لیے اجر وثواب کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ لیکن اگر راستہ مخدوش ہو اور خطرات میں گھر جانے کا اندیشہ ہو تو حج کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف کی عبارت ملاحظہ ہو:

وسئل الكرخي عمن وجب عليه الحج الا انه لا يخرج لما ان القرامطة تدخل على الخارج بالبادية، فقال ما سلمت البادية على احد يعني ليس لعذر لان البادية لا يجتوا عن الآفات وقلة الماء وشدة الحر وهيجان ريح السموم وبه افتى بعض فقهائنا۔ وقال ابو القاسم الصغار، لاشك في سقوط الحج عن النساء في هذا الزمان، وانما الشك في السقوط عن الرجال، وعنه لا ادرى بالحج فرضا منذ عشرين سنة، منذ خرج القرامطة، قال والبادية عندی دار من دار الحرب۔ ❷

”کرخی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں جب کہ راستوں اور جنگلوں میں قرامطہ کا

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۱۵۷۔ ❷ ورق: ۱۵۔

”کرخی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں جب کہ راستوں اور جنگلوں میں قرامطہ کا زور ہے اور سفر میں مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، حج کی ادائیگی کن لوگوں پر فرض ہے؟
فرمایا: (حج اس وقت فرض ہے) جب کہ جنگل میں ہر شخص کو سفر کی سہولتیں حاصل ہوں۔ یعنی کسی کے لیے کوئی عذر نہ ہو۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جنگل اور راستے آفات سے محفوظ نہیں رہے، پانی کی قلت پیدا ہوگئی ہے، گرمی میں شدت کے آثار اُبھر آئے ہیں اور گرم ہواؤں نے زور باندھ رکھا ہے (ایسے دور میں) ہمارے بعض فقہا کا فتویٰ یہی ہے۔ ابوالقاسم صفار کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں عورتوں پر سے تو حج کی فرضیت ساقط ہوگئی ہے، البتہ مردوں کے بارے میں شبہ ہے کہ ان پر حج کی فرضیت باقی رہی ہے یا نہیں۔ وہی (ابوالقاسم صفار) فرماتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ گزشتہ بیس سال سے جب سے کہ قرامطہ نے سر نکالا ہے، فرضیتِ حج باقی رہی ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں: میرے نزدیک جنگل کی حیثیت دارالحرب کی سی ہوگئی ہے۔“

مصنف نے یہ فتویٰ اپنے حالات کے مطابق دیا ہے۔ لیکن کیا فتویٰ صحیح ہے؟ یہ ایک سوال ہے، جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مصنف کے اس فتوے کو مبنی بر صحت قرار دیا جائے۔

کیا بنی ہاشم کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

اہل علم کے نزدیک یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ اور صدقے کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

فتاویٰ حمادیہ کے مصنف نے کتاب الزکوٰۃ میں اس مسئلے کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے۔ انھوں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ بنی ہاشم کو صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے اور زکوٰۃ بھی۔ چناں چہ فتاویٰ خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفةؒ لا بأس بالصدقات كلها على بنی هاشم والحرمة

كانت على عهد النبى ﷺ . ❶

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے صدقات بنی ہاشم کو دیے جائیں۔ حرمت کا تعلق صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک تک محدود تھا۔"

اس سے آگے فرماتے ہیں:

روى ابو عصمة، عن ابى حنيفة انه يجوز دفع الزكوٰة الى بنى هاشم وانما كان لا يجوز فى ذلك الوقت . ❷

"ابوعصمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اس کا عدم جواز صرف اس زمانے تک تھا، جب نبی ﷺ بنفس نفیس اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔"

کرمنی کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

وقيل فى زماننا يجوز دفع الزكوٰة اليهم . ❸

"یعنی ہمارے زمانے میں ان (بنی ہاشم) کو زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔"

بیت المال اور اغنیاء:

اسی سلسلے میں بیت المال کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ فتاویٰ غیاثیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں: بیت المال کے سرمایہ میں اغنیا کا کوئی حق نہیں۔ انھیں یہ مال نہ دیا جائے۔ الفاظ یہ ہیں:

ليس للاغنياء فى بيت المال نصيب . ❹

"یعنی بیت المال میں اغنیا کا کوئی حصہ نہیں۔"

ایک فقہی نکتہ:

کتاب الحدود والسرقہ میں "قذف" پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ایک عجیب فقہی نکتہ پیدا کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو "حرام زادہ" یا "ولد الحرام" یا "زانی" کہہ دیتا

---

❶ ورق: ۱۷۔ ❷ ورق: ۱۷۔

❸ ایضاً۔ ❹ ایضاً: ۱۸۔

ہے اور درحقیقت وہ ایسا نہیں ہے، تو کیا اس قسم کے لفظ کہنے والے پر حد قذف عائد ہوگی اور اسے قابل تعزیر گردانا جائے گا؟ اس سلسلے میں بعض فقہا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس پر حد قذف نافذ ہوگی اور بعض کہتے ہیں نافذ نہیں ہوگی۔ ان الفاظ کا قائل حدقذف سے محفوظ رہے گا۔ مختلف کتابوں سے دونوں نقطہ نظر کے حاملین کے اقوال درج کرنے کے بعد مصنف شرح طحاوی کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

حد القذف انما یجب علی القاذف اذا کان القذف مصرّحا لا کنایة کما اذا قال یا زانی او یقول زنیت، او یقول انت زان . [1]

"یعنی قاذف (تہمت تراش) پر حدقذف اس صورت میں واجب ہوگی جب الفاظِ قذف صریح اور واضح ہوں۔ اشارہ و کنایہ کے انداز کے الفاظ سے "مثلاً" اے زانی "کہنے سے" یا "تم مرتکب زنا ہوئے" کہنے سے حدقذف واجب نہ ہوگی۔"

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس نوع کے الفاظ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور عام طور پر کوئی وقتی جذبہ یا فوری غصہ ان الفاظ کے استعمال کا محرک ہوتا ہے۔ حقیقت اور سنجیدگی سے انھیں کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ الفاظ حد قذف کا موجب نہیں بن سکتے۔ اسی ضمن میں مصنف لکھتے ہیں:

ولا یقام حد القذف الا بطلب المقذوف .

"قاضی قاذف پر حد قذف، مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہو) کو عدالت میں طلب کیے بغیر نہیں لگا سکتا۔"

مطلب یہ کہ سزا کے لیے عدالت میں استغاثہ دائر کرنا اور مدعی علیہ کو عدالت میں طلب کرنا ضروری ہے۔

نقب زن کے بارے میں:

کتاب الحدود والسرقہ میں مصنف نے نقب زن کے بارے میں بھی مختصر الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1] ورق: ۹۱۔

فاذا انقب البیت، فناوله اخرو اخذ المتاع من یده من غیر ان یدخل الدار فانه لا یقطع اتفاقا. ❶

''یعنی چور اگر مکان کو نقب لگائے اور پکڑا جائے اور اس کے ہاتھ سے مالِ مسروقہ بھی برآمد ہو جائے لیکن یہ مال مکان سے باہر برآمد ہو تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔''

یہاں مصنف کا مطلب یہ ہے کہ چور کو نقب زنی کے بعد اگر مکان کے اندر ہی پکڑ لیا جائے اور اس سے مالِ مسروقہ برآمد ہو جائے تو چوری بلاشبہ ثابت ہو گئی اور اگر مکان سے باہر پکڑا جائے تو شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جو مال اس سے برآمد ہوا ہے وہ اس نے کہاں سے لیا؟ فی الواقع چوری شدہ ہے یا کسی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے؟ اس صورت میں ملزم کو شبہ کا فائدہ پہنچنا چاہیے۔

بیت المال کی چوری:

اسی ضمن میں اس سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ بیت المال یا مالِ غنیمت اور خمس کی چوری کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے۔ کیا اس پر قطع ید کا حکم نافذ ہوگا؟ لکھا ہے:

من سرق من بیت المال والغنیمة او الخمس لم یقطع. ❷

''یعنی بیت المال، مالِ غنیمت اور خمس کا مال چوری کرنے والے کے لیے قطع ید نہیں ہے۔''

اس کے ساتھ ہی چور کے اقرار کے بارے میں مرقوم ہے: ویقطع بالاقرار مرةً عن ابی یوسف. ...... ''کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر چور ایک مرتبہ چوری کا اقرار کر لے تو قطع ید واجب ہو جائے گا۔'' اسی بحث میں لکھا ہے کہ اگر اقرار کے بعد انکار کر دے تو قطع ید نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: اگر وہ کہے کہ: ''میں نے مال لیا، پھر کہے کہ مال چوری ہو گیا'' تو الفاظ کے اس اختلاف کی وجہ سے اس پر قطع ید کا نفاذ نہیں ہوگا۔ ❸

---

❶ ورق: ۱۹۔ ❷ ایضاً: ۹۱۔
❸ ایضاً: ۹۵۔

سزائے قتل:

اس بحث میں سزائے قتل کے سلسلے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں اگر قافلہ جا رہا ہو اور اس پر رہزن حملہ کر دیں اور قافلہ والے مقابلے میں رہزنوں میں سے کسی کو قتل کر دیں تو ان کو سزائے قتل نہیں دی جائے گی، کیونکہ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے، (جس کا انھیں پورا حق ہے) رہزنوں کو قتل کیا ہے، ساتھ ہی فرماتے ہیں:

ولو كان فى قطاع الطريق صبى او مجنون سقط الحد عن الباقين. ❶

''یعنی اگر رہزنوں اور ڈاکوؤں میں بچے اور فاتر العقل لوگ شامل ہوں تو (ان کی وجہ سے) باقی لوگوں سے سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔''

مصنف کی اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ فرض کرو ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ بول دیا اور بعض افراد کو قتل بھی کر دیا تو اگر ان کے ساتھ بچے اور مجنون (فاتر العقل) شامل ہیں تو ان پر قتل کی سزا کا حکم نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ بات مشتبہ ہوگئی ہے کہ اصل قاتل کون ہے؟ ہوسکتا ہے، کسی بچے یا مجنون ہی کے ہاتھ سے قتل کا ارتکاب ہوگیا ہو اور ان کو سزا دینا جائز نہیں، لہٰذا معاملہ شبہے میں پڑ گیا اور ملزم اس سے فائدہ اُٹھا گیا۔

چور کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا:

کتاب الحدود والسرقہ میں، اس موضوع سے متعلق خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چور کو عین چوری کرتے وقت یا نقب لگاتے ہوئے قتل کر دیا جائے تو قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

روى ابو يوسف عن ابى حنيفة رحمہ اللہ اذا نقب عليك اللص، فادركته وهو ينقب فاقتله ولا تحزره. ❷

''امام ابو یوسفؒ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر تم چور کو مکان میں نقب لگاتے ہوئے دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ نہ اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کی حفاظت کی۔ (ممکن ہے وہ قتل کی نیت سے آیا ہو۔)''

---

❶ ایضاً: ۹۸۔ ❷ ورق: ۱۰۴۔

مصنف مزید لکھتے ہیں:

((وان دخل سارق فخفت ان يكون معه شئ فيرميك ، او يضربك فارمه ولا تحزره .)) ❶

"اگر چور تمھارے گھر میں داخل ہو جائے اور تم خطرہ محسوس کرو کہ اس کے پاس اسلحہ وغیرہ ہوگا اور وہ تمھیں مارے گا تو ایسی صورت میں تم بلا خوف وخطر اس کو مار سکتے ہو۔"

اس سے پہلے بتایا گیا ہے:

اللص اذا دخل دار رجل يريد اخذ متاع او اخذ المتاع واخرج فله ان يقتله ، ما دام المتاع معه ، لقوله ﷺ قاتل دون مالك . ❷

"اگر چور کسی کے مکان میں گھس جائے اور وہ مال اُٹھانے کا ارادہ کر رہا ہو یا اُٹھا چکا ہو اور مکان سے باہر لے گیا ہو تو جب تک مال اس کے قبضے میں ہے، مالک اسے قتل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: "اپنے مال کی حفاظت کے لیے جنگ کرو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص چوری یا ڈاکا زنی کی غرض سے کسی کے مکان میں گھس جائے تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے اور ایسے موقع پر اپنی جان اور مال ومتاع کا تحفظ ضروری ہے اور اگر اس معاملے میں نوبت قتل وقتال تک بھی پہنچ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

کمزور و ناتواں کو کس طرح سزا دی جائے:

شریعت اسلامی میں بعض جرائم کی سزا بڑی سخت ہے۔ جیسا جرم ہوگا اسی کے مطابق سزا دی جائے گی، لیکن احادیث میں ایسے واقعات بھی ہیں کہ سزا مجرم کی جسمانی حالت کے مطابق دی گئی۔ فتاویٰ حمادیہ کے فاضل مصنف نے بھی اسی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

رجل وجب عليه الحد ، وهو ضعيف الخلقة فخيف عليه الهلاك إذا ضرب يجلد مقد ارما يحتمل . ❸

---

❶ ایضاً۔ ❷ ورق: ۱۰۳۔
❸ ورق: ۱۰۴۔

”یعنی ایک شخص پر حد واجب ہوگئی ہے اور وہ جسمانی لحاظ سے اس درجہ کمزور ہے کہ خطرہ ہے کہ کوڑے لگائے گئے تو نتیجہ اس کی ہلاکت کی صورت میں نکلے گا۔ ایسے شخص کو اسی مقدار میں کوڑے لگائے جائیں گے، جس کا وہ متحمل ہو۔“

وہ لوگ جن سے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا:

مصنف نے حد و تعزیر کے دائرے کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو قصاصِ قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور وہ یہ ہیں:

۱۔ وجد قتیل فی دار وقال صاحب الدار قتلته انا ، لانه اراد اخذ مالی وعلی المقتول سیماء السراق هو منهم ، عن ابی حنیفة انه لا شیء علی صاحب الدار وفی موضع اٰخر علیه الدیة دون القصاص . ❶

”ایک مکان میں ایک مقتول پایا گیا۔ مالک مکان کہتا ہے کہ اس کو میں نے قتل کیا ہے کیونکہ یہ میرا مال و متاع لوٹنا چاہتا تھا۔ اور پھر مقتول میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ یہ چوروں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں مالک مکان کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ اس کو دیت دینا پڑے گی۔ قصاص نہیں۔“

۲۔ وکذا لو وجد رجل رجلا ینقب منزله ، یرمیه بحجر فیقتله . ❷

”یہی حیثیت اس شخص کی ہے جو ایک شخص کو اپنے مکان میں نقب لگاتے ہوئے پاتا ہے اور (اپنے مال کے تحفظ کی غرض سے) اس کو پتھر مارتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔“

۳۔ وکذا اذا وجد مع القرابة اومع الجاریة رجلا یرید ان یزنی بها ، وهی مکرهة ، وان رأه مع امرأته ، اومع محرمة له ، وهی مطاوعة علی ذلك ، قتل الرجل والمرأة جمیعًا . ❸

---

❶ ایضاً۔ ❷ ورق: ۱۰۴۔ ❸ ایضاً۔

”یہی حکم اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی قریبی عورت یا اپنی کنیز کے ساتھ کسی کو بدفعلی کا ارادہ کرتے ہوئے پاتا ہے اور وہ عورت اس فعل بد سے ناخوش ہے یا وہ اپنی بیوی یا کسی محرم عورت کے ساتھ فعلِ بد کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ عورت بھی اس فعل پر رضامند ہے۔ وہ شخص اس مرد اور عورت دونوں کو قتل کردے، (یعنی تقاضائے غیرت اس کے تحفظ کی صورت پیدا کرتا ہے۔)“

٤۔ رجل اراد ان یکرہ غلاما او امرأۃ علی الفاحشۃ فعلیھما ان یقتلا ...... ولا یجب بقتلہ شیٔ ولکن ھذا اذا لم یستطع الدفع الا بالقتل. ❶

”(اس شخص کے بارے میں بھی یہی حکم ہے) جو کسی لڑکے یا عورت کو بے حیائی پر مجبور کرتا ہے۔ ان دونوں کو چاہیے کہ اس کو جان سے مار ڈالیں ...... ایسی صورت میں ان کے قتل کا کچھ نہیں بنے گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب معاملہ اس قدر آگے بڑھ جائے کہ قتل کے سوا اس سے حفاظت و دفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہی ہو۔“

٥۔ دخل بیتہ، فرأی فاجرا مع امرأتہ فیقتلہ، لا یجب القصاص وحل لہ قتلہ. ❷

”(ایک شخص) اپنے مکان میں داخل ہوا اور دیکھا کہ ایک فاجر اس کی بیوی سے بدفعلی کررہا ہے (اس نے شدتِ جذبات سے متاثر ہو کر اور داعیۂ حمیت و غیرت سے مغلوب ہو کر) اس کو قتل کردیا۔ اس پر قصاص نہیں ہوگا اور اس کے لیے اس کا قتل حلال قرار پائے گا۔“

جزیہ کن لوگوں سے نہ لیا جائے:

یہ ایک فقہی سوال ہے کہ اسلامی حکومت میں جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا اور کون لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس ضمن میں فتاویٰ حمادیہ کے مصنف نے کتاب السیر میں مسئلہ جہاد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے اور صاحبین (امام محمد

---

❶ ایضاً۔ ❷ ورق: ۱۰۴۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ) کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کی ہے، مصنف نے بتایا ہے کہ صاحبین کے نزدیک دس قسم کے لوگوں سے جزیہ نہیں وصول کیا جائے گا۔ یعنی (۱) بچوں سے، (۲) رہبان سے، (۳) اندھوں سے، (۴) پاگلوں سے، (۵) غلاموں سے، (۶) شیخ فانی سے، (۷) دائم المریض سے، (۸) ان لوگوں سے جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، (۹) ان سے جو فقط عبادت گزار ہوں اور (۱۰) معاشرے کے نادار اور مفلس افراد سے۔ مزید برآں امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفلوج سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ❶

اس سے آگے چل کر فقہا نے اور بھی رعایت دی ہے۔ سغنانی کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف لکھتے ہیں:

ولو مرض الذمی السنة کلها فلم یقدر ان یعمل وهو موسر انه لا یجب علیه الجزیة . ❷

"یعنی اگر (اسلامی مملکت میں) ذمی، کامل ایک سال کسی مرض میں مبتلا رہتا ہے اور مرض نے اسے کسی کام کے قابل نہیں رہنے دیا تو اگرچہ وہ آسودہ حال ہو، اس پر جزیہ واجب نہیں۔"

مطلب یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ فقہائے عظام نے زیادہ سے زیادہ نرمی اختیار کرنے کے اصول وضع کیے ہیں۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں:

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں بھی مصنف فتاویٰ نے اسی (کتاب السیر) میں بحث کی ہے۔ ❸ انھوں نے اس ضمن میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ غیر مسلم اور ذمی خالص اسلامی مملکت میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مصنف نے مختلف فقہا کے اقوال درج کیے ہیں جن کا مفاد یہ ہے:

۱: وہ نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے۔ البتہ پرانی عبادت گاہیں منہدم ہو جائیں یا قابل

---

❶ ورق: ۱۳۵۔ ❷ ایضاً۔

❸ دیکھیے: ورق: ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷۔

مرمت ہوں تو ان کی دوبارہ تعمیر اور مرمت کرا سکتے ہیں۔

۲: نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنا ضروری ہو تو اپنے رہائشی مکانوں میں تعمیر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اصلاً مکان ہی کے حصے میں شامل ہوتی ہیں اور اسی کے تابع قرار پاتی ہیں۔ یہ رعایت بھی شہروں تک محدود ہے۔ دیہات اور بستیوں میں اس کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ خطرہ ہے وہ دیہات میں اپنے مراکز قائم کر کے وہاں کے ناواقف اور سادہ مزاج لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

۳: جن آبادیوں کے دیہات میں اہل ذمہ زیادہ تعداد میں آباد ہوں، وہاں کے دیہات کے رہائشی مکانوں میں بھی وہ عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں [1] ......لیکن جزیرۂ عرب کے دیہات وامصار (دونوں) میں تعمیر نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جزیرۂ عرب میں دو دین (اسلام اور غیر اسلام) جمع نہیں ہو سکتے۔''

۴: قدیم عبادت گاہیں کسی صورت میں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

۵: اگر کوئی غیر مسلم علاقہ لڑائی سے فتح کیا جائے تو اس میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اس صورت میں منہدم کی جا سکتی ہیں کہ خطرہ ہو کہ انھیں مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا لیا جائے گا۔ اور اگر کوئی علاقہ صلح کے ساتھ قبضے میں لیا جائے تو اس کی عبادت گاہوں کا انہدام نہ کیا جائے گا۔

معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق لوگ:

کتاب السیر میں مصنف نے بہت سے فقہی مسائل کو شائستۂ التفات ٹھہرایا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ المحیط کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

واهل العطاء من يعمل لعامة المسلمين كالقاضي والمفتي والمدرس والغازي. [2]

---

[1] یہاں مصنف نے کوفہ کے دیہات کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وہاں اہل ذمہ دوسرے علاقوں کے دیہات کی نسبت زیادہ تعداد میں تھے۔

[2] ورق: ۱۲۶۔

’’جو لوگ عامۂ مسلمین کی خدمت پر متعین ہیں اور ان کے نام رجسٹر میں درج ہیں۔ مثلاً قاضی، مفتی، مدرس اور غازی، انھیں باقاعدہ (سالانہ یا جو طریقہ رائج ہو، اس کے مطابق) مسلمانوں کے بیت المال سے، اتنا معاوضہ ملنا چاہیے، جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔‘‘

وہ اس معاوضے کے مستحق کیوں ہیں؟ مصنف فرماتے ہیں:

وإنما استحقوا ذلك لانهم فرغوا انفسهم لعمل المسلمين فيكون كفايتهم فى مال من بيت مال المسلمين . [1]

’’یعنی وہ اس معاوضے کا استحقاق اس بنا پر رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے فارغ کر لیا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

اس مسئلے پر مصنف نے کتاب القضاء میں بھی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی اور دیگر عمالِ حکومت معاوضہ لینے میں حق بجانب ہیں، کیوں کہ ان کی مصروفیات اس نوعیت کی ہیں کہ وہ اور کوئی کام نہیں کر سکتے، اسی میں مصروف رہتے ہیں۔ خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین بھی بیت المال سے معاوضہ لیتے تھے۔ اسی طرح علما و فقہا کا کہنا ہے کہ معلمین قرآن بھی معاوضہ لے سکتے ہیں۔ [2]

بغاوت و خروج:

مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں۔ امام عادل کے خلاف ہرگز علم خروج و بغاوت بلند نہیں کرنا چاہیے۔ مصنف مزید لکھتے ہیں: فقہا نے بغاوت و خروج کے بارے میں جو ’’امام عادل‘‘ کی قید لگائی ہے، اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اگر امام عادل نہ ہو تو اس کی اعانت نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اس کے خلاف خروج و بغاوت ضروری ہے۔ اس ضمن میں وہ آگے چل کر کہتے ہیں: ’’امام حق وہ ہے، جس میں صحت امامت کی تمام شرائط جمع ہوں اور وہ شرائط یہ ہیں: مسلمان ہو، احکام شرع کا پابند ہو، عاقل و فہیم ہو، ذہن رسا کا مالک ہو، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، مسلمانوں کی اکثریت نے اُسے حاکم تسلیم کر لیا ہو اور وہ اس کی حکومت

---

[1] ایضاً۔ [2] ورق: ۲۱۶۔

سے مطمئن ہوں، اس کے سامنے اصل مقصد اعلائے اسلام اور مسلمانوں کو تقویت پہنچانا ہو، مسلمانوں کا خون، ان کے اموال و اسباب اور اُن کی عزت و آبرو اس سے محفوظ ہو اور وہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہو۔ شریعت کے مطابق عشر، خراج اور جزیہ وصول کرتا ہو، مسلمانوں کے ساتھ اس طرح مشفقانہ اور عادلانہ برتاؤ کرتا ہو، جس طرح کہ مہربان باپ بیٹے کے ساتھ اور شفیق بھائی اپنے بھائی سے کرتا ہے۔ رعایا کے لیے نرم مزاج، حلیم الطبع اور خوش اخلاق ہو۔ کم عقل نہ ہو، اسلامی حکومت کی سرحدوں کا محافظ ہو۔ مصنف لکھتے ہیں:

ومن لم يكن كذلك ، فليس هو الامام الحق فلا يجب اعانته ، بل يجب القتال معه والخروج عليه ، حتى يستقيم . ❶

''یعنی جو ان اوصاف کا حامل نہیں، وہ امامِ حق نہیں ہوسکتا۔ اس کی اعانت کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کے ساتھ قتال واجب ہے اور اس کے خلاف خروج ضروری ہے، حتیٰ کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔''

مسجد کا وقف:

فتاویٰ حمادیہ میں کتاب الوقف کے تحت وقف کے سلسلے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں ایک مسئلہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص مسجد کے لیے جگہ وقف کرتا ہے اور اس میں اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کرتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا وہ اس مسجد میں اپنی مرضی سے مؤذن یا امام مقرر کرسکتا ہے؟

مصنف فتاویٰ، جواب دیتے ہیں۔ واقف اپنی پسند کے مؤذن اور امام کا تقرر نہیں کرسکتا، کیوں کہ وقف کے بعد جب مسجد پر اس کا کوئی ذاتی حق نہیں رہا تو اس کی کسی چیز پر بھی (جس میں مؤذن، امام اور خادم بھی شامل ہیں) اس کا کوئی استحقاق نہیں رہتا۔ وہ تنہا اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں بلکہ اس نوع کے تمام معاملات مسجد کے نمازیوں اور محلہ یا گاؤں (جہاں مسجد تعمیر ہے) کے لوگوں کے مشورے سے طے پائیں گے اور وہی کچھ ہوگا جو وہ کہیں گے کیوں کہ مسجد اس کی ملکیت نہیں، وقف ہے اور وقف پر سب کے یکساں حقوق ہیں۔

---

❶ ورق: ۱۲۷۔

اپیل کا حق:

کتاب کا ایک اہم باب کتاب القضاء ہے، جس میں مصنف نے متعدد امور پر بحث کی ہے۔ مثلاً قاضی ایک فیصلہ صادر کرتا ہے اور اس کا نفاذ بھی ہو جاتا ہے، لیکن فریقین میں سے ایک فریق اس فیصلے سے مطمئن نہیں۔ کیا ایسی صورت میں کوئی ایک فریق، دوسری عدالت میں یا اس سے اعلیٰ عدالت میں اس قضیہ کو لے جا سکتا ہے؟ مصنف کہتے ہیں: اس مسئلے کے بارے میں فقہا سے مختلف آرا منقول ہیں۔ بعض کے نزدیک وہی فیصلہ آخری سمجھا جائے گا اور نافذ ہوگا جو پہلی عدالت نے کیا ہے اور بعض کے نزدیک دوسری عدالت کے دروازے پر بھی دستک دی جا سکتی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس باب میں دو قول ہیں۔ دوسری عدالت میں جانے کا قول زیادہ صحیح ہے اور اگر دوسرا قاضی پہلے قاضی کی رائے کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔

ذلك على قول ابى حنيفة رضی اللہ عنہ لو قضى بخلاف رأيه ينفذ قضاءه في اصح الروايتين . ❶

بالفاظ واضح اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق مقدمہ کو دوسری عدالت میں مقدمہ لے جانے اور اپنے حقوق کے لیے اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل ہے۔

اجتہاد فی القضاء:

عدل و انصاف کی مسند پر قاضی اجتہاد سے بھی کام لے سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں اسے یہ بات بہر حال ملحوظ رکھنا پڑے گی کہ اجتہاد فی القضاء سے نص اور اجماعِ اُمت کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ اگر اجتہادِ قاضی ان دونوں اصولوں کی مخالفت پر مبنی ہوگا تو باطل قرار ❷ پائے گا۔ کیوں کہ نص اور اجماع کو اجتہاد پر فوقیت حاصل ہے اور اجتہاد نص اور اجماع کی روشنی میں کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کو نظر انداز کرکے۔

غائب کے متعلق قضائے قاضی:

کتاب القضاء میں مصنف نے اس مسئلے کو بھی لائق اعتنا ٹھہرایا ہے کہ اگر مدعا علیہ غائب

---

❶ ورق: ۲۰۱۔ ❷ ایضاً۔

ہے اور عدالت کے سامنے اس کے موقف کی وضاحت کی کوئی صورت نہیں تو کیا قاضی، اس کی طرف سے وکیل کی خدمت حاصل کر سکتا ہے؟

مصنف کہتے ہیں نہیں کر سکتا۔ جب وکیل کو کسی معاملے کا علم ہی نہیں اور مدعا علیہ نے اس کو اپنی طرف سے وکالت کی اجازت ہی نہیں دی اور اپنا نقطۂ نظر اس کے ذہن نشین ہی نہیں کرایا تو وکالت کس چیز کی؟

اس کے ساتھ ہی اس مسئلے کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر قاضی ایسے شخص کے خلاف جو عدالت سے غائب ہے، دلائل وثبوت کی بنا پر فیصلہ دے دے تو یہ فیصلہ نافذ متصور ہوگا یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں، اس سوال سے متعلق کتب فقہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام ابوبکر رحمہ اللہ سے جو روایت منقول ہے، وہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور بعض دیگر مشائخِ فقہ کا قول ہے کہ نافذ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ قاضی براہِ راست فریقین کا نقطۂ نظر سنے اور سمجھے بغیر کوئی فیصلہ نافذ کرنے کا مجاز نہیں۔ البتہ اگر غائب کی طرف سے کسی شخص نے (اس کی اجازت سے) وکالت کے فرائض انجام دیے ہوں تو قضائے قاضی نافذ ہوگا وعلیہ الفتویٰ۔ ❶ (فتویٰ اسی پر ہے۔)

آخری بیان کی اہمیت:

فقہی اعتبار سے آخری بیان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مصنف لکھتے ہیں: اگر ایک شخص عدالت میں کوئی بیان یا شہادت دے اور بعد میں غائب ہو جائے یا وفات پا جائے اور دوسری مرتبہ بیان دینے کا موقع نہ ملے تو آخری بیان صحیح سمجھا جائے گا اور قاضی اسی کی روشنی میں فیصلہ دے گا۔ ❷

آدابِ قاضی:

فقہا نے قاضی کے لیے کچھ آداب مقرر کیے ہیں اور کچھ حدود متعین کی ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں۔ قاضی اگر مندرجہ ذیل دس حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

---

❶ ورق: ۲۰۲۔ ❷ ایضاً۔

(۱) غصے کی حالت میں ہو، (۲) بھوک کی حالت میں ہو، (۳) پیاس کی حالت میں ہو، (۴) محصور ہو، (۵) اس نے بول و براز کے تقاضوں کو روک رکھا ہو، (۶) سواری پر سوار ہو، (۷) راستے میں چل رہا ہو، (۸) نیند سے مغلوب ہو، (۹) حالت مرض میں ہو اور (۱۰) کسی نوع کے درد میں مبتلا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حالتوں میں سے کسی حالت میں نہ تو پوری طرح عقل و خرد کا توازن قائم رہتا ہے اور نہ مسئلہ زیر سماعت کے متعلق قاضی کو اچھی طرح سوچنے کا موقع ملتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی مصنف سغنانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: قاضی کو عمدہ لباس زیب تن کر کے عدالت میں آنا چاہیے اور گفتگو اور حرکات و سکنات میں انتہائی سنجیدگی کا ثبوت بہم پہنچانا چاہیے۔ علاوہ ازیں اسے مدعی اور مدعا علیہ کے سامنے نہ زبان سے کہنا چاہیے اور نہ عمل و حرکت سے یہ احساس کرانا چاہیے کہ وہ زیادہ دیر بیٹھنے کی وجہ سے تھک گیا ہے۔ اسے عدالت کی کرسی پر بار بار پہلو نہیں بدلنا چاہیے اور نہ انگڑائی لینا چاہیے بلکہ پورے وقار سے اپنی مسند پر بیٹھنا چاہیے۔ مقدمے کے کسی فریق سے مزاح نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی کو نشانۂ استہزا بنانا چاہیے اور نہ ان کے سامنے ہنسنا چاہیے۔ نہ کسی کو کسی قسم کا اشارہ کرنا چاہیے، نہ یبوست اور تنگ مزاجی کا اظہار کرنا چاہیے، نہ انھیں ڈرانا دھمکانا چاہیے، نہ کسی طرح متاثر کرنا چاہیے اور نہ انھیں یہ کہنا چاہیے کہ وہ جلدی کریں۔ فریقین کے بیانات سننے اور فیصلہ کرنے میں عجلت نہیں کرنی چاہیے۔ قاضی کو عین وقت پر عدالت کی مسند پر بیٹھ جانا چاہیے اور سامنے ایک ایسا آدمی کھڑا کرنا چاہیے جو نہ کسی کو اس کے بالکل قریب آنے دے اور نہ بلا اجازت کوئی بات کرنے دے۔ اس آدمی کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ کمرۂ عدالت میں سب حاضرین کو خاص ترتیب اور قرینے سے بٹھائے اور شور نہ کرنے دے، تاکہ قاضی کے اطمینان میں خلل نہ پڑے اور اس کا ذہن دوسری طرف منتقل نہ ہو اور وہ کامل سکون اور توجہ سے اپنے مفوضہ فرائض انجام دے سکے۔ قاضی کسی فریق پر یہ تاثر نہ پیدا ہونے دے کہ اس کی کسی بات یا کسی اشارے سے، دوسرے فریق کی حمایت کا پہلو نکلتا ہے۔ وہ مدعی اور مدعا علیہ کی باتیں باقاعدہ لکھتا جائے۔ آدابِ قاضی میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے پاس ایک رجسٹر ہو، جس میں مقدمے کی تمام کارروائی، شہادتیں اور

فریقین کے بیانات درج کیے جائیں۔ ❶

آگے چل کر آدابِ قاضی کے ضمن میں فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جس طرح قاضی رشوت نہیں لے سکتا، اسی طرح اس اجنبی سے کوئی تحفہ بھی قبول نہیں کر سکتا، جس سے نہ پہلے سے اس کے ذاتی مراسم ہیں اور نہ اس نے اس سے قبل کبھی اس کو کوئی تحفہ پیش کیا۔ نہ وہ کسی سے قرض لے سکتا ہے اور نہ مالی امداد طلب کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ لوگ اس کے عہدہ و منصب سے ناجائز مراعات اور غلط مفادات نہ حاصل کر سکیں۔ ❷

قرض کی وصولی:

الحاوی کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف رقم طراز ہیں کہ اگر قرض خواہ کسی پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا مقروض ہے اور قرض ادا نہیں کرتا اور تفصیلات سننے کے بعد قاضی اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ مدعی حق بجانب ہے مگر مقروض، بصورتِ نقد قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ اور کچھ نہیں تو قاضی اس کا مکان فروخت کر کے قرض خواہ کا قرض ادا کرنے کا مجاز ہے۔

سئل ابوبکر رحمہ اللہ عن مدیون، لیس له الا داریکسنها، قال یبیعها القاضی، فیقضی دینه. ❸

”امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی، مقروض کا مال و متاع بھی فروخت کر کے اس کی رقم قرض خواہ کو دے سکتا ہے۔ ❹

اشتہار و منادی کے ذریعے ملزم کی تلاش:

مدعی بار بار مدعا علیہ کے مکان پر جاتا ہے اور عدالت بھی اپنے ذرائع سے اس کو طلب کرتی ہے مگر نہ وہ گھر پر ملتا ہے اور نہ عدالت میں حاضر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عدالت اس کے مکان پر اپنا ایک وکیل (نمائندہ) بھیجے، جس کے ساتھ عدالت کی طرف سے دو گواہ بھی ہوں۔ وہ نمائندہ مسلسل تین روز دن میں تین تین بار اس کے مکان پر جائے اور دو گواہوں کی

---

❶ ورق: ۲۰۹-۲۱۰۔ ❷ ورق: ۲۱۷۔

❸ ورق: ۲۱۱۔ ❹ ایضاً۔

موجودگی میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے۔ ''فلاں بن فلاں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت، قاضی کی عدالت میں حاضر ہو اور فلاں الزام کے بارے میں جو فلاں شخص کی طرف سے اس پر عاید کیا گیا ہے اپنی پوزیشن واضح کرے۔ اگر وہ تاریخ مقررہ اور وقت مقررہ پر عدالت میں حاضر نہ ہوگا اور نہ اپنا وکیل بھیجے گا اور نہ کوئی اطلاع دے گا تو قاضی اس کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر کے عاید شدہ الزام کے بارے میں شہادتیں لے گا اور شہادتوں کی روشنی میں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیصلہ صادر کر دے گا۔'' ❶

اس سے ثابت ہوا کہ عدالت میں حاضر کرنے کے لیے مدعا علیہ کی تلاش کی کوشش قاضی کے فرائض میں داخل ہے اور اس سلسلے میں اسے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اس زمانے میں مروّج ہو اور جس سے مدعا علیہ کی تلاش میں مدد لے سکے۔ ورنہ اسے یک طرفہ فیصلہ صادر کرنے کا حق حاصل ہے۔

مقروض کا بیان قابل اعتماد ہوگا یا قرض خواہ کا؟

قاضی کی عدالت میں قرض خواہ کہتا ہے کہ مقروض کی مالی حالت بہتر ہے اور وہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ اور مقروض بیان دیتا ہے کہ میں مالی اعتبار سے کمزور ہوں اور قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس صورت میں بعض ائمۂ فقہ کے نزدیک مقروض کا بیان قابل اعتماد ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں قاضی کو اس معاملے میں لوگوں کی شہادتیں لینی چاہئیں اور شہادتوں کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ ❷

اگر محبوس، جیل میں بیمار پڑ جائے:

ایک شخص کسی سلسلے میں قید خانے میں محبوس ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے، تو قاضی کا فرض ہے کہ قید خانے کے عملے کو اس کے علاج معالجے کا حکم دے اور اس کے لیے ایک خادم بھی مہیا کرے۔ اور اگر علاج و خدمت کے کے باوجود بیماری شدت اختیار کر لیتی ہے اور قید خانے میں علاج کی کوئی مؤثر صورت نہیں ہے تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی رہائی کے احکام جاری کر دے، کیوں کہ حبس سے اصل مقصد اُس کو سزا دینا ہے نہ کہ ہلاک کرنا۔ ❸

❶ ورق: ۲۱۲۔ ❷ ورق: ۲۱۴۔ ❸ ورق: ۲۱۵۔

وثیقہ نویسی وغیرہ کی اُجرت:

پہلے زمانے میں، موجودہ زمانے کی نسبت عدالت کا عملہ بہت محدود تھا اور بہت سے کام قاضی کو خود ہی کرنا پڑتے تھے۔ مثلاً نقل نویسی، وثیقہ نویسی، توقیعات (مقدمے کے کاغذات پر مہریں لگانا) اور عدالت کی کارروائی کا رجسٹر میں اندراج وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا قاضی ان چیزوں کی اُجرت لے سکتا ہے؟

مصنف فتاویٰ، متعدد فقہا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "لے سکتا ہے" الفاظ یہ ہیں:

القاضی یأخذ الاجرة لکتابة السجلات والوثائق والتوقیعات. ❶

مصنف مزید لکھتے ہیں:

"لیکن قاضی کو اس ضمن میں یہ احتیاط برتنا پڑے گی کہ اگر احاطۂ عدالت میں اس قسم کا کام اور لوگ بھی کرتے ہوں تو اُن لوگوں کی اجرت سے نسبتاً کم اُجرت لے۔ اس لیے کہ اسے منصب قضا کی تنخواہ بیت المال (حکومت کے خزانے) سے بھی تو ملتی ہے۔" ❷

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمے کے کاغذات بہتر طور سے تیار کرنا، تصدیقی مہریں لگانا، کاغذات پر عدالتی ٹکٹیں چسپاں کرنا، وثائق نویسی اور مقدمے کی کارروائی کی نقول مہیا کرنا وغیرہ اُمور ضروری ہیں اور قاضی کو ان کا بہتر انتظام کرنا چاہیے اور اس تمام معاملے کو اس اسلوب سے چلانا چاہیے کہ ہر چیز اپنی جگہ باقاعدہ اور موزوں ہو۔ نیز ان کو مکمل کرنے اور سلیقے سے چلانے کے لیے اُجرت بھی لی اور دی جاسکتی ہے۔ اگر خود قاضی کو یہ زائد کام کرنا پڑے تو وہ بھی اس کی اُجرت لے سکتا ہے۔

فتاویٰ حمادیہ کے اہم مضامین میں سے ایک حصہ "کتاب الشہادات" کے عنوان سے، شہادت اور گواہی کے متعلق ہے، جو ۲۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ ورق: ۲۱۸ سے شروع ہو کر ۲۴۵ تک چلا گیا ہے۔ اس میں اس موضوع کے بارے میں بہت سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

اختلافِ شہادت:

کتاب الشہادات میں اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ کسی معاملے میں دو گواہوں کے

---

❶ ورق: ۲۱۷۔ ❷ ورق: ۲۱۷۔

درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اُن کی شہادت قابل قبول اور لائق اعتبار سمجھی جائے گی یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں: اگر بیع، شرا، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، قرض اور کفالت کے متعلق دو گواہ عدالت میں گواہی دینے آئیں اور دونوں گواہ وقت اور جگہ کے بارے میں مختلف بیان دیں (مثلاً ایک گواہ کہتا ہے، یہ بیع شام کے وقت ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی۔ دوسرا کہتا ہے: دوپہر کو ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی) تو شہادت قبول کی جائے گی اور اس اختلاف سے شہادت متاثر نہ ہوگی۔ لیکن اگر شہادت کا تعلق جنایت، غصب، قتل اور نکاح کے معاملات سے ہو تو گواہوں کا یہ اختلاف، شہادت پر اثر انداز ہوگا اور شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔

مصنف مزید لکھتے ہیں: اگر مشہود بہ (جس چیز کے متعلق گواہی دی گئی) کا تعلق قول سے ہے، مثلاً: بیع و شرا وغیرہ سے تو اس میں زمان و مکان کے بارے میں دو گواہوں کا اختلاف، شہادت کی قبولیت میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا اور اگر مشہود بہ کا تعلق عمل و فعل (یعنی اقدام) مثلاً غصب و قتل وغیرہ سے ہے تو اس میں گواہوں کے درمیان زمان و مکان کا اختلاف شہادت پر اثر انداز ہوگا اور اسے قابل قبول نہیں رہنے دے گا۔

مصنف یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نکاح ایسی چیز ہے، جس کا تعلق قول سے بھی ہے اور عمل و فعل سے بھی۔ اس میں اگر گواہ وقت اور جگہ کے تعین میں مختلف بیان دیں گے تو ان کی شہادت مسترد کر دی جائے گی۔

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں، اگر بیع، صدقہ اور رہن کے مال پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں گواہ مختلف بیان دیں اور تاریخ اور شہر کے تعین میں متفق اللسان نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ لیکن امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ فرماتے ہیں: یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ مصنف کہتے ہیں: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شہادت قبول نہ کی جائے۔ [1]

بات اصل میں یہ ہے کہ بیع و شرا اور رہن و ہبہ کا معاملہ، فوج داری مقدمات، یعنی قتل و رہزنی اور غصب و نہب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ بیع و شرا اور رہن و ہبہ وغیرہ یعنی دیوانی معاملات کا

---

[1] ورق: ۲۱۸۔

سلسلہ عام طور پر جاری رہتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہی شخص کو اس قسم کے کئی معاملات میں گواہ بنالیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تاریخ، وقت اور مقام کے بارے میں تھوڑے بہت سہو نسیان کے امکانات گواہ کے لیے بہر حال باقی رہتے ہیں، لیکن قتل و غارت، لوٹ مار اور نکاح کے سلسلے روز روز پیش نہیں آتے۔ لہٰذا اس ضمن میں گواہ کو بہت ہی محتاط رہنے اور معاملے کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس میں گواہ کو نہ کسی لغزش کا ارتکاب کرنا چاہیے اور نہ سہو ونسیان کا شکار ہونا چاہیے۔ اس نوعیت کے مقدمات انتہائی اہمیت اور نزاکت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر گواہ ان میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے اور صحیح مقام سے پھسل جائیں گے تو مقدمے کا رُخ پلٹ جائے گا۔ شکوک وشبہات کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کا فائدہ ملزم کو پہنچے گا۔

غلط کردار شخص کی شہادت:

شہادت کے باب میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر اور غلط کردار اور مشکوک چال چلن کے شخص کی شہادت قابل اعتماد ہوگی یا نہیں؟ اور اگر وہ تائب ہوجائے اور غلط و ناروا افعال و عادات کا ارتکاب ترک کردے تو اس کی شہادت کی کیا حیثیت ہوگی؟

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے اس ضمن میں مصنف لکھتے ہیں: غلط اور مشکوک کردار کے آدمی کی شہادت قابل وقعت نہ ہوگی اور اس کا فسق و فجور اس کی بات کو قابل اعتماد نہ رہنے دے گا۔ اور اگر وہ توبہ کرلے، جب بھی صرف ''توبہ'' کا لفظ زبان سے ادا کردینا کافی نہیں۔ محض یہ لفظ اس کی شہادت کو قابل اعتبار نہیں ٹھہراتا، جب تک کہ اس کا عملی ثبوت مہیا نہ ہوجائے اور وہ روز مرہ کی زندگی کو اس سانچے میں نہ ڈھال لے کہ معاشرے میں اس کا اعتماد بحال ہوجائے، فسق و فجور کے تمام دھبے اس کے دامن سے دُھل جائیں اور وہ معاشرے کے باوقار اور معزز فرد کی حیثیت سے متعارف ہوجائے۔ بعض فقہا نے اس کی مدت کم از کم چھ ماہ رکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے اگر وہ چھ ماہ کی مدت میں کذب و افترا اور فسق و فجور کو ترک کرکے بہتر اور صاف ستھری زندگی بسر کرنا شروع کردیتا ہے تو اس کی شہادت قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فیصلہ خود قاضی کرے گا کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ جب وہ قاضی کی عدالت

میں شہادت کے لیے پیش ہو، اس کے بارے میں قاضی کو تمام حقائق سے باخبر کر دینا چاہیے تاکہ قاضی کو اس کے ذاتی کردار کے متعلق فیصلہ کرنے اور شہادت کو قابل اعتبار ماننے یا نہ ماننے کے بارے میں واضح نتیجے تک پہنچنے میں آسانی رہے۔

بعض کہتے ہیں، اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے ساقط الاعتبار ہے۔ کیوں کہ اس کی مسلسل کذب بیانیوں اور فسق و فجور نے اس کا مستقبل ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک وہ توبہ نہ کرے اور توبہ کے نتائج و آثار اس کے عمل و حرکت سے ظاہر نہ ہو جائیں۔ یعنی وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو صحیح سمت پر نہ ڈال دے، اس کی شہادت ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے، توبہ کے بعد شہادت قابل اعتبار ہوگی۔ ❶

اس مسئلے پر مزید بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں: کبائر کا ارتکاب انسان کی صداقت کو زائل کر دیتا ہے اور شہادت کو ناقابل قبول بنا دیتا ہے، لیکن صغائر میں یہ بات نہیں۔ صغائر کے مرتکب کی شہادت قابل قبول ہوگی۔ ❷

اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہونا چاہیے:

مصنف اس سلسلے میں آگے چل کر فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے کہتے ہیں: اگر کسی شخص کی اچھائیوں کا پلڑا، برائیوں سے بھاری ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت اور میل جول کا انداز بہتر ہو اور اس کی بعض کمزوریوں کے باوجود لوگ مجلسی طور پر اس کی عزت کرتے ہوں، دیکھنے میں وجاہت و حشمت کا مالک ہو اور روزمرہ کے معاملات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بات کو وزن دیتے ہوں، اس کی شہادت قابل قبول ہوگی۔ کیوں کہ کسی شخص کا دامن بھی گناہوں سے پاک نہیں اور کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔ ❸

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ معمولی لغزشوں سے شہادت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا۔ بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ اگر غلطی کا وزن نیکی سے کم ہو تو شہادت مجروح نہیں ہوگی اور عدالت میں اس کی بات مانی جائے گی۔ المحیط کے حوالے سے مصنف، مشہور محدث و فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا اس باب میں قول نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

❶ ورق: ۲۲۳۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ورق: ۲۲۵۔

من غلب حسناته علی سیئاته ، قبلت شهادته . ❶

''جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں، اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔''

گواہ کے اوصاف:

فقہا نے شہادت کے سلسلے میں اس امر کو بھی ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ گواہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر شہادت کا تعلق کسی خاص شرعی مسئلے سے ہو تو گواہ ایسا ہونا چاہیے جو بہترین اوصاف کا مالک ہو۔ مثلاً سودخوری سے مطعون نہ ہو اور مالِ مغصوبہ پر قابض نہ ہو۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اس کا دامن فحش و بدکاری سے پاک ہو اور اس کی زندگی بے داغ ہو۔ اس سلسلے میں فقہا نے امام ابراہیم نخعی کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ صادق اور عادل گواہ وہ ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو، فرماتے ہیں:

الشاھد من المسلمین من لم یطعن علیه فی بطن او فرج . ❷

اس مختصر قول نے گواہ کے اخلاق و عادات کے تمام اوصاف کو گھیر لیا ہے۔ اس قول کا مفاد یہ ہے کہ اصل مسلمان گواہ وہ ہے جس پر نہ بدکاری کا طعن ہو اور نہ اکل حرام و سودخوری وغیرہ کا الزام۔ شعبی کہتے ہیں:

العدل من لا یعلم فیه جریمة فی دینه . ❸

''یعنی عادل اور صحیح گواہ وہ ہے، جس کے دین میں کوئی جھول نہ ہو۔''

اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ دینی اور شرعی اعتبار سے صاف ستھرے خیالات کا حامل ہو اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔

درحقیقت فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی معاملے میں شہادت دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ بہت ہی اہم بات ہے، اور گواہ جب گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوتا ہے تو اس پر بڑی اخلاقی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں، جن کو نباہنا ضروری ہے۔ اس نازک موقع پر گواہ کی اپنی زندگی، اس کی معاشرتی سرگرمیاں اور اللہ اور اس کے رسول سے اس کے تعلق کی نوعیت لازماً سامنے آنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ گواہ کن اوصاف کا حامل ہے۔ اس ضمن میں اس کے نماز روزے کا

---

❶ ایضاً۔ ❷ ورق: ۲۲۵۔ ❸ ایضاً۔

مسئلہ بھی سامنے آئے گا۔ چناں چہ مصنف فتاویٰ نے فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ تارکِ صلوٰۃ کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ فتاویٰ خانیہ میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص فرائض کی ادائیگی میں بلاوجہ تاخیر کر دیتا ہے، یا صوم وصلوٰۃ کا تارک ہے یا اس میں سستی اور کاہلی برتتا ہے، اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی اور اس کی عدالت کا معاملہ باطل قرار پائے گا۔

فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں، اس سے اختلاف کیا گیا ہے، چناں چہ فتاویٰ حمادیہ کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: قاضی کو اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہیں کرنی چاہیے، لیکن اگر قبول کرے گا تو شہادت جائز قرار پائے گی۔ الفاظ یہ ہیں:

لا ينبغي ان يقبل القاضي شهادته، ولو قبل جاز عندنا. [1]

"یعنی قاضی اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے تو ہمارے نزدیک یہ شہادت جائز ہوگی۔"

اس مسئلے پر الکافی میں بھی بحث کی گئی ہے۔ مصنف اس کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ بہتر یہ ہے، قاضی، فاسق کی شہادت کی بنا پر فیصلہ نہ کرے اور اگر کر دے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ الکافی کے الفاظ جو فتاویٰ حمادیہ میں مرقوم ہیں، یہ ہیں:

الاولیٰ ان لا یقضي القاضي بشهادة الفاسق، ولو قضى نفذ قضاءه. [2]

شہادت کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں: اگر فاسق گواہ، وہی شہادت دے جو اس سے پہلے گواہ نے دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔ وعلیہ الفتویٰ۔ (فتویٰ اسی پر ہے۔)

فتاویٰ حمادیہ میں اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص عمداً اور بلاوجہ اور بلاعذر جمعہ ترک کر دے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اہل بدعت کی شہادت:

شہادت کے سلسلے میں مصنف نے بڑی تفصیلات بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

---

[1] ورق: ۲۲۶۔ [2] ایضاً۔

ایک شخص نے اسلام تو قبول کرلیا ہے، مگر قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا، اس کی شہادت جائز اور قابل اعتماد ہوگی۔ مصنف مزید لکھتے ہیں: اہل ہوئی اور اہل بدعت کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ❶

دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف:

اس سلسلے میں مصنف نے اس بات کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ ایک شخص اگر کسی کا مخالف ہو تو اس کی شہادت مخالف کے خلاف کوئی وزن رکھتی ہے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں:

ولا یجوز شهادة الرجل على الرجل، اذا كان بينهما عداوة يعني العداوة من امور الدنيا۔ اما اذا كان في شئ من امور الدين تقبل . ❷

''یعنی جو شخص دنیوی معاملات میں کسی سے عداوت رکھتا ہو، اس کے خلاف اس کی شہادت جائز متصور نہ ہوگی۔ لیکن اگر دونوں کے درمیان مخالفت یا عداوت کا تعلق امورِ دین سے ہو تو شہادت قبول کی جائے گی۔''

اس مسئلے سے متعلق مصنف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

لا تقبل شهادة العدو على العدو لانه متهم . ❸

''دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی، اس لیے کہ وہ دشمنی کے اتہام سے متہم ہے۔''

یہاں مصنف نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

قال ابو حنيفة تقبل اذا كان عدلا .

''گواہ عادل و صادق ہو تو شہادت قبول کی جائے گی۔''

مصنف نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کی ہے، لکھتے ہیں:

قال استاذنا رضی اللہ عنہ ، وهو الصحيح وعليه الاعتماد، وان كان بينهما عداوة بسبب الدنيا .

''ہمارے استاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہی (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا) قول صحیح ہے اور یہی لائق اعتماد ہے۔ (اگر گواہ عادل ہے، شہادت قبول کی جائے گی) اگرچہ دونوں کے درمیان

---

❶ ورق: ۲۲۶۔ ❷ ورق: ۲۲۹۔ ❸ ایضاً۔

عداوت کا باعث دنیوی معاملات ہی ہوں۔“

دروغ گو اور جھگڑالو گواہ:

مصنف نے شہادت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ جو کذب بیانی اور دروغ گوئی میں مشہور ہو، اس کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ ❶ ساتھ ہی لکھتے ہیں: زیادہ جھگڑالو کی شہادت بھی مسترد کر دی جائے گی۔ ❷

اگر پہلے مخالفانہ شہادت دے چکا ہو:

جو شخص کسی مقدمے میں کسی کے خلاف شہادت دے چکا ہو، وہ دوسری مرتبہ اس کے خلاف شہادت دے گا تو یہ شہادت ناقابل اعتنا ہوگی، کیونکہ وہ پہلے سے اس کی مخالفت کے اتہام سے متہم ہے۔ ❸

خادم، اجیر، قانع اور ملازم کی شہادت:

شرح ہدایہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں:

لا شهادة للقانع .

”یعنی جو شخص کسی پر کلیتاً انحصار رکھتا ہو، اس کے حق میں اس کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔“

مصنف اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں، ”قانع“ سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی خاص شخص یا قبیلے یا قوم کے ساتھ خادم یا کامل وفا شعار یا اجیر و ملازم کی حیثیت سے وابستہ ہو۔ کیونکہ اس کی حیثیت اس کے سائل کی سی ہے اور ظاہر ہے، سائل کا کردار مشکوک ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شخص کی شہادت بھی ناقابل اہمیت ہے جس کی ضروریات کا انحصار اسی کے گھر پر ہو اور وہی اس کے اخراجات کا کفیل ہو۔ لفظ یہ ہیں:

لا شهادة للقانع باهل البيت . ❹

شہادت اور شخصیت:

شہادت سے متعلق فقہا نے اس چیز کو بھی مدار بحث ٹھہرایا ہے کہ اس باب میں گواہ کی اپنی

---

❶ ورق: ۲۳۰۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً۔ ❹ ورق: ۳۳۰۔

شخصیت، اس کی ظاہری وجاہت اور لوگوں سے معاشرتی تعلقات بھی اپنے اندر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک بھاری بھرکم اور وجیہہ و بارُعب شخص کبھی کبھار شغل مے کر لیتا ہے اور اس کے بعد نادم بھی ہوتا ہے، تو اس کی شہادت قابل قبول ہوگی، کیوں کہ کسی اونچے اور ایک خاص حلقے میں مجموعی اعتبار سے اچھی شہرت کے شخص سے غلط بیانی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ [1]

مختار نامہ:

مصنف فتاویٰ نے کتاب الوکالہ میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل یا مختار مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر مقرر کر سکتا ہے تو اس کے کیا اختیارات ہوں گے؟

مصنف لکھتے ہیں مختار یا وکیل کا اصل کام حفاظت ہے۔ اس کو جس چیز کا مختار نامہ دیا جائے گا وہ اس کے تحفظ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے بارے میں یہ کہے کہ یہ شخص ہر معاملے میں میرا مختار ہے، تو وہ فی الواقع وکیل یا مختار ہوگا، لیکن اس کے اختیارات مالی معاملات تک محدود ہوں گے۔ وہ اس کے اموال و اسباب کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا اور بیع و شرا، قرض کی ادائیگی، ہبہ، صدقہ جیسے معاملات انجام دینے میں مختار ہوگا اور ان میں تصرف کا حق دار ہوگا۔

لانه فرض التصرف اليه عاما . [2]

"اس لیے کہ اس نے عام امور میں تصرف کے اختیارات اس کو تفویض کر دیے ہیں۔"

بعض فقہا کے نزدیک اس تعمیم کے حدود اتنے وسیع ہیں کہ نکاح، طلاق، اعتاق، وقف اور عقد بھی اس میں شامل ہیں۔ بعض کہتے ہیں، نہیں۔ اس سے مراد فقط تصرف مالی ہے۔ اس سے آگے مختار عام کسی صورت میں قدم نہیں بڑھا سکتا۔ اور یہی نقطہ نظر زیادہ صحیح اور قرین عقل ہے۔

مختار نامہ کے بارے میں مصنف نے خاصی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: مختار نامہ واضح الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے اور جس کو مختار مقرر کیا جائے گا، وہ انہی اختیارات کا مالک ہوگا، جو مختار نامہ میں مذکور ہوں گے۔ مصنف نے کتاب الوکالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مختار نامہ منسوخ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کی تنسیخ کا اعلان جب کوئی فریق چاہے کر سکتا ہے۔

---

[1] ورق: ۲۴۵۔ [2] ورق: ۲۴۶۔

وکالت:

کتاب الوکالہ میں مصنف نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ کوئی شخص قاضی کی عدالت میں بہتر طور سے اپنا مقدمہ و مدعا کسی وجہ سے پیش نہ کرسکتا ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کرسکتا ہے جو عمدہ اسلوب سے قاضی کے سامنے اس کا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مقدمے کے ضروری اور بنیادی نکات وضاحت اور صراحت سے قاضی کے ذہن نشین کرانے کی قابلیت سے بہرہ ور ہو۔

مصنف مزید لکھتے ہیں: موکل کو چاہیے کہ قاضی کو اس بات سے باخبر کرے کہ فلاں مقدمے میں فلاں شخص میرا وکیل ہے اور میں اس پر اس مقدمے کے باب میں اعتماد کرتا ہوں۔ مصنف کہتے ہیں: مؤکل اگر چاہے تو وکیل کو اپنے مقدمے میں وکالت کے فرائض انجام دینے سے سبک دوش بھی کرسکتا ہے۔

وکیل کا فرض ہے کہ کامل دیانت اور محنت سے کام کرے اور قاضی کو اس نہج سے بات سمجھانے کی سعی کرے، جس کو مؤکل بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہو۔ وکیل کی ذمہ داری نہایت اہم ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا وکیل کا فرض ہے۔ ❶

وکالت کے سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں، وکیل اور موکل کی باہمی رضامندی بنیادی شئے ہے۔ وکالت وہی شخص کرسکتا ہے، جس پر اس کا موکل خوش ہو۔ موکل کے اختیار و رضا کے سوا، وکیل، اس کی طرف سے وکالت کے فرائض ادا کرنے کا مجاز نہیں۔

ساتھ ہی لکھتے ہیں، موکل جس شخص کو وکیل مقرر کرے، قاضی کو چاہیے کہ اس کی وکالت تسلیم کرے اور اسے نمائندگی اور وکالت کی اجازت دے۔ اور مقدمے کے سلسلے میں اس سے تعاون کرے۔ ❷

بہرحال فتاویٰ حمادیہ، فقہ کے ان بہت سے مسائل پر محیط ہے، جو انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اور اس کے مضامین و مشمولات لائق مطالعہ ہیں۔

❀❀❀❀

---

❶ ورق: ۲۴۶۔

❷ ورق: ۲۴۷۔

(۶)

فتاویٰ ابراہیم شاہی

حصہ فارسی

مصنف: احمد بن حمید الملقب بنظام

انتساب: بطرف سلطان ابراہیم شاہ شرقی

اوراق: ۱۵۸۔ سائز: $\frac{1}{۲}$ ۷ + $\frac{1}{۲}$ ۱۳ ا، نمبر: ۱۲،۸۹۹ تا ۴۹، سطور فی صفحہ ۲۷۔

مکتوبہ: وقت چاشت۔ روز دوشنبہ۔ ۱۲۶۹ھ۔ نام کاتب درج نہیں۔ خط نسخ، نستعلیق۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا یہ مخطوطہ، جو اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے، پنجاب یونیورسٹی کا مملوکہ ہے۔ یہ مخطوطہ فارسی زبان میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' نام کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک فارسی زبان میں ہے اور ایک عربی زبان میں! ہم نے دونوں کا تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ اگرچہ مصنف نے واضح الفاظ میں کتاب کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا، لیکن یہ درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اوّل فارسی میں ہے اور عبادات پر مشتمل ہے۔ اس کی الگ فہرست مضامین نہیں دی گئی جس سے اوّل نظر ہی میں یہ اندازہ ہو سکے کہ کتاب کس عنوان سے شروع ہو کر کس عنوان پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور کتنے ابواب وفصول پر مشتمل اور کن کن مسائل و مشتملات کو محتوی ہے۔

فہرست مضامین متنِ کتاب کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، جو یہ ہے:

كتاب الطهارة، كتاب الصلوٰة، كتاب صلوٰة الجمعة، كتاب صلوٰة العيدين، كتاب صلوٰة الكسوف، كتاب صلوٰة الخسوف، كتاب صلوٰة الخوف، باب صلوٰة المريض، كتاب الصوم، كتاب

الزکوٰۃ وکتاب الحج۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ ہے، مگر تمام صفحات کرم خوردہ ہیں جس کی وجہ سے متعدد مقامات سے الفاظ کا سمجھنا اور پڑھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ جلد پشاوری ہے جو اگرچہ اکھڑی ہوئی ہے مگر اس فن کا عمدہ نمونہ ہے اور اس کے دونوں طرف چاروں کونوں پر نہایت خوب صورتی سے "عمل بہاء الدین پشاوری" مرقوم ہے۔ کتاب کا یہ حصہ جو فارسی زبان میں ہے بڑا مفصل ہے (اور یہی حال عربی حصے کا ہے) اس میں ان آیاتِ قرآنی اور ادعیہ ماثورہ کے معانی و مطالب بھی خاصی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ عنوان اور کتب حوالہ کے نام سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ بطورِ حوالہ متعدد کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں فتاویٰ قراخانی بھی شامل ہے۔ فارسی حصے کا آغاز اس مقدمے سے ہوتا ہے:

یا فتاح، رب یسر وتمم بالخیر، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد بے حد وثنائے بے عد کہ از قیاس انفاس افزونست واز مساس احتساس بیروں، برخداوند کریم کہ اعلام علم برسر علمائے دیں افراشتہ۔ اودد قسم فقہ بر فرق مسلماناں نہادہ، اورواج ہدایت درزمرہ مومناں دادہ، او صلواتِ نامیہ وتحیاتِ زاکیہ برسید المرسلین وخاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد فرمودہ واذا اراد اللہ بعبد خیرا یفقہہ فی الدین باز نمودہ، وتسلیمات کثیرہ وتکریمات وفیرہ برخلفاء راشدین وائمہ مہدیین وسائر صحابہ کرام، وعلماء عظام کہ ہر یک اسامی ممنوع الآثار ومقتدر مرفوع الاقتدار۔

امابعد! میگوید بندۂ اُمیدوار رحمت پروردگار احمد بن حمید الملقب بنظام اصلح اللہ شانہٗ وصانہٗ عما شانہ برحکم دیندار خسرو شرع شعار، محی آثار شریعت، ماحی رسومِ بدعت، قامع قلاع الکفرۃ، ضابط مآثر صحائف العدل والاحسان، ناسخ آیات الکفر والعصیان، الاعظم المعظم، المؤید بتائید الرحمٰن شمس الدنیا والدین، ابوالمظفر ابراہیم شاہ، السلطان خلد اللہ سلطنتہ ابدا ومملکتہ داعی درگاہ جہاں شاہ مخصوص بادشانست، برائے اتحاف آنجناب کہ قبلہ اقبال وکعبہ مآل است، کتابی دربیان مسائل فقہ از کتب مشہورہ ومعتبرہ وتصانیف مختصر بعبارت پارسی جمعہ کردہ بروایات واضحہ ودرآیات لائحہ موکد ومرتب گردانیدہ علیا رسیدہ و

آن را فقہ ابراہیم شاہی نام کرد، رضاء واثق واہل راسخ کتاب شریف ومجموع لطیف، وصول حضرت علیا درآید ومحل قبول افتد، واسأل اللہ ان بہذا الکتب، یدری حسن الثواب، واللہ أعلم بالصواب۔

مقدمۂ کتاب کے بعض الفاظ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں جاسکے، معلوم ہوتا ہے کچھ الفاظ خود کتاب کا کاتب بھی نہیں پڑھ سکا۔

اس زمانے کے اہل علم مترادفات اور مشکل الفاظ استعمال کرنے کے عادی تھے۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کو وہ عجیب وغریب قسم کے القاب سے پکارتے تھے۔اس کتاب میں اس عہد کے مصنفین کے طرزِ تحریر کے نمونے قارئین کرام کے مطالعہ میں آرہے ہیں۔

فتاویٰ کے نسخے:

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے مختلف نسخوں کے متعلق جو معلومات حاصل ہوسکے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اس کے دو نسخے رام پور لائبریری میں ہیں۔ایک نسخہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا نمبر ۳۵۱ ہے۔دوسرے نسخے کا جو ناقص الطرفین ہے اور ۴۸۰ صفحات پر محیط ہے، ۳۵۲ نمبر ہے۔[1]

۲۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں ہے۔اس نسخے کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۰۴ھ کا مکتوبہ ہے۔صفحات ۳۱۹ اور سطور فی صفحہ: ۲۱ ہیں۔[2]

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست کتب کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہیں کیا، غالباً بلادِ روم وعرب میں یہ کتاب نہیں پہنچی۔

''حاجی خلیفہ در کشف الظنون ذکر آں نمودہ، غالباً کتاب مذکور در بلادِ روم وعرب نرسیدہ۔''[3]

---

[1] فہرست کتب عربی۔کتب خانہ ریاست رام پور۔صفحہ: ۲۲۰۔۲۲۱ (مطبع احمدی ریاست رام پور، مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء)

[2] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی (حصہ دوم) صفحہ: ۱۳۹۔(مطبوعہ ۱۳۵۷ھ)۔

[3] ایضاً۔

معلوم نہیں، مرتب فہرست نے یہ الفاظ کس بنا پر لکھ دیے، حالاں کہ جیسا کہ آئندہ سطور میں واضح کیا جارہا ہے، اس کا ذکر کشف الظنون میں موجود ہے۔

۞ فتاویٰ ابراہیم شاہی کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

"ابراہیم شاہیہ فی فتاویٰ الحنفیہ۔" ❶ شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بنظام الکیکانی الحنفی کی تصنیف ہے اور قاضی خاں کی طرح مبسوط ومفصل کتاب ہے، کتاب کبیر من الفخر الکتب۔ مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے اس کی جمع وتدوین کی۔ اس کا آغاز "الحمدللّٰہ الذی رفع منار العلم واعلیٰ مقدارہ" ❷ کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔" ❸

کشف الظنون کی دوسری جلد میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ ❹

فتاویٰ کی اہمیت:

اصحابِ علم نے فتاویٰ ابراہیم شاہی کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور مختلف فہارس کتب کے مرتبین اور عام مؤرخین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں بہتر رائے ظاہر کی ہے، لیکن فتاویٰ عالم گیری کے مقدمے میں نہ صرف یہ کہ اس کو کوئی خاص علمی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کو ناقابل اعتنا گردانا گیا ہے اور لکھا ہے:

"منجملہ کتب غیر معتبرہ کے فتاویٰ ابراہیم شاہی ہے اور شیخ عبدالقادر بدایونی نے اپنے استاذ علامہ شیخ حاتم سنبھلی سے نقل کیا ہے۔ یہ فتاویٰ قاضی شہاب الدین دولت آبادی ❺ کا جمع کیا ہوا مشہور مگر قابل اعتبار نہیں۔" ❻

---

❶ مصنف نے مقدمہ کتاب میں اپنے نام کے ساتھ "شہاب الدین" کا لفظ نہیں لکھا۔ صرف "احمد بن محمد حمید الملقب بنظام" لکھا ہے۔

❷ میرے سامنے کتاب کے دونوں حصے ہیں۔ فارسی (پہلا حصہ بھی) اور عربی (دوسرا حصہ بھی) دونوں کے آغاز میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

❸ کشف الظنون، جلد اوّل: کالم: ۳۰۔ ❹ ملاحظہ ہو: کالم: ۱۲۸۳۔

❺ یہ فتاویٰ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا نہیں بلکہ قاضی نظام الدین جون پوری کا ہے، جنھیں احمد بن محمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر ہیں۔

❻ مقدمہ فتاویٰ عالم گیری (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۳۷، ۳۸۔ (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

مصنف:

اس فتاویٰ کے مصنف قاضی احمد بن محمد جون پوری، سلطان ابراہیم شرقی والیٔ جون پور کے دور کے علما میں سے ہیں۔ جون پور کے قاضی تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے ہر طبقے میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں کیا ہے۔ وہ ''تجلی نور'' (تاریخ جون پور کے حوالے سے) لکھتے ہیں:

الشيخ العالم الكبير العلامة احمد بن محمد الحنفي الگيلاني القاضي نظام الدين الجونپوري، كان من كبار الفقهاء الحنفية قدم احد اسلافه من العرب، وسكن بگجرات، وولد بها القاضي نظام الدين ونشأ، وقرأ العلم على اساتذة عصره، فبرز في الفقه والاصول، وصار من اكابر العلماء ثم قدم جونپور، فولاه ابراهيم الشرقي صاحب جونپور القضاء وخصه بانظار العناية والقبول۔

له مصنفات عديدة، اشهرها الفتاوى ابراهيم شاهية، في فتاوى الحنفية۔

قال الفاضل الچلپي، في كشف الظنون هو كتاب كبير من افخر الكتب كقاضي خان، جمعه من مائة وستين كتابا، للسلطان ابراهيم شاه اوله الحمد لله الذي رفع منار العلم واعلى مقداره۔ (انتهٰى)

مات سنة اربع وسبعين وقيل خمس وسبعين وثمان مائة وقبره في (چاچك پور) من اعمال جونپور، [1]

''یعنی شیخ عالم اجل علامہ احمد بن محمد حنفی گیلانی قاضی نظام الدین جون پوری، کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ عرب سے آ کر

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد ثالث، صفحہ: ۲۱، ۲۲۔

گجرات میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ وہیں قاضی نظام الدین پیدا ہوئے اور پلے بڑھے، اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے فقہ اور اصول میں بڑا نام پایا اور اکابر علما میں سے گردانے گئے۔ پھر جون پور تشریف لے گئے، وہاں سلطان ابراہیم شرقی والی جون پوری نے ان کو عہدۂ قضا پر متمکن کردیا اور اپنی عنایت و قبولیت کے لیے خاص کرلیا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے الفتاویٰ ابراہیم شاہیہ فی فتاویٰ الحنفیہ خاص شہرت کی حامل تصنیف ہے۔

''فاضل چلپی کشف الظنون میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مبسوط کتاب ہے اور فتاویٰ قاضی خاں کی طرح قابل فخر کتابوں میں سے ہے، جو مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے مرتب کی۔ اس کا آغاز:

الحمدللّٰہ الذی رفع منار العلم واعلیٰ مقدارہ [1] کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

''انھوں نے ۸۷۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۷۵ھ میں وفات پائی۔ قبر چاچک پور میں ہے جو مضافاتِ جون پور میں واقع ہے۔''

''تاریخ شیراز ہند جون پور'' میں بھی قاضی نظام الدین کے حالات مرقوم ہیں۔ ان کے علم و فضل کی وسعت پذیریوں کے بارے میں لکھا ہے:

''کہتے ہیں کہ قاضی نظام الدین علوم دینیات میں اس قدر بلند پایہ تھے کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین استفتا پر اس وقت تک مہر ثبت نہ کرتے تھے، جب تک حضرت قاضی نظام الدین دستخط نہ کردیتے تھے۔ دیگر علماء کے دستخط کا اعتبار نہ فرماتے تھے۔''

اس سے چند سطریں آگے لکھا ہے:

''وفات آپ کی ۸۷۵ھ میں ہوئی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جون پور میں ہے اور قریب جامع مسجد جون پور جس جگہ قاضی خانہ ہے، مکان سکونتی تعمیر کیا اور وہ محلّہ قاضی نظام [2] مشہور ہے۔''

---

[1] اس کتاب کا آغاز کن الفاظ سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں آیندہ اوراق میں گفتگو کی جائے گی۔

[2] ''تاریخ شیراز ہند جون پور۔'' صفحہ: ۶۰۹۔ مصنفہ سید اقبال احمد (مطبوعہ ۱۹۶۳ء) ناشر شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس جون پور۔

قاضی نظام الدین جون پوری رحمۃ اللہ علیہ وہ خوش بخت عالم دین ہیں کہ جن کے بعد ان کی اولاد احفاد میں بھی علم کی شمع جلتی رہی اور لوگ اس سے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ان جلیل القدر حضرات میں سے ایک بزرگ قاضی صلاح الدین جون پوری تھے، جن کا ذکر سیّد عبدالحی لکھنوی "تجلی نور" کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قاضی صلاح الدین جون پوری، انہی قاضی نظام الدین مصنف "الفتاویٰ ابراہیم الشاہیہ" کے پوتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس عظیم الشان دادا کی مہد علم میں نشوونما پائی اور انہی سے تحصیل علم کی منزلیں طے کیں۔ ان کے انتقال کے بعد قاضی مقرر ہوئے اور پورے بیس سال منصب قضا پر فائز رہے۔ وہ بلند اخلاق، شیریں بیان اور فصیح اللسان شخص تھے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ اکثر علوم کے مسائل کی جزئیات میں کامل مہارت و استحضار رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی انفرادیت اس حد تک مسلمہ تھی کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کے شارح سیّد عبدالاوّل بن علاء الحسینی جون پوری اور دیگر حضرات نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ [1]

سلطان ابراہیم شرقی:

مناسب ہوگا کہ مختصر الفاظ میں یہاں سلطان ابراہیم شرقی کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جس شخصیت کی طرف اس فتاویٰ کا انتساب کیا گیا ہے وہ کس مرتبہ و مقام اور عزّ و شرف کی حامل ہے۔ اس ضمن میں سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی فرماتے ہیں:

السلطان العادل الكريم ابراهيم بن خواجه جهان الجونپوری سلطان الشرق، قام بالملك بعد صنوه مبارك شاه، سنة اربع وثمان مائة، فافتتح امره بالعدل والاحسان وولى الناس، واحسن السيرة فيهم، وساس امورهم سياسية حسنة، لما جمع الله سبحانهٗ فيه من الدين والعقل والمروة، وخلال الخير بغاية من الكمال، فصار المرجع والمقصد، واجتمع لديه، خلق كثير من

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۶۱۔

ارباب الفضل و الکمال، کالقاضی شهاب الدین الدولة آبادی، والقاضی نظام الدین الگیلانی والشیخ ابی الفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر الشریحی الکندی وامثالهم وکان حسن الاخلاق، عظیم الهمة کریم السجیة، شریف النفس مطلعًا علی ما تمس الیه الحاجة، من امور الدنیا والدین۔

ومن اخباره ان القاضی شهاب الدین المذکور ابتلی بمرض وطال مرضه فاتاه السلطان یعوده، وطلب الماء، ثم طوف علی رأس القاضی سبع مرات وقال اللهم ان قدرت له الموت، فاصرفه عنه الی۔

ومن مأثره المدارس والجامع، بمدینة جونپور، توفی سنة اربعین، وقیل اربع واربعین وثمان مائة، وکان موته داهیة عظیمة، علی اهل بلاده، کما فی تاریخ فرشته۔ [1]

''یعنی انصاف پرور اور کریم النفس سلطان ابراہیم بن خواجہ جہان جون پوری، سلطان الشرقی نے اپنے بھائی مبارک شاہ کے بعد ۸۰۴ھ میں ملک کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں دین و دیانت، عقل و مروّت اور عوام میں خیر و برکت پھیلانے کی جو بدرجۂ کمال صلاحیتیں جمع کر دی تھیں، اس کی وجہ سے اس نے کاروبارِ سلطنت عدل و احسان کے ساتھ شروع کیا۔ لوگوں کی بہتر طور سے سرپرستی کرنے اور انھیں حسنِ سیرت کی نعمت سے آراستہ کرنے کے لیے تمام کوششیں وقف کر دیں۔ اور ان کے عام نظم و نسق اور پیش آئند اُمور کی خوب دیکھ بھال کی۔ اسی بنا پر وہ مرجع خلائق قرار پائے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نظام الدین گیلانی، شیخ ابو الفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر شریحی الکندی اور ان جیسے بے شمار اربابِ فضل و کمال اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۳، صفحہ: ۲۰۰۔

"وہ حسن اخلاق کا نمونہ، بلند ہمت، فیاض طبع اور شریف النفس حکمران تھا اور دینی و دنیوی سلسلے میں اسے جو مسائل پیش آتے، اس سے پوری طرح باخبر تھا۔

"سلطانِ ابراہیم شرقی کے حسن اخلاق اور تکریم علماء کا اندازہ اس سے کیجیے کہ قاضی شہاب الدین ایک مرتبہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور مرض طول پکڑ گیا تو یہ ان کی عیادت کے لیے آیا اور پانی منگوایا۔ پھر اس کو سات مرتبہ ان کے سر پر گھمایا اور کہا: "اے اللہ! اگر تو نے اس شخص کے لیے موت مقدر کر دی ہے تو اس سے ہٹا کر اُس کا رُخ میری طرف موڑ دے۔

جون پور شہر میں اس نے جو اُمور خیر انجام دیے، ان میں دینی مدارس اور جامع مسجد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

"سلطان ابراہیم شرقی نے ۸۴۰ھ میں۔ ایک روایت کے مطابق ۸۴۴ھ میں وفات پائی۔ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق اس کی موت، اس کے باشندگانِ مملکت کے لیے ایک عظیم سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی۔"

سلطان ابراہیم شرقی، علمائے دین سے اس درجہ محبت و مودت سے پیش آتا تھا کہ علما کی بہت بڑی جماعت دور دراز مقامات سے کھنچ کر اس کے حلقۂ مملکت میں داخل ہو گئی تھی۔ ان علمائے عظام کی فہرست میں قاضی نظام الدین بن قاضی صدر الدین غزنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ قاضی صدر الدین غزنہ کے کے مشہور علما میں سے تھے اور وہاں قاضی القضاۃ تھے۔ ۸۱۰ (مطابق ۱۴۰۷ یا ۱۴۰۸ء) میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند گرامی قدر شیخ نظام الدین غزنوی، غزنہ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان تشریف لائے اور جون پور جا پہنچے۔ وہاں قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملاقات ہوئی تو وہ انھیں سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں لے گئے۔ سلطان جو علماء کا بہت بڑا قدر دان تھا، ان کی علمی صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس میں انھیں مچھلی شہر کا قاضی مقرر کر دیا۔ [1]

علاوہ ازیں قاضی احمد بن عمر دولت آبادی اور مولانا عادل الملک بن عبدالملک کھرامی

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر، جلد: ۳، صفحہ: ۱۷۶، ۱۷۷۔

جون پوری بھی اسی عہد کے علما و فقہا میں سے تھے اور سلطان ابراہیم شرقی کے متعلقینِ خاص میں تھے۔

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ فتاویٰ ابراہیم شاہی کا حصہ فارسی (جو درحقیقت حصہ اوّل ہے) عبادات پر مشتمل ہے اور اس حصے میں تقریباً وہی مسائل بیان کیے گئے ہیں، جو دیگر کتب فقہ میں درج ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں اہم اختصار کے ساتھ اس کے مندرجات میں سے چند باتیں بیان کرتے ہیں۔

سواری پر حج کو جانا افضل ہے:

مصنف فتاویٰ نے جس اسلوب سے مختلف مسائل کو ہدف بحث بنایا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو خوب سمجھتے اور حالات کی رعایت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں اور انسان کو عبادات کے باب میں مشقت میں ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ دیارِ حرم میں پیدل جانے کی نسبت سواری پر جانے کو افضل گردانتے ہیں اور سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وفی السراجیۃ درحج سوار رفتن افضل است وعلیہ الفتویٰ۔ ❶

"یعنی سراجیہ میں ہے کہ کہ حج کے لیے سواری پر جانا افضل ہے اور یہی مفتی بہ ہے۔"

حج ثانی کے بجائے صدقہ:

اسی طرح مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی لائق التفات قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کرچکا ہو اور دوسری بار جانے کا متمنی ہو تو کیا کرے۔ اس کے لیے حج ثانی بہتر ہے یا اتنا مال جو حج پر خرچ ہوگا، غربا و مستحقین پر صدقہ کر دینا افضل ہے؟ فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

اگر مردے یک بار حج بجا آوردہ، بعدہ می خواہد کہ باز در حج رود، تصدق بدیں مال یعنی مال کہ درراہِ حج خرچ خواہد کرد، افضل بود از حج۔ ❷

---

❶ ورق: ۱۱۷، ب

❷ ایضاً

''یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ فرض حج ادا کر چکا ہو اور دوسری مرتبہ جانے کا خواہاں ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ جو روپے وہ حج پر خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ (مستحق لوگوں پر) خرچ کر دے۔ یہ حج سے زیادہ باعث افضلیت ہے۔''

تعظیم استاذ:

''فصل فی تعظیم الاستاذ، وفضل العلماء'' میں استاذ کی عظمت اور علمائے دین کی فضیلت کی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ استاذ کا درجہ سب سے بلند ہے اور اس کا احترام بہر صورت ضروری ہے۔ چنانچہ بستان الفقہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

تعظیم استاذ بر شاگرد واجب است واز تعظیم وی برکت شود در علم، و ہر کہ تعظیم استاذ نہ کند خدائے عزوجل از شوم آں، برکتِ علم رفع کند۔ ❶

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد پر استاذ کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ اس کی تعظیم سے علم میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص استاذ کی عظمت و احترام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کو علم کی برکت سے محروم کر دیتا ہے۔

والدین اور استاذ:

ساتھ ہی استاذ اور ماں باپ کے حقوق کا تقابل کرتے ہوئے فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وفی السراجیۃ حق معلم مقدم است بر حق مادر و پدر و بر جمیع مسلماناں۔ ❷

''یعنی معلم کا حق ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حقوق سے مقدم ہے۔''

اس سے اگلی سطر میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے ہی سے فرماتے ہیں:

اگر استاذ کارے فرمود۔ ومادر و پدر نیز کارے فرمودند، کارِ استاذ مقدم دارد، زیرا کہ بہترین پدر آنست۔ ❸

''یعنی اگر ایک کام کا استاد حکم دے اور ایک کا ماں باپ حکم دیں تو استاد کے حکم کی تعمیل کو مقدم سمجھے، اس لیے کہ بہترین باپ وہی ہے۔''

---

❶ ورق: ۱۳۶ ب۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً۔

سلطان ظالم کو عادل کہنے والا:

مصنف نے سلطان عادل اور سلطانِ ظالم کا تذکرہ بھی کیا ہے اور اس ضمن میں ان کا لب ولہجہ قدرے سخت ہوگیا ہے۔ ان کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ ظالم سلطان کی کسی صورت میں حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی حوصلہ افزائی اس کو ظلم پر آمادہ کردینے کے مترادف ہے۔ ظالم حکمران کو عادل کے لفظ سے یاد کرنا کفر ہے، لکھتے ہیں:

"وفی السراجیہ" اگر کسے سلطانِ ظالم را عادل گوید، خواجہ منصور ماتریدی گفتہ است کہ کافر گردد۔ ❶

"یعنی سراجیہ میں منقول ہے کہ کوئی شخص ظالم سلطان پر لفظ عادل کا اطلاق کرتا ہے تو خواجہ منصور ماتریدی کا فرمان ہے کہ وہ شخص کافر ہوجاتا ہے۔"

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مصنف کتاب لوگوں میں جرأتِ حق گوئی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں یہ شعور بیدار کرنے کے خواہاں ہیں کہ ظالم حکمران سے ہرگز قرب و تعلق نہ رکھا جائے بلکہ اس سے نفرت و حقارت کا برتاؤ کیا جائے۔

مصنف نے اس کے ساتھ بعض دیگر ائمہ کرام کے نقطہ نظر کا اظہار بھی کیا ہے اور وہ یہ کہ ظالم حکمران کو عادل قرار دینے والا کفر کی سرحدوں تک نہیں پہنچتا۔ ❷

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا حصہ فارسی اسی انداز سے چلتا ہے اور اس کے مختلف مقامات پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نمازِ کسوف، نمازِ خسوف، نمازِ جمعہ، نمازِ خوف وغیرہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اور اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ احناف کی متعدد کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔

---

❶ ورق: ۱۴۵، ب ❷ ایضاً۔

(۷)

فتاویٰ ابراہیم شاہی

حصہ دوم (عربی)

مصنف: قاضی احمد بن محمد نظام الدین۔

اوراق: ۴۳۵۔سطور فی صفحہ: ۲۳۔خط نستعلیق سائز: $\frac{1}{4}$ ۱۱ + ۷

عنوانات: سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔کاتب کا نام درج نہیں۔

نمبر: ۸۳۴II۹۸۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے اس مخطوطے میں، جو ہمارے پیش نظر ہے، دو چیزیں ایسی درج ہیں جن کا مخطوطے کے اصل مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔ایک یہ کہ اصل مخطوطہ شروع ہونے سے پہلے تین صفحوں میں کچھ استفتا ہیں، جن پر دو مہریں ثبت ہیں، جن میں ''ابوتراب محمد سراج حسین'' کے الفاظ نقش ہیں۔ایک استفتا کا جواب ''شیخ محمد تھانوی'' کا تحریر کردہ ہے۔ان میں سے ایک اور استفتا کا جواب ''محمد امام الدین'' نے دیا ہے۔ان سطور کے بالکل آخر میں ''شہاب الدین مولوی، نجف علی صاحب، شاہ عالم اور مولوی علی احمد صاحب'' کے نام مرقوم ہیں۔

دوسرے یہ کہ ایک عبارت چار صفحات میں ہے۔اس کے نیچے ''محررہ خدا دوست بن محمد مکارم العلوم'' لکھا ہے، تاریخ کہیں بھی مرقوم نہیں۔

فتاویٰ پر ایک مہر ثبت ہے، جس میں یہ الفاظ نقش ہیں:

''بخشی الملک ہیبت جنگ بہادر سیّد نور الہدیٰ خاں ۱۲۸۲ھ

اس مربع مہر کی شکل یہ ہے:

ہیبت جنگ بہادر سید نور الہدیٰ خاں بخشی الملک ۱۲۸۲
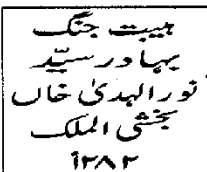
فہرست مضامین:

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا یہ پہلا حصہ معاملات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ اس کی فہرست مضامین درج ذیل ہے:

كتاب الغصب والضمان، باب فيما ينقطع به عن المغصوب، باب البراء عن الضمان، باب المتفرقات، باب الوديعة، باب المتفرقات، كتاب العارية، باب المتفرقات، كتاب الشركة، باب شركة المفاوضة، باب شركة العنان، باب شركة الاعمال، باب المتفرقات، كتاب المضاربة، باب فيما يملك المضارب، باب في المضاربة الفاسدة، فصل في نفقة المضارب، باب المتفرقات باب الحجر، باب المتفرقات، باب الماذون، فصل في ديون العبد الماذون، باب المتفرقات، كتاب الاقرار، باب الرجوع عن الاقرار، باب اقرار المريض، باب الاستثناء، باب الاقرار بالقرابة، باب المتفرقات، كتاب البيوع، باب مايجوز بيعه وما لا يجوز، باب مايدخل تحت البيع وما لا يدخل، باب البيع الفاسد والباطل، فصل في بيع الثمار والاشجار، فصل في بيع الاشجار، فصل في بيع المتاع، فصل في ما يكره في البيع وما لا يكره، فصل في الاحتكار، فصل في بيع الفضولي وبيع الموقوف، فصل في نداء المامور، فصل في التلجية والمواضعة، باب المرابحة والتولية، باب خيار الشرط، باب خيار الرؤية، باب خيار العيب، فصل في بعض مسائل العيب، فصل في مايكون رضا بالعيب وفيما لا يكون، باب الاقالة والفسخ، باب اختلاف البائع والمشتري، باب في القبض والتسليم، باب الربوٰا، باب السلم، باب الاستبراء، باب الاستحقاق، باب المتفرقات، باب

الصرف، باب فی بیع الرفاء، ❶ باب فی الدین، ❷ باب المتفرقات
بـاب الشفعة، باب طلب الشفعة وتسلیمها، باب الاخذ بالشفعة،
کتاب الوکالة، باب فی الفاظ التوکیل ونحوه، باب اثبات الوکالة،
باب التوکیل بالبیع، باب توکیل الوکیل، ❸ باب عزل الوکیل، باب
المتفرقات، کتاب الکفالة، باب کفالة الرجلین، باب کفالة العبد
الماذون، والمهجور والصبی ❹ ونحوه، باب الدفع والتسلیم باب
المتفرقات، کتاب الحوالة، کتاب الصلح، باب المتفرقات،
کتاب الهبة، ❺ فصل فی مسائل الاستحقاق ونحوه، ❻ فصل فی
مسائل التبرع ونحوه، ❼ کتاب الهدایة، ❽ کتاب الرهن، باب
التصرف فی الرهن، باب الانفکاك، فصل فی اجرة بیت الرهن
الذی یحفظ، ❾ باب المتفرقات، کتاب الاجارات، باب الاجارة
الفاسدة، فصل فی نسخ الاجارة، فصل فی الاختلاف فی
الاجارة، ❿ فصل فی بیع المستاجر، باب ضمان الاجیر، باب

---

❶ یہ عنوان فہرست مضامین میں تو موجود ہے، لیکن متن میں نہیں ہے، متن میں جہاں یہ بحث شروع ہوتی ہے۔ ایک سطر خالی چھوڑ دی گئی ہے، ملاحظہ ہو: ورق: ۱۰۰۔

❷ یہ عنوان فہرست میں درج ہے، لیکن متن میں نہیں ہے۔ اس بحث کے آغاز میں ایک سطر کا خلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیکھیے: ورق: ۱۰۱ب۔

❸ یہ عنوان بھی فہرست مضامین میں درج ہے، متن میں نہیں ہے۔ متن میں جہاں سے یہ شروع ہوتا ہے، وہاں ایک سطر کا خلا ہے۔ دیکھیے: ورق: ۱۱۹ب۔

❹ فہرست مضامین میں باب کفالۃ الرجلین اور باب کفالۃ العبد الماذون (دونوں) کے آگے ورق: ۱۱۹ لکھا گیا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ دونوں باب متن کتاب میں علی الترتیب ورق: ۱۲۹ الف اور ۱۲۹ ب پر درج ہیں۔

❺ فہرست مضامین میں اس کا ورق: ۱۵۰ لکھا گیا ہے، حالاں کہ یہ ورق ۱۴۳ ب میں ہے۔

❻ یہ عنوان فہرست مضامین میں درج نہیں، متن کے ورق ۱۴۹ الف پر درج ہے۔

❼ یہ عنوان فہرست مضامین میں درج نہیں، متن کے ورق: ۱۴۹ ب پر مکتوب ہے۔

❽ یہ بھی فہرست میں مرقوم نہیں متن کے ورق: ۱۵۰ ب پر مرقوم ہے۔

❾ یہ عنوان بھی فہرست مضامین میں موجود ہے لیکن متن میں درج نہیں، البتہ یہ مضمون کوئی عنوان دیے بغیر نئے پیرے سے شروع کیا گیا ہے۔ دیکھیے: ورق: ۱۵۷۔

❿ یہ عنوان صرف متن میں ہے۔ فہرست مضامین میں نہیں ہے۔

المتفرقات، كتاب المزارعة، باب الساقاة والمعاملة، باب المتفرقات، ❶ باب احكام التحريم والشرب، كتاب الصيد، فصل في الذبائح، باب التسمية على الذبيحة، فصل في الجنين، فصل في ذبيحة المحرم، باب ما يحل اكله وما لا يحل، فصل (في) السمك، باب المتفرقات، كتاب الوقف، باب في وقف المنقول، باب وقف المشاع، باب رغبة القيم، باب مصارف الوقف، باب الدعوى والشهادة في الوقف، كتاب الجنايات، فصل القتل على خمسة اوجه، باب مايوجب القصاص وما لا يوجب، فصل في الشهادة في القتل، فصل في العفو عن القصاص، باب الجناية فيما دون النفس، ❷ فصل في الجناية على اليد والاصابع، فصل في الجناية على السن والعظم، فصل في الجناية على شعر الرأس، فصل في الجناية على الاذن والانف، فصل في الجناية على اللسان والذكر ونحوه، فصل في تفسير حكومة العدل والاباحة، باب الديات، باب الجنين والصبي والمجنون، باب ما جناية العبد والجناية عليه، فصل في الجناية على العبد، فصل في جناية ام الولد والمدبر والمكاتب، باب القسامة، باب المعاقل باب جناية البهائم والجناية عليها، باب ما يحدثه الرجل في الطريق، باب الحائط المائل، باب المتفرقات، كتاب الامارة والسلطنة والقضاء، باب في تقلد القضاء والتحرز عنه ومن يلي القضاء ومن لا يليه وفسق القاضي، فصل في رشوة القاضي، ❸ باب ادب القاضي❹ فصل فيما يكون حكما من القاضي وفيما لا يكون حكما،

---

❶ یہ عنوان صرف متن میں ہے، فہرست مضامین میں نہیں ہے۔ ❷ یہ عنوان فہرست میں نہیں متن میں ہے۔

❸ یہ عنوان فہرست میں درج ہے، متن میں نہیں ہے۔

❹ فہرست مضامین میں ''باب'' کے بجائے ''فصل'' کا لفظ مرقوم ہے۔

وفیمن یجوز قضاءه وفیمن لا یجوز، فصل فیما یحل للقاضی وما لا یحل، باب القضاء علی الغائب، باب القضاء فی المجتهدات، باب کتاب القاضی الی القاضی، باب التحکیم، باب المتفرقات، باب ادب المفتی، فصل ❶ فی حصر المذاهب، کتاب الاحتساب، کتاب الشهادة، باب فیمن تقبل شهادته وفیمن لا تقبل، باب فی شهادة الرجل، باب الاختلاف فی الشهادة، باب الشهادة علی الشهادة، باب التزکیة، فصل فی الشاهد الزور، ❷ باب الرجوع عن الشهادة والتزکیة، ❸ باب المتفرقات، کتاب الدعوی، باب فی دعوی الدین علی المیت وللمیت، باب دعوی المیراث والشهادة علیه، فصل فی اثبات مال الیتیم علی کل حال، فصل یرد حصتهم علی المدعی، باب دعوی العتق والتدبر وغیرذلك، باب فی دعوی النکاح والطلاق، باب دعوی النسب، باب دعوی العقار، باب فی دعوی الحائط، باب فی دعوی الطریق ومسائل الماء الجاری وغیر ذلك، باب المتنازع فی الدعوی، باب دعوی المنتج باب التناقض فی الدعوی، باب فی دفع الدعوی، باب الابراء، فصل فی مسائل شتی، باب الاستحلاف، فصل فی التحالف، باب الحبس، باب المتفرقلت، کتاب القسمة، باب المتفرقات، کتاب الوصایا، باب الوصی، باب المتفرقات، باب فیما یسئل من المسائل المشابهة، ❹ باب فی تنبیه المجیب، باب المسائل المتفرقة، کتاب الفرائض، باب معرفة الفرض واصحابها، باب العصبات،

---

❶ فہرست مضامین میں ’’فصل‘‘ کے بجائے لفظ ’’باب‘‘ ہے۔

❷ فہرست مضامین میں فصل فی الشهادة الزور ہے۔

❸ یہ باب فہرست میں نہیں، متن کتاب میں مرقوم ہے۔

❹ یہ باب متن میں تو موجود ہے، لیکن فہرست میں نہیں ہے۔

باب ذوی الارحام، باب السقوط، ❶ باب العقائد۔

مضامین کی یہ پوری فہرست ہم نے اس لیے درج کی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ فتاویٰ کس قدر مفصل اور متنوع ہے اور اس کے مندرجات و مشمولات کا دامن کتنا وسعت پذیر ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ مصنف نے کسی چیز کو تشنہ نہیں رہنے دیا اور تمام مسائل وضاحت اور تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خود سلطان ابراہیم شرقی بھی وسیع نظر کا حامل تھا اور ہر مسئلے کی جزئیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

فتاویٰ کے نسخے:

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے، اس حصے کا جو عربی زبان میں ہے، مختلف کتابوں اور فہرستوں میں ذکر آیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) کی فہرست میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہاں کی لائبریری میں یہ فتاویٰ موجود ہے۔ فہرست مذکور کے مرتب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

فتاویٰ ابراہیم شاہی احمد بن ملقب بہ نظام کیلانی کی تصنیف ہے۔ مصنف موصوف نے فقہ کی ایک سو ساٹھ سے زائد کتابوں سے اس کو جمع کر کے سلطان ابراہیم شاہ کی خدمت میں پیش کیا اور اسی کے نام سے موسوم کیا۔ کتاب کا آغاز "الحمدللّٰه الذی رفع منازل العلم واعلیٰ مقداره" الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے، ❷ یہ کتاب طہارت، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ وغیرہ ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ ❸ کتب خانہ آصفیہ کے نسخے کا نمبر ۲۷ ہے، جو خوش خط، خط نسخ میں تحریر ہے۔ اس کا کاغذ بھی عمدہ ہے اور ۱۰۸۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام سیّد محمد ہے۔ نسخہ دو حصوں میں تحریر ہے۔ حصہ اوّل از صفحہ ۱ تا ۴۴۶ ہے۔ حصہ دوم صفحہ ۴۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۰۵ پر ختم ہوتا ہے۔ سطور فی صفحہ ہر دو حصہ ۳۵ ہیں۔ حاجی

---

❶ یہ باب فہرست میں تو ہے، لیکن متن میں نہیں ہے۔

❷ ہمارے سامنے پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ ہے، اس کا آغاز ان الفاظ سے نہیں ہوتا۔ یہ نسخہ "کتاب الغصب والضمان" سے شروع ہوتا ہے۔

❸ پیش نظر نسخے میں یہ ترتیب نہیں ہے۔ یہ تمام تر حصہ (جو عربی زبان پر مشتمل ہے) معاملات، جنایات، تجارت، ہبہ، وقف اور قصاص و دیات، قضایا، شہادت وغیرہ کے مسائل کو محیط ہے، جیسا کہ فہرست مضامین سے ظاہر ہے۔ البتہ اس فتاویٰ کا فارسی حصہ، طہارت، صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ پر محتوی ہے۔

خلیفہ نے غالباً یہ کتاب نہیں دیکھی۔ ❶ فارسی زبان میں بھی ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' نام کی ایک کتاب اسی مصنف کی تصنیف ❷ ہے۔''

نزہتہ الخواطر میں بھی قاضی احمد بن محمد جون پوری (قاضی نظام الدین) کے تذکرے میں فتاویٰ ابراہیم شاہی کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کا آغاز الحمدللہ الذی رفع منار العلم واعلیٰ مقدارہ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ❸

پھر کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ''ابراہیم شاہیہ فی فتاویٰ الحنفیہ'' کے عنوان سے اس کا تعارف کرایا ہے اور اس کے آغاز کے الفاظ یہی درج کیے ہیں۔ ❹

لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، ہمارے پیش نگاہ (پنجاب یونی ورسٹی کے) نسخے میں اس کا آغاز ان الفاظ سے نہیں ہوتا، بلکہ کتاب الغصب والضمان سے ہوتا ہے۔

مضامین و مشمولات:

فتاویٰ ابراہیم شاہی اپنے مضامین و مشمولات کے اعتبار سے بہت مفصل ہے اور اس میں ہر بات وضاحت اور تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ اس طویل کتاب کے مشمولات و مندرجات میں سے چند باتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ معزز قارئین کو اس کی فقہی اور علمی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

تحائف و ہدایات میں مساوات:

فاضل مصنف نے ایک عنوان قائم کیا ہے، باب الھدایہ۔ اس میں انھوں نے اس مسئلے کو مدارِ بحث ٹھہرایا ہے کہ تحائف اور ہدایا کی تقسیم میں کیا انداز اختیار کرنا چاہیے اور بالخصوص باپ اگر اولاد کو تحائف دے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی مناسب ہے۔ مصنف، فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

في السراجية، في احكام الهدايا، ينبغي ان يعدل بين اولاده في

---

❶ مرتب فہرست کی یہ بات صحیح نہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ کتاب اس کے علم و نظر میں ہے۔ دیکھیے: کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۳، جلد ثانی، کالم: ۱۲۸۳۔

❷ فہرست مشروع بعض کتب نفیسہ قلمیہ، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، سرکار عالی (مطبوعہ ۱۳۵۷ھ) صفحہ: ۱۳۔

❸ نزہتہ الخواطر، جلد: ۳، صفحہ: ۲۱، ۲۷۔ ❹ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۳۔

العطايا والعدل عند ابی یوسف ان یعطیهم، علی السواء وعند محمد، ان یعطی علی سبیل المیراث للذکر مثل حظ الانثیین فان کان بعض اولاده، مشغولا بالتعلیم دون الکسب، لا باس ای یفضله علی غیره۔ ❶

”یعنی سراجیہ میں احکامِ ہدایا کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ عطایا و ہدایا کے باب میں والد کو اپنی اولاد کے درمیان عدل کا برتاؤ کرنا چاہیے اور عدل کا مفہوم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ والد انھیں برابر کے تحفے دے اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ میراث کے لحاظ سے دے۔ یعنی (جیسا کہ قرآنِ کریم میں وارد ہے) مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر۔ پھر اگر کچھ اولاد تعلیم میں مشغول ہے اور کاروبار میں نہیں پڑی ہے تو ایسی اولاد کو دوسروں پر ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی طالب علم اولاد کو غیر طالب علم اولاد کی بہ نسبت زیادہ عطیوں اور مال و دولت سے نوازنا چاہیے۔“

اس ضمن میں اس کے ساتھ ہی مرقوم ہے:

ولا بأس بأن یعطی من اولاده من کان عالما ولا یعطی من کان منهم فاسقا۔ ❷

یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اپنی عالم و دانش مند اولاد پر تو خرچ کرے اور فاسق اولاد کو کچھ نہ دے۔

مطلب یہ کہ دانش مند اور عالم اولاد کو اگر کچھ باپ کی طرف سے ملے گا تو وہ اسے نیک کاموں میں خرچ کرے گی اور اگر فاسق کو ملے گا تو وہ اسے فسق و فجور میں صرف کرے گی۔ لہٰذا عالم اور نیک اولاد کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور فسق و فجور میں مبتلا اولاد کو کچھ دینے اور خرچ کرنے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے تاکہ وہ والدین کے مال کو غلط جگہ پر استعمال نہ کر سکے۔

---

❶ ورق: ۱۵۰ ب۔ ❷ ایضاً۔

اہل محلہ میں ہدایا کی تقسیم:

ہدایا وتحائف کے بارے میں فتاویٰ ابراہیم شاہی کے مصنف نے بڑی طویل گفتگو کی ہے۔اس ضمن میں وہ باب الہدایا کے باب المتفرقات میں ظہیریہ کے حوالے سے شمس الائمہ سرخسیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"ان الافضل للمرء، ان یشرك اهل محلته فی اعطاء الهدایا انتسابا بطریق التردد والتحبب الی الاخوان۔" ❶

"بہتر یہ ہے کہ انسان ہدایا اور تحائف کی تقسیم میں اہل محلّہ کو بھی شریک کرے تاکہ اپنے ان بھائیوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت اور الفت کے جذبات پیدا ہوں۔"

کیا شئی مرہونہ میں تصرف ہوسکتا ہے؟

مصنف نے کتاب الرہن میں "باب التصرف فی الرہن" کے عنوان سے ایک ذیلی باب باندھا ہے۔اس میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ شئی مرہونہ میں کسی قسم کا تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔مصنف کا کہنا ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز بصورتِ رہن موجود ہو، وہ اس میں کسی نوع کا تصرف یا ردّ و بدل نہیں کرسکتا۔اس کا فرض ہے کہ وہ شئی مرہونہ کو اسی شکل وصورت میں اپنے پاس رکھے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہونے دے۔نہ وہ اس کو فروخت کرنے کا مجاز ہے اور نہ کسی کو دینے کا۔مصنف شرح طحاوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ولیس للمرتهن ان یبیع الرهن بغیر اذن الراهن۔ فان باع بغیر اذنه توقف علی اجازته، فان اجاز، جاز، وان لم یجز فله ان یبطله۔" ❷

"مرتہن، راہن کی اجازت کے بغیر مالِ مرہونہ فروخت نہیں کرسکتا۔اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے تو بیع متحقق ہونے میں اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا، جب تک راہن کی طرف سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ ہوجائے۔اگر وہ

---

❶ ورق:۱۵۱،الف۔ ❷ ورق:۱۵۴ب۔

اجازت دے دے تو بیع جائز ہوگی ورنہ باطل قرار پائے گی۔"

کیا شئی مرہونہ اجرت پر دی جاسکتی ہے؟

اس سلسلے میں مصنف نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ مرہونہ شئی کو اُجرت پر بھی نہیں دیا جاسکتا، اگر اُجرت پر دی جائے گی تو یہ فعل فاسد ٹھہرے گا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا:

وقیل موقوف علیٰ اجازۃ۔ ❶

یعنی بعض فقہا کا قول ہے کہ اس کو اُجرت پر دینا راہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

مالِ مرہونہ کی حفاظت:

مصنف نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مرتہن کا فرض ہے، مالِ مرہونہ کو کامل احتیاط اور پوری حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھے اور اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دے۔ چنانچہ التھذیب کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

ثم للمرتھن ان یحفظ الرھن بنفسہ ومن عیالہ وبخادمہ۔ ❷

"پھر مرتہن پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ رہن شئی کو اپنی ذمہ داری سے اپنے اہل وعیال سے اور اپنے خادم سے بھی محفوظ رکھے۔"

یعنی ضروری ہے کہ وہ ہر شخص سے اس کی حفاظت کرے، کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے۔

اختلاف کی صورت میں اجرت کا معاملہ:

کتاب الاجارات کی "فصل فی الاختلاف فی الاجارۃ" میں سراجیہ کے حوالے سے مصنف فتاویٰ نے اس مسئلے کو ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ اگر مالک کا درزی یا صباغ (رنگریز) کے درمیان کپڑے کی سلائی یا رنگائی کے بارے میں اختلاف پیدا ہوجائے تو کس کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔ اس ضمن میں مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اذا قال امرتك ان تخیط قباءۃ۔ قال الخیاط امرتنی قمیصًا او قال امرتك ان تصبغہ احمر ، فصبغتہ اصفر۔ وقال الصباغ امرتنی ان اصبغہ اصفر۔ فالقول لصاحب الثوب مع الیمین وفی التھذیب

---

❶ ورق: ۱۵۴ب۔ ❷ ورق: ۱۵۵ب۔

ثم الخیاط ضامن لقیمته ...... وکذا الصباغ۔ ❶

"یعنی مالک، درزی سے کہے، میں نے تمھیں قبا سینے کو کہا تھا اور درزی جواب دے، آپ نے مجھے قمیص سینے کا حکم دیا تھا۔ یا مالک صباغ (رنگریز) سے کہے، میں نے تمھیں کہا تھا کہ اس کپڑے کا رنگ سرخ کر دو، مگر تم نے زرد رنگ کر دیا اور صباغ یہ موقف اختیار کرے کہ آپ نے زرد رنگ کا حکم دیا تھا، تو اس اختلاف کی صورت میں کپڑے کے مالک کی بات مانی جائے گی اور ساتھ ہی اس سے قسم بھی لی جائے گی کہ اس نے فی الواقع وہی کچھ کہا تھا، جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔ تہذیب میں مرقوم ہے کہ پھر (یعنی مالک کی طرف سے قسم کے بعد) درزی کپڑے کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا...... یہی حکم صباغ کے بارے میں ہے۔"

اگر چرواہے سے ایک گائے بھاگ جائے:

باب ضمان الاجیر میں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر چرواہا جنگل میں مویشی چرا رہا ہو اور مویشیوں کے ریوڑ سے ایک گائے بھاگ جائے تو اس کی قیمت اور ضمانت کی کیا صورت ہوگی۔ الفاظ یہ ہیں:

راعی بقرۃ نفرت عنه بقرۃ فلم یدرکھا وخاف علی البقیة الضیاع لا یضمنھا۔ ❷

اگر چرواہا گائیوں کا ریوڑ چرا رہا ہے۔ ایک گائے بھاگ جاتی ہے اور وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اگر اس کے پیچھے دوڑتا ہے تو دوسری گائیوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس صورت میں وہ اس بھاگی ہوئی گائے کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

اگر گائے بیمار ہو جائے!

سراجیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"اگر گائے اتنی بیمار ہو جائے کہ اس کے جلدی ذبح نہ کرنے کی صورت میں مر جانے کا خطرہ ہو تو چرواہا اسے ذبح کرنے کا مجاز ہے، مالک اس سے کسی قسم کی رقم کا

---

❶ ورق: ۱۶۴، الف۔ ❷ ورق: ۱۶۷ ب۔

مطالبہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر وہ ذبح نہیں کرتا اور وہ مرجاتی ہے تو بھی مالک اس سے کچھ مانگنے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔'' ❶

اگر مالک اور چرواہے کے درمیان اختلاف ہوجائے:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چرواہا ایک گائے یا بکری ذبح کرلیتا ہے۔ یا وہ اس کی تحویل میں مرجاتی ہے۔ اب چرواہا کہتا ہے میں نے اس کو اس لیے ذبح کیا ہے کہ یہ اتنی بیمار ہوگئی تھی کہ اگر اس کو ذبح نہ کیا جاتا تو اس کا مرجانا یقینی تھا۔ یا یہ مرگئی ہے اور کسی تکلیف سے مری ہے، لیکن مالک اصرار کرتا ہے کہ یہ گائے یا بکری تندرست تھی، چرواہے نے اس کو بلاوجہ ذبح کردیا ہے۔ یا یہ کہ یہ اپنی موت نہیں مری، اس نے ڈنڈے مار کر یا کسی اور ذریعے سے اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں: اس بات پر دونوں میں اختلاف پیدا ہوجانے کی صورت میں چرواہے کی بات کو صحیح قرار دیا جائے گا۔

فان اختلف الراعی و صاحب الغنم فالقول قول الراعی۔ ❷

اگر دھوبی سے کپڑے ضائع ہوجائیں:

اس بحث میں ایک سوال یہ بھی سطح ذہن پر اُبھرتا ہے کہ اگر دھوبی سے کپڑے گم ہوجائیں یا جل جائیں یا اس درجہ خراب ہوجائیں کہ قابل استعمال نہ رہیں تو دھوبی پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی یا نہیں اور دھوبی سے ان کپڑوں کی قیمت وصول کی جائے گی یا نہیں۔ اگر کی جائے گی تو کتنی؟ مصنف فتاویٰ، التجرید کے حوالے سے ابن سماعہ کی روایت سے امام محمدؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ دھوبی کو ان کپڑوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور اس سے ان کی قیمت وصول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ کپڑے اس کی وجہ سے اور اس کی تحویل میں گم یا ضائع ہوئے ہیں اور وہ اپنے کام کی اُجرت وصول کرتا ہے۔ اس سے اُن کی پوری قیمت وصول کی جائے گی، لیکن امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں ان کپڑوں کی اصل قیمت سے آدھی قیمت وصول کی جائے گی۔

عن ابی یوسفؒ ان علی القصار نصف القیمۃ باعتبار الاوّل۔ ❸

---

❶ ورق: ۱۶۷ ب۔ ❷ ورق: ۱۶۷ ب۔ ❸ ورق: ۱۷۰ الف۔

مزارعت کے سلسلے میں:

کتاب المزارعۃ میں مصنف فتاویٰ نے زراعت، مزارع اور صاحب زمین کے سلسلے کی بہت سی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ اگر مالک زمین، مزارع کو ایک سال کے لیے زمین کاشت کے لیے دے اور مزارع ایک سال گزرنے کے بعد مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے سال بھی اس میں کاشت شروع کردے، جب کہ مالک اس کو دوسرے سال زمین کاشت کے لیے دینے پر تیار نہ ہو۔

مزارع اور مالک زمین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف پیدا ہوجائے تو مصنف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ معاملہ عدالت میں جائے گا۔ عدالت یہ دیکھے گی کہ اس سلسلے میں اس گاؤں یا اس علاقے کا عرف اور رواج کیا ہے۔ اگر وہاں کے لوگ آئندہ سال کے لیے بغیر مالک کی اجازت کے کاشت کاری شروع کردیتے ہوں تو فیصلہ مزارع کے حق میں ہوگا اور اگر عرف و رواج مالک زمین سے اجازت کا ہو تو مالک کو حق بجانب ٹھہرایا جائے گا۔ لیکن آئندہ سال کی کاشت شروع کرنے میں مزارع کے جو اخراجات ہوئے ہیں، وہ بہرحال مالک کو ادا کرنا پڑیں گے۔ نیز مزارع کو زمین کی کاشت سے جبراً علیحدہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ باہمی رضامندی سے طے پائے گا۔ [1]

عادل حکومت کی تعریف:

کتاب الجنایات میں ''فصل فی تفسیر حکومتہ العدل'' میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ عادل ومنصف حکومت کی کیا تعریف ہے۔ مصنف لکھتے ہیں: عادل حکومت وہ ہے جس کے نزدیک بحیثیت رعایا، حاکم ومحکوم اور غلام وآزاد میں کوئی فرق نہ ہو۔ اور کوئی شخص نان و نفقہ کے باعزت حصول اور بہتر اُجرت کی تلاش میں کسی کا دست نگر اور محتاج نہ ہو۔ عادل حکومت کی ایک تعریف یہ ہے کہ کوئی کسی کو ناروا تنگ نہ کرے، نہ کسی پر ظلم کرے اور نہ ملک کا حکمران طبقہ سزا دینے میں ظالم کی رعایت کرے۔ نیز اس میں نہ تو ایک ہی چیز کی دو قیمتیں ہوں اور نہ اشیائے صرف کی قیمتوں کی سطح غیر متوازن ہو۔ اس حکومت کے قاضی اور اربابِ

---

[1] ورق: ۱۷۳ الف۔

حل و عقد، ملک کے اہل بصیرت اور باشعور طبقے کو ملکی معاملات سے متعلق مشوروں میں باقاعدہ شریک رکھیں اور یہ خیال رکھیں کہ کوئی کسی کو کسی وجہ سے ذلیل و رسوا نہ کر سکے۔ یہ بھی عادل حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ اگر کوئی طبقہ چیزوں کی قیمتوں میں اپنے فائدے کی خاطر کمی بیشی کرے تو اس کو اس قدر سزا دے کہ وہ دوبارہ اس قسم کے اقدام کی جرأت نہ کر سکے۔ ❶

وہ بوسیدہ دیوار جو گزرگاہِ عامہ کی طرف جھکی ہو:

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے طویل مضامین میں سے ایک ''کتاب الجنایات'' ہے۔ کتاب کا یہ حصہ متعدد ذیلی اور ضمنی ابواب میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ایک باب کا عنوان ہے: ''باب الحائط المائل'' اس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی مکان کی دیوار شکستہ اور بوسیدہ ہو اور گزرگاہِ عام کی طرف جھکی ہو، وہ گر جائے تو نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔ فتاویٰ کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اذا مال الحائط الی طریق المسلمین فطولب لصاحبه بنقضه واشهد علیه فلم ینقضه فی مدة یقدر علی نقضه حتی سقط، یجب علیه ضمان ما تلف به من نفس او مال۔ وفیها ایضًا ویستوی ان یطالبه بنقض ذالك مسلم او ذمی لان الناس کلهم شرکاء فی المرور۔ فیصح التقدم الیها من کل واحد منهم رجلا کان او امرأة، حراکان او مکاتبا۔ ویصح التقدم الیها عند السلطان وغیره۔ ❷

''اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کی عام گزرگاہ کی طرف جھکی ہو اور اس کے مالک سے گواہوں کی موجودگی میں اس کے گرا دینے کا مطالبہ بھی کیا جا چکا ہو لیکن اس کی خطرناک بوسیدگی و شکستگی کے باوجود اس نے اسے گرایا نہ ہو، یہاں تک کہ وہ خود گر پڑی ہو تو اس کی وجہ سے جو مالی و جانی نقصان ہوا ہے، دیوار کا مالک اس کا ذمہ دار

---

❶ ورق: ۲۰۸ ب، ۲۰۹ الف۔ ❷ ورق: ۲۲۵ ب۔

ہوگا۔ یاد رہے اس قسم کی دیوار کو گرانے کے مطالبے میں مسلمان اور ذمی برابر کا حق رکھتے ہیں، کیوں کہ وہاں آمد و رفت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی مرد یا عورت، آزاد یا مکاتب و غلام، جو شخص بھی کوئی قدم اُٹھانے میں آگے بڑھے گا حق بجانب ہوگا۔ اور اس قسم کے معاملے کو سلطان اور حکمران کے پاس لے جانا بھی صحیح متصور ہوگا۔"

قاضی کے فرائض و آداب اور عزل و نصب کے بارے میں:

کتاب الامارۃ والسلطنۃ والقضاء میں مصنف نے قاضی کے فرائض و آداب اور عزل و نصب کے بارے میں بڑی دلچسپ اور تفصیلی بحث کی ہے اس کی چند مثالیں سطورِ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

باغی گروہ کا مقرر کردہ قاضی:

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مرقوم ہے:

الخوارج واھل البغی اذا قلد وارجلا من اھل البغی، قضاء بلدۃ وغلبوا علیھا لا تنفذ قضاء ہ، لان شھادتھم علی اھل العدل غیر مقبولۃ لانھم یستحلون دمائنا واموالنا، وان قلدوا رجلا من اھل العدل یصح تقلیدھم، ونفذ قضاء ہ۔ [1]

خوارج اور باغی گروہ کسی شہر پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہاں کے عہدۂ قضا پر کسی باغی کو متعین کردیں تو اس کے فیصلے نافذ نہ گردانے جائیں گے، کیونکہ اہل عدل [2] لوگوں پر اُن کی شہادت قبول نہیں ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے ہمارا خون بہانا اور ہمارے اموال لوٹنا اپنے لیے حلال قرار دے رکھا ہے۔ (لہٰذا ظالم و قاتل باغی لوگ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں گے، ظاہر ہے وہ صحیح نہیں ہوگا اور اگر صحیح نہیں ہوگا تو شرعاً قابل نفاذ اور لائق قبول بھی نہ ہوگا) ہاں، البتہ اگر وہ اہل عدل اور اصحابِ انصاف

---

[1] ورق: ۲۳۲ب، ۲۳۳الف۔

[2] یاد رہے یہاں "اہل العدل" سے مراد معتزلہ نہیں، بلکہ صحیح العقیدہ اور انصاف پرور لوگ مراد ہیں۔

میں سے کسی کو قاضی مقرر کریں گے تو اس کا تقرر بھی صحیح ہوگا اور اس کے فیصلے بھی نافذ تصور کیے جائیں گے۔"

کیا باغی گروہ کے غلبے کی وجہ سے اصل قاضی معزول ہو جاتا ہے؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی باغی گروہ کسی وجہ سے پورے ملک یا ملک کے کسی حصے پر غلبہ اور تسلط حاصل کر لے تو کیا اس سے پہلا قاضی، جو درحقیقت انصاف پرور اور ملک کے اصل حکمران طبقے کی طرف سے مقرر ہے، معزول ہو جاتا ہے؟ اور باغیوں کی طرف سے قاضی کا تقرر صحیح ہے؟ فصول کے حوالے سے مصنف فرماتے ہیں:

التقليد من اهل البغي يصح وبمجوز استيلاء الباغي لا ينعزل قضاة العدل ويصح عزل الباغي لهم، حتى لو انهزم الباغي بعد ذلك لا ينفذ قضاياهم، بعد ذلك ما لم يقلدهم السلطان العادل ثانيا، لان الباغي صار سلطانا بالقهر والغلبة۔ ❶

"باغیوں کی طرف سے قاضی کا تقرر صحیح ہے، لیکن محض باغی کے استیلا و تسلط کی وجہ سے نمائندہ حکمران کے قاضی معزول نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر باغی حکمران انھیں معزول کر دے تو اس کا یہ اقدام صحیح سمجھا جائے گا۔ پھر اگر باغی گروہ ہزیمت کھا کر بھاگ جائے تو قاضیوں کے فیصلے اس وقت تک نافذ العمل نہ ہوں گے، جب تک سلطانِ عادل انھیں دوسری دفعہ یہ منصب عطا نہ کرے۔ اس لیے کہ باغی قہر اور جبر و تغلب کی بنا پر سلطان و حکمران بن بیٹھا تھا۔"

اس کی مزید وضاحت ذیل کی سطور میں کی گئی ہے:

اهل البغي اذا غلبوا على بلاد اهل العدل، فان القضاة على حالهم مالم يعزل لهم الباغي، واذا عزلهم الباغي خرجوا عن القضاة، حتى لو انهزم الباغي بعد ذلك لا ينفذ قضاياهم، مالم يقلدهم السلطان العادل ثانيا لان الباغي صار سلطانا بحكم

❶ ورق: ۲۳۳ الف۔

القهر والغلبة۔ ❶

"جب باغی گروہ عدل پرور لوگوں کے شہر پر غلبہ حاصل کرلے تو قاضی اس وقت تک بحال رہیں گے، جب تک کہ انھیں باغی معزول نہیں کردیتے۔ جب باغی انھیں معزول کردیں گے تو وہ قانوناً منصب قضا سے الگ ہوجائیں گے۔ بعدازاں اگر باغی بھاگ جائیں تو قاضی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہیں کرسکتے، جب تک کہ سلطان عادل انھیں دوبارہ اپنے عہدوں پر بحال نہ کردے۔"

قاضی کے چند اوصاف:

"باب فی تقلید القضاء والتحرر عنه ومن یلی القضاء ومن لا یلیه" میں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قاضی کا کن اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: قاضی وہ شخص ہوسکتا ہے جو عقل مند ہو، دین دار ہو، صاحب عفت ہو، باصلاحیت ہو، عالم ہو، معرفتِ سنت و آثار رکھتا ہو، فہم وفراست کا حامل ہو، سابق قضاۃ کے فیصلوں سے باخبر ہو، مجتہد ہو اور فقیہ ہو۔ ❷

وہ باتیں جو قاضی میں نہیں ہونی چاہئیں:

قاضی کو اپنے ذہن وفکر کی خاص طور سے تربیت کرنی چاہیے۔ اس میں مندرجہ ذیل عیوب نہیں ہونے چاہئیں۔

سخت مزاج نہ ہو، متشدد نہ ہو، غیظ وغضب کا شکار نہ ہو، دل میں کینہ وبغض نہ رکھتا ہو، گالی گلوچ نہ کرتا ہو، فاسق وفاجر نہ ہو، راشی نہ ہو اور برائیوں کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ ❸

کتاب کی یہ بحث بڑے اہم معلومات پر مشتمل ہے اور اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ قاضی کو کس انداز کی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اپنے فرائض کس اسلوب سے انجام دینے چاہئیں اور کرسیٔ عدالت پر کس طرح متمکن ہونا چاہیے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے یہ چند مباحث بطورِ مثال درج کیے گئے ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پوری کتاب فقہی معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کی مکمل فہرستِ مضامین آغاز مضمون میں نقل

---

❶ ایضاً۔ ❷ ورق: ۲۳۴ الف۔ ❸ ایضاً۔

کردی گئی ہے، تا کہ کوئی صاحب کسی خاص موضوع سے متعلق دلچسپی رکھتے ہوں تو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکیں اور براہِ راست اس کے مندرجات سے مستفید ہو سکیں۔

یہ فتاویٰ بجا طور پر ان علمی ذخائر میں سے ہے جو برصغیر پاک و ہند کے علمائے دین کی ناقابل فراموش یادگار ہیں اور جن میں انھوں نے اپنے فقہی معلومات کا عطر نچوڑ کر آنے والی نسلوں اور اصحابِ علم کے لیے خاص ترتیب اور عمدہ سلیقے سے صفحاتِ قرطاس پر منقش کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، اس دور کے فقہائے عظام کے علاوہ، اصحاب حکومت اور اس ملک کے اربابِ بست و کشاد، فقہی مسائل سے کس درجہ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ پیش آئند مشکل امور کی عقدہ کشائی میں کتنے کوشاں رہتے تھے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سعی میں علمائے دین کی کتنی شدید ضرورت محسوس کرتے تھے۔ وہ قدم قدم پر علماء کے محتاج تھے اور انہی کی رہنمائی میں معاملات و مسائل کی زلف گرہ گیر کو سلجھاتے تھے۔ اس لحاظ سے کہنا چاہیے کہ یہ فتاویٰ ہماری گزری ہوئی تہذیب کی ایک بہترین یادگار ہے اور ہمارے دورِ ماضی کا ایک مثالی نقش!

(۸)

فتاویٰ امینیہ
دسویں صدی ہجری کا ایک فقہی مخطوطہ

مخطوطے کی کیفیت:

فتاویٰ امینیہ کا یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں ہے اور اس کا نمبر ۴۹۶۸ ہے۔ نام مصنف: محمد امین بن عبداللہ۔ نام کاتب: حمید عرف ابراہیم۔ سطور فی صفحہ: ۱۹۔ کل اوراق مع فہرست مضامین ۲۰۵۔ سائز: ۲'۱۰ + ۶.۵ ـ ۰۳، ۲۸ + ۱۶ سم۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔ عنوانات و مباحث سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ ورق: ۲، ۷، ۸، ۹ اور آخری دو ورق بیاض۔

مخطوطہ فارسی زبان میں ہے لیکن جہاں جہاں مصنف نے اپنی تائید میں عربی کتابوں کے حوالے دیے ہیں، وہاں ان کتابوں کی اصل عربی عبارت بھی درج کر دی گئی ہے۔ فتاویٰ کے تعارف کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں حصۂ عباوات کی نسبت حصۂ معاملات زیادہ وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مخطوطے کے نسخے:

جہاں تک ہمیں معلوم ہوسکا ہے، اس مخطوطہ کے نسخے پوری دنیا میں صرف تین مقامات پر پائے جاتے ہیں اور اتفاق سے یہ تینوں مقامات برصغیر پاک و ہند میں واقع ہیں۔ ایک ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور دوسرے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن اور تیسرے پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نمبر ۱۰۴ ہے اور دوسرے کا ۱۰۷۔ نسخہ نمبر ۱۰۴ بخط طبعی مائل بہ نستعلیق بر کاغذ حنائی مکتوبہ ۱۰۳۴ھ ہے اور

کاتب کا نام ساقی محمد میرزا قول حسین سمرقندی ہے۔ جملہ صفحات ۲۹۵ اور سطور فی صفحہ ۲۱ ہیں۔

نسخہ ۱۰۷ بخط نسخ معمولی۔ مکتوبہ ۱۰۷۲ھ ہے۔ کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ کل اوراق ۱۷۰ اور سطور فی صفحہ ۲۴ ہیں۔ ❶

○ اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے، جس کا نمبر ۱۰۳۶ ہے اور اس کی فہرست کتب میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

''فقہ کے مختلف عنوانات پر یہ ایک مختصر مگر جامع فتاویٰ ہے، جو دسویں ہجری میں غالباً ۹۴۸ھ، (۱۵۴۱ء) کے فوراً بعد معرضِ تصنیف میں لایا گیا۔ اس سال کا حوالہ قلمی نسخہ کے ورق ۱۶۸ پر دیا گیا ہے۔ مصنف فتاویٰ اپنا نام امین بن عبیداللہ مومن آبادی البخاری بتاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں انھوں نے مشہور فقہی مجموعوں کے حوالے دیے ہیں۔ بالخصوص مختار الاختیار سے بکثرت حوالے دیے گئے ہیں۔ موجودہ نسخہ دسویں ہجری کے آخر میں، بخارا میں میر عرب کے مشہور مدرسہ میں نقل کیا گیا۔ کاتب کا نام درویش محمد بن احمد بخاری ہے۔ نسخہ کی ابتداء: یا دائما للفضل علینا بتوفیق محامدك الخ کے الفاظ سے ہوتی ہے۔'' ❷

اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں ہے، جو اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے۔

یونی ورسٹی لائبریری کا مخطوطہ اور اس کی کتابت:

پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کا جو مخطوطہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کی کتابت حمید عرف ابراہیم بن سیّد بھیکہ بن سیّد ابوالخیر نے کی ہے، وہ ہفتہ کی شب ۲ر صفر ۱۰۸۹ھ کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ مقامِ کتابت دار الخلافہ شاہ جہاں آباد (دہلی) ہے۔ اس زمانے میں عالمگیر تختِ ہند پر متمکن تھا اور اس کا سال جلوس ۲۱ تھا۔ اس ضمن میں مخطوطے کے آخر میں کاتب کی طرف سے یہ عبارت درج ہے:

---

❶ فہرست مشروح بعض کتب فقیہ نفیسہ (حصہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن، مطبوعہ ۱۳۵۷ھ، صفحہ: ۱۴۰۔

❷ کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد دوم، (حصہ فارسی) از ایوانیور، نسخہ: ۱۰۳۶۔

الحمدللّٰه الذی وفقنی بکتابت هذه النسخة المسماة بالفتاویٰ الامینیة، وصلی اللّٰه علی سیّدنا محمد وآله اجمعین، قد وقع الفراغ من کتابة هذه النسخة، بعون الملك الوهاب وقت العشاء من لیلة السبت فی تاریخ الثانی من شهر صفر، ختم اللّٰه تعالیٰ بالخیر والظفر من سنة الف وتسع وثمانین من الهجرة النبویة، بید العبد المفتقر الی اللّٰه الهادی حمید عرف ابراهیم بن سیّد بهیکه بن سیّد ابو الخبر بن سیّد سعد اللّٰه بن سیّد پیاره الحسینی الجائسی، اللهم اغفرله ولوالدیه ولا جداده ولجمیع المسلمین ومالکها وکاتبها المذکور، یرجو ممن ینفع بهذه النسخة ان یدعو بدعاء الخیر، وکتبه فی دار الخلافة المتبرکة شاه جهان آباد فی سلطلنة شاه عالمگیر، خلد اللّٰه تعالیٰ سلطنته، وادامه اللّٰه تعالیٰ علی العدل والانصاف۔ ۲۱ جلوس والا۔

”سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے اس کتاب، ”الفتاویٰ الامینیہ“ کی کتابت کی توفیق عطا فرمائی اور درود سیّدنا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی تمام آل پر۔ میں اللہ کی امداد واعانت سے اس کتاب کی کتابت سے عشا کے وقت ہفتہ کی شب ۲۔ صفر ۱۰۸۹ھ کو فارغ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے خیر ونصرت سے اختتام کو پہنچایا۔ یہ کتاب، بندۂ محتاج الی اللہ، حمید عرف ابراہیم بن سیّد بھیکہ بن سیّد ابوالخیر بن سیّد سعد اللہ بن سیّد پیارہ حسینی جائسی کے ہاتھ سے ضبط کتابت میں آئی۔ اے اللہ! اس کے کاتب، اس کے والدین، اس کے آباو اجداد، تمام مسلمانوں اور اس کے مالک کی مغفرت فرما۔ جو شخص بھی اس کتاب سے (علمی) فائدہ اُٹھائے، اس کا کاتب اس سے دُعائے خیر کی درخواست کرتا ہے۔ اس نے دار الخلافہ شاہ جہاں آباد میں اورنگ زیب عالم گیر (اللہ اس کی سلطنت کو خلود بخشے اور اسے ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رکھے) کے عہد حکومت میں ۲۱ جلوس والا میں اس کی کتابت کی۔“

ابتدائیہ:

اس کتاب کے ابتدا میں مصنف نے بطور تمہید کے یہ سطور تحریر فرمائی ہیں:

یـا دائـما للفضل علینا بتوفیق محامدك، ویا باسطا لا یدینا لتنمین وسـائلك اهـدنـا هـدایة کـافیة علی وجه الکتابة واختم علی خیر امورنا مـن البـدایة الـی الـنهایة وصل علی خلاصة الاصفیاء وید الاتـقیـاء محمد سیّد الرسل والانبیاء وعلی اٰله واصحابه.الاذکیاء والاولیـاء سیـما الخلفاء الراشدین الذین نور واالعالم بضیاء الملة البیـضاء وبعد فیقول العبد الفقیر الی اللّٰه الهادی، محمد امین بن عبیـدالـلّٰـه الـمـومـن اٰبادی، لما صرفت معظم عمری وعنفو انْ شبـابـی فـی مـلازمة الـفـقـهـاء الماهرین فی البلدة الفاخرة بخارا بتـصدیر الواقع وتحقیق الحوادث سألنی کثیر من الفضلاء والجم الـغـفیـر مـن الاذکیـاء لحسن ظنهم فی صرف الهمة الـی تصدر الـوقـائـع التی وشمت بتوقیع ذلك العلماء ومن یتدبروا بانها علی وجـه لاریـب فیها لاحد من الادباء وکنت اعرضت مرامهم لفساد الـزمـان والشـامة لـلهـجرة وشر الاعداء والاوطان، حتی کثر مسئلتهم واستـحـی مـدافـعهـم شرعت فی ذلك المرام، لیکون تبـصرة لـلـمـحـصـلیـن من الخلان وتذکرة للعارفین من الاقران واسـأل الـلّٰـه التـوفیق علی الاتمام، وبیده ازمة التحقیق والانعام وسـمیتـه بـالامیـنیة لـما فیه من الودائع الیقینیة، یا ناظرا سل باللّٰه رحمة علی المصنف واستغفر لراقمه۔

”اے اپنی بے پناہ تعریفوں کی وجہ سے ہم پر ہمیشہ اپنے فضل وکرم کی بارش کرنے والے اور اپنے وسائل کی ہمہ گیریوں کی بدولت ہمارے ہاتھوں کو بسط وفراخی عطا کرنے والے۔ ہمارا دامن اس ہدایت سے بھر دے، جو ہمارے لیے کافی ہو اور شروع

سے آخر تک ہمارے تمام معاملات خیر و عافیت سے اختتام کی منزل تک پہنچا۔ حضرت محمد ﷺ، آپ کی آل پاک باز، صحابہ کرام، بالخصوص خلفائے راشدین پر، جنھوں نے ملت بیضا کی روشنی سے دنیا کو منور کر دیا، صلات و رحمت کی بارش برسا۔ اس کے بعد بندۂ فقیر الی اللہ محمد امین بن عبید اللہ مومن آبادی کہتا ہے کہ جب میں نے اپنی عمر اور عہد شباب کا بڑا حصہ بخارا میں فقہائے ماہرین کی مجالس و خدمت میں فتووں پر مہریں ثبت کرتے اور واقعات علمی کی تحقیق و تفتیش میں گزارا تو مجھے مسائل فقہیہ سے خاص تعلق و انس پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے فضلائے زمانہ کی بہت بڑی تعداد اور اذکیائے عصر کے جم غفیر نے علمی حسن ظن کی بنا پر مجھے کہا کہ میں مسائل فقہی اور علمائے دین اور یگانۂ روزگار اصحاب عقل و تدبیر کے مہر شدہ فتاویٰ کی جمع و تدوین کے لیے کوشاں ہو جاؤں۔ فساد زمانہ اور دشمنوں کے شر کے باعث ہر چند میں اُن کی اس تمنا کی تکمیل سے اعراض کناں رہا، لیکن ان کا اصرار اس قدر بڑھتا گیا کہ میں مزید انکار سے جھجک محسوس کرنے لگا۔ بالآخر میں نے یہ کام شروع کر ہی دیا تاکہ یہ حصولِ علم کے خواہاں دوستوں کے لیے وجہ بصیرت اور ہم عصر اربابِ علم کے لیے موجب تذکرہ ثابت ہو۔ میں اللہ سے اس کے اختتام کی توفیق کا طالب ہوں۔ اسی کے ہاتھ میں تحقیق اور انعام کی زمام ہے۔ میں نے اس کتاب کو ''امینیہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ناظرین کرام، اس کے مصنف کے لیے اللہ کی رحمت اور اس کے راقم کے لیے اس کی مغفرت طلب کیجیے۔''

فہرست مضامین:

مخطوطہ کے آخر میں فہرست مضامین ہے، جو ''فہرست فتاویٰ امینیہ'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل ترتیب سے درج ہے:

کتاب الطهارة، کتاب الصلوٰة، کتاب الزکوٰة، کتاب الصوم، [1] کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب

---

[1] کتاب کے متن میں کتاب الصوم کے آگے کتاب الحج ہے، جو صرف آدھے صفحے پر مشتمل ہے۔ کتاب الحج، فہرست مضامین میں درج نہیں ہے۔

الایمان، کتاب البیع، کتاب الشفعة، کتاب القسمة، کتاب الهبة کتاب الاجارة، کتاب العاریة، کتاب الودیعة، کتاب الغصب، کتاب الرهن، کتاب الکفالة، کتاب الحوالة، کتاب الوکالة، کتاب الشرکة، کتاب المزارعة والمساقاة، کتاب احیاء الموات، کتاب الوقف، کتاب الکراهیة، کتاب الاشربة، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیة، کتاب الصید، کتاب اللقطة واللقیط، کتاب المفقود، کتاب القضایا، کتاب الشهادة، کتاب الاقرار، کتاب الدعوی، کتاب الصلح، کتاب الحدود، کتاب الجهاد، کتاب الجنایات، کتاب الدیات، کتاب الحیطان، کتاب الاکراه، کتاب الحجر والاذن، کتاب الوصایا۔

مصنف فتاویٰ:

اس فتاویٰ کے مصنف کے بارے میں سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا نام محمد امین ہے اور یہ بخارا میں سکونت پذیر رہے ہیں۔ مصنف نے مقدمۂ کتاب میں خود ہی اپنے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ انھوں نے یعنی محمد امین بن عبیداللہ مومن آبادی نے اپنی عمر اور دورِ شباب کا بہت بڑا حصہ بخارا میں اجلۂ فقہا کی صحبت ومجالس میں گزارا اور مسائل فقہیہ اور علوم متداولہ سے خاص تعلق پیدا ہوگیا تو فضلائے زمانہ کی بہت بڑی تعداد اور اذکیائے عصر کے جم غفیر نے ایک خاص نوع کے علمی حسن ظن کی بنا پر ان سے کہا کہ وہ مسائل فقہی اور علماء کے مہر شدہ فتاویٰ کی جمع وتدوین کے لیے کمر ہمت باندھیں۔ چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ مصنف درحقیقت کس خطۂ ارض کے رہنے والے ہیں اور یہ کتاب انھوں نے کہاں تصنیف کی؟ مقدمۂ کتاب، ترتیب کتاب، مصنف کے نام اور مختلف نسخوں کے کاتبوں کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف برصغیر پاک وہند ہی کے کسی علاقے کے باشندے ہیں اور انھوں نے یہ کتاب طویل عرصہ فقہائے بخارا کی علمی مجالس سے مستفید ہونے کے بعد تصنیف کی۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مختلف نسخے، صرف برصغیر کے کتب خانوں

سے دست یاب ہوتے ہیں، دوسرے کسی ملک کی فہرستِ کتب سے کم از کم ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

جس زمانے (۹۴۸ھ۔۱۵۴۱ء) میں یہ کتاب تصنیف کی گئی وہ ہندوستان میں مغل حکمران ہمایوں کی حکومت کا زمانہ ہے۔ ہمایوں علما وفقہا کا قدردان تھا۔ ممکن ہے فتاویٰ امینیہ کے مصنف اسی زمانے میں یا اس سے قبل بابر کے عہد میں حصولِ علم کی غرض سے بخارا گئے ہوں اور وہاں سے واپس ہندوستان آ کر انھوں نے یہ کتاب تحریر کی ہو۔

مآخذ:

فتاویٰ امینیہ حنفی مسائل فقہ پر محیط ہے اور اس کے مآخذ وہی کتابیں ہیں جو حنفی فقہ پر مشتمل ہیں۔ مثلاً فتاویٰ قاضی خاں، الواقعات الحسامیہ، فتاویٰ شیبانی، علامہ سرخسی کی المبسوط، فتاویٰ ابواللیث، المحیط، المنیہ، شرح وقایہ اور مختار الاختیار وغیرہ کتب فقہ۔

بیاض:

پیش نگاہ مخطوطہ تین مقامات سے ناقص ہے اور وہاں بیاض چھوڑے گئے ہیں۔ دیگر کتب فقہ کی طرح یہ فتاویٰ بھی کتاب الطہارۃ سے شروع ہوتا ہے، لیکن کتاب الطہارۃ کا پہلا ورق (یعنی ورق ۲) اس میں موجود نہیں۔ یہاں ایک خالی ورق لگایا گیا ہے۔

دوسرا نقص کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ کتاب الصلوٰۃ (جیسا کہ عنوان کے شروع میں وضاحت کی گئی ہے) دس فصول پر محتوی ہے۔ لیکن درج ذیل پہلی چار فصلیں اس میں موجود نہیں۔

الفصل الاوّل فی الاوقات والاذان

الفصل الثانی فی شرائط الصلوٰۃ وارکانها۔

الفصل الثالث فی الامام والمسجد والمسبوق۔

الفصل الرابع فی المفسدات والمکروهات۔

ان چار فصول میں سے صرف دو سطریں الفصل الاوّل کی اور ایک آخری صفحہ الفصل الرابع کا البتہ کتاب میں موجود ہے۔ باقی تین ورق (۷، ۸ اور ۹) خالی ہیں۔

مخطوطے کے آخر میں کتاب الوصایا ہے۔ اس کے بھی دو آخری ورق ناقص ہیں۔

اب ذیل میں اس کے بعض مضامین کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، تاکہ معزز قارئین کو اس کے محتویات ومشمولات کا اندازہ ہو سکے۔

کتاب الزکوۃ

کتاب الزکوۃ ورق: ۱۶ سے شروع ہو کر ورق ۱۸ اب پر ختم ہوتی ہے اور تین فصول پر مشتمل ہے۔ کتاب الزکوۃ مشتمل علی ثلاثۃ فصول، پہلی فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوۃ کس قسم کے مال سے واجب ہوتی ہے۔ (الفصل الاوّل فی انه علی ای مال یجب الزکوٰة) دوسری میں مصارف زکوۃ کی وضاحت کی گئی ہے۔ (الفصل الثانی فی المصرف) تیسری میں عشر، خراج اور صدقة الفطر کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ (الفصل الثلاث فی العشر والخراج وصدقة الفطر)

کیا مال حرام سے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

فصل اوّل کے شروع میں یہ سوال پیدا کیا گیا ہے کہ ازرُوئے شرع مال حرام سے زکوۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟ مصنف جواب دیتے ہیں: نہیں! اس ضمن میں مصنف کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

دما قولہم ﷺ درآنکہ اگر شخصے را اموال حرام جمع شدہ باشد، خواہ مالک آن معلوم باشد وخواہ نباشد۔ بشریعت بروے زکوۃ باشد بلاسبب شرعی یانے؟

نے: واللہ أعلم۔

استفتا کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس مالِ حرام جمع ہو اور اس کے اصل مالک کا پتا معلوم ہو یا نہ ہو، شرعی اعتبار سے اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں: نہیں واجب ہوگی۔

مصنف نے اس جواب کی وضاحت ایک دوسری کتاب کی عربی عبارت درج کر کے اس طرح کی ہے:

من اسباب وجوب الزکوٰة الذی هو فی المال یکون المال حلالا لا لهٗ لانه اذا کان حرامًا، فلا یخرج من وجهین اما ان یکون له خصم

حاضر فيرده عليه واما ان لا يكون له خصم حاضر، فيعطيه الى الفقراء كله، ولا يحل منه قليل ولا كثير، فالزكوٰة انما يكون فى المال الحلال۔ ❶

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وجوبِ زکوٰۃ کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ زکوٰۃ اُس مال سے واجب ہوتی ہے جو صاحب مال کے لیے حلال ہو۔ جب وہ اس کے لیے حرام ہوگا تو اس مال سے دو وجوہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی۔ اوّل یہ کہ اس مال کا اصل مالک موجود ہے۔ اگر موجود ہے تو اس کے سوا دوسرا کوئی شخص اس کا حق دار نہیں۔ لہٰذا وہ مال اسے لوٹا دیا جائے۔ دوم یہ کہ اصل مالک موجود نہیں۔ اس صورت میں جس شخص کے قبضے میں یہ مال ہے، وہ اس سارے مال کو فقرا میں تقسیم کردے۔ اس میں سے کم یا زیادہ مقدار میں اس کے لیے حلال نہیں۔ اور زکوٰۃ حلال مال سے ہی ادا کی جاسکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف:

کتاب الزکوٰۃ کی دوسری فصل میں جو مصارفِ زکوٰۃ (الفصل الثانی فی المصرف) پر محیط ہے، اس سلسلے کے متعدد مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی اہل علم کے پاس دو سو درہم کی کتابیں ہوں (دو سو درہم کی رقم نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے) اور وہ کتابیں تجارت وفروخت کے لیے نہ ہوں بلکہ درس وتدریس اور مطالعہ کے لیے ہوں اور اس شخص کی مالی حالت اچھی نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ وصدقہ قبول کرنا جائز ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کتابیں حدیث کی ہوں یا فقہ کی یا ادب کی۔ چوں کہ وہ مطالعہ ودرس کے لیے ہیں، لہٰذا ان کی حیثیت اس لباس کی سی ہوگی جو کسی نے پہن رکھا ہو، لیکن اگر کتابیں ضرورت سے زائد ہوں تو صدقہ قبول کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس ضمن میں فتاویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

> وما قولہم رضی اللہ عنہم درآنکہ طالب علم کتب دارد کہ قیمت آں بحساب میرسد وبایں کتب احتیاج دارد بجہت قرأت ودرس، بشریعت اور اگرفتن زکوٰۃ جائز باشد؟
>
> باشد: واللّٰہ أعلم۔

---

❶ ورق: ۱۶۔

رجل له كتب العلم وما يساوي مائتي درهم، بل يحل له ان ياخذ الزكوٰة، ان كانت الكتب مما يحتاج اليها للحفظ والدرس والصحيح لايكون نصابا وحل له اخذ الصدقة فقها كان او حديثا او ادبا، لانه مشغول بحاجته، فصار كثياب اللبس، وان كان زائدا على قدر الحاجة، لا يحل له اخذ الصدقة۔ ❶

ان فارسی اور عربی عبارتوں کا مفہوم وہی ہے، جو اوپر گزر چکا ہے۔

زکوٰۃ کا ایک اور مصرف:

بعض اوقات بعض افراد کی ظاہری حالت لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور ان پر استغنا کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، حالانکہ ان کے باطن میں جھانک کر دیکھا جائے تو وہ مستحق زکوٰۃ وصدقہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا اندازِ زیست اس قسم کا ہوتا ہے کہ کسی کو ان کی تنگ دستی اور احتیاج کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ بظاہر ان کے پاس مکان، خدام، سامانِ زیست، پہننے کے لیے لباسِ گوناگوں اور مال و اسباب سب چیزوں کی فراوانی ہوتی ہے، مگر درحقیقت وہ نادار ہوتے ہیں۔ ان کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھانا اور انھیں زکوٰۃ دینا چاہیے، جب تک کہ وہ مالی لحاظ سے خود زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل نہ ہوجائیں۔ اس بارے میں الفصل الثانی فی المصرف میں مصنف فتاویٰ لکھتے ہیں:

ما قولہم ﷺ، درآنچہ باوجود آنکہ شخصے را مسکن وخادمان وچیز ہادرکد خدائی بآں احتیاج دارد از امتعہ وطبق گلیم وجامہا پوشیدنی وسلاح وغیر آں وغیر ایں اشیامی دارد کہ مالک نصاب شود، نباشد اور ابشریعت بایں شخص زکوٰۃ دادن بہ او جائز باشد یا نے؟

بینوا! توجروا، باشد واللہ أعلم۔

ولا باس بصرف الزكوٰة الى من له مسكن وخادمون، وما يحتاج اليه في الكد خدئية، من الاناث والامتعة، وثياب البذل والسلاح ونحو ذلك مالم يملك ذلك نصابا، اوما يساوي نصابا سواء كان

---

❶ ورق: ۱۶۔

للتجارة، او لم يكن مختص له۔[1]

اس فارسی اور عربی کا مطلب وہی ہے جو پہلے بیان کیا گیا۔

کتاب النکاح

اس عورت کے نکاح کی شہادت جس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہو:

کتاب النکاح میں مصنف فتاویٰ نے اس موضوع سے متعلق متعدد مسائل بیان کیے ہیں۔ ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت چہرے پر نقاب لٹکائے ہوئے ہو اور گواہوں کے سامنے اس طرح بیٹھی ہو کہ وہ اسے دیکھ اور پہچان نہ سکتے ہوں اور جس شخص سے وہ نکاح کی خواہاں ہے وہ مجلس میں موجود ہو۔ اب گواہوں کی موجودگی میں وہ مرد اور باپردہ عورت ایک دوسرے کے نکاح میں آجائیں اور یہ کہیں کہ ہم آپس میں بیوی خاوند ہیں تو ان کی بات ازروئے شریعت صحیح ہوگی اور ان کا عقد اور گواہوں کی موجودگی میں (اگرچہ گواہ عورت کو نہ پہچانتے ہوں) ان کا ایجاب وقبول بالکل صحیح اور نافذ سمجھا جائے گا۔ مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وما قولہم ﷺ، درآنکہ زید، زینب حاضرہ منقبہ رابزنی خواست وزینب نفس خود رابزنی بزید داد بحضور شہود عدول۔ بشریعت بینہما عقد نکاح منعقد شدہ باشد؟

شدہ باشد: واللّٰہ أعلم۔

وان كانت المرأة حاضرة الا انها منقبة لا يعرفها الشهود، فقال الزوج تزوجتها، فقالت امرأة زوجت جاز، هو المختار۔[2]

نکاح خواں صغائر (بے ولی) کے نکاح کی اُجرت نہیں لے سکتا:

اس سلسلے میں مصنف نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ نکاح خواں اگر (بے ولی) لڑکے لڑکیوں کا نکاح پڑھائے تو ان سے اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ نکاح خوانی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ مصنف فرماتے ہیں:

ما قولہم ﷺ، درآنکہ قاضی را نکاح صغائر بشریعت اُجرت گرفتن حلال باشد یانے؟

---

[1] ورق: ۱۷۔
[2] ورق: ۲۱۔

نے! واللہ أعلم۔

اخذ القاضی الاجرۃ فی نکاح الصغائر لیس بجائز، لانہ واجب علیہ۔ ❶

کم سن لڑکی کا نکاح غیر کفو میں صحیح نہیں:

کتاب النکاح میں مصنف فتاویٰ نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ کم عمر لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کردے تو ایسا نکاح شرعی لحاظ سے صحیح متصور ہوگا یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں: یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں:

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآنکہ برتقدیر کہ زید پدر زینب صغیرہ، زینب را بعمرو کہ غیر کفوِ زینب است، دہد، بشریعت ایں نکاح جائز باشد یا نے؟

نے واللہ أعلم۔

اس کی تائید میں فتاویٰ ابواللیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الاب لوزوج صغیرۃ من غیر کفولم یجز۔ ❷

یعنی اگر باپ کم سن لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کردے تو جائز نہیں ہوگا۔

کتاب الطلاق

کتاب الطلاق آٹھ فصلوں پر مشتمل اور سترہ اوراق پر محیط ہے اور اس موضوع سے متعلق اس میں تمام تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اگر طلاق کی گنتی میں شک پڑ جائے:

اس میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہو اور بعد میں اسے شک پڑ جائے کہ معلوم نہیں ایک طلاق دی ہے یا تین طلاقیں تو شک کا فائدہ مطلقہ بیوی کو پہنچے گا۔ اور فقہی لحاظ سے یہ ایک ہی طلاق متصور ہوگی۔ مصنف بصورت استفتا تحریر فرماتے ہیں:

وما قولہم رضی اللہ عنہم درآنکہ زید راشک است دریں کہ زوجۂ وے سہ طلاق است یا یک

---

❶ ورق: ۲۲۔ ❷ ورق: ۲۳ ب۔

طلاق۔ بشریعت تایقین نشود زید را کہ سہ طلاق است یا ظن غالب نشود اورا بر سہ طلاق بودن، ایں زن بشریعت زوجۂ زید شود واو را زائد از یک طلاق شود یا نے؟

نے! واللّٰہ أعلم۔

مصنف کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی گنتی میں شک پڑ جانے کی صورت میں طلاق ایک ہی شمار ہوگی، اس سے زیادہ شمار نہ ہوگی۔

اپنے جواب کی تائید میں مصنف نوادر ابن سماعہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

في نوادر ابن سماعة، عن محمد اذا شك انه طلق واحدة او ثلاثا فهي واحدة حتى يتيقن، او يكون اكثر ظنه على خلافه۔ [1]

یعنی جب تک مرد کو یقین نہ ہو جائے کہ بلاشبہ طلاقیں تین ہی تھیں، ایک نہ تھی یا اس کا ظن غالب تین کا نہ ہو، ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔

شوہر غائب ہو تو بیوی کے اخراجات کون ادا کرے؟

کتاب الطلاق کی آٹھویں فصل میں مصنف فتاویٰ نے یہ مسئلہ موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ کسی عورت کا شوہر غائب ہو تو اس کے اور اس کے بچوں کے نان ونفقہ کی کیا صورت ہوگی اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ مصنف فرماتے ہیں: عورت کے شوہر کا باپ اس کو اور اس کے بچوں کو نان ونفقہ مہیا کرے گا۔ اگر باپ انکار کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کے اخراجات کی کفالت کرے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اس قسم کی ذمہ داری "اقرب" پر عائد ہوتی ہے۔ چوں کہ باپ بحیثیت باپ، بیٹے کا اقرب ہے۔ لہٰذا وہی اس کی بیوی بچوں کے اخراجات برداشت کرے گا۔

مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

زید پسر عمرو، غائب است وزینب زوجۂ زید احتیاط بنفقہ دارد وزید برائے او نفقہ بگذاشتہ است۔ بشریعت نفقۂ زینب بر عمرو باشد۔

مصنفؒ اس کی تائید میں فقہ کی کسی کتاب کا نام لیے بغیر اس سے درج ذیل عبارت نقل کرتے ہیں، جس میں دو مزید مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔

---

[1] ورق: ۱۳۱ ب۔

يجبر الاب علـى نفقة امرأة ابنه الغائب وولدها، وكذا الام على نفقة الولد يرجع بها على الاب وكذا الاجداد اذا غاب الاقرب۔[1]

یعنی بیٹے کے غائب ہونے کی صورت میں، اس کی بیوی اور بچوں کے اخراجات پورا کرنے پر (غائب کے) باپ کو مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح جب تک باپ اپنی ذمہ داری نہیں سنبھال لیتا، ماں کو اپنی اولاد کی کفالت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اسی طرح دادوں میں سے جب اقرب غائب ہوگا تو کسی اقرب کو ہی کفالت پر مجبور کیا جائے گا۔

اگر غائب شدہ شوہر کا کوئی غلام ہو:

مصنف نے اس سلسلے میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا کوئی غلام یا ملازم موجود ہو، تو عورت کو چاہیے کہ اس کی اطلاع قاضی کو دے۔ قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس غلام کو حکم دے کہ وہ محنت مزدوری کر کے یا کوئی کاروبار کر کے اپنے مالک کی بیوی کے اخراجات پورے کرے اور اس کے اور اس کے بچوں کے لیے نان ونفقہ مہیا کرے۔ الفاظ یہ ہیں:

زید از نزدِ زینب زوجۂ خود، بے نفقہ غائب شدہ است و زید را غلام مملوک کاسبی ہست، بشریعت رسد قاضی اسلام را کہ بالتماس زینب، ایں غلام را فرماید تا از کسبِ خود برائے نفقہ زینب چیزے دہد۔

مصنف نے اس کی تائید میں فتاویٰ السراجیہ اور الناصریہ کی حسب ذیل عبارت درج کی ہے:

فـي الـفتاوىٰ السراجية والناصرية لامرأة الغائب زوجها، ان يرفع الامر الى القاضي حتى يامر عبد الغائب ان ينفق عليها من كسبه۔[2]

اگر شوہر مال و دولت چھوڑ کر چلا گیا ہو؟

اس ضمن میں مصنف کتاب، فتاویٰ ظہیریہ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اگر غائب شدہ شوہر کا کوئی مال و دولت یا جائداد بصورتِ جنس یا نقدی موجود ہو تو عورت کو چاہیے کہ قاضی کی طرف رجوع کرے اور اسے جائداد کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ اگر یہ بات قاضی کے علم میں آ جائے تو قاضی کا فرض ہے کہ دو چیزوں کے ثابت ہو جانے کے بعد اس جائداد سے عورت کے

---

[1] ورق: ۴۶۔ [2] ورق: ۴۶۔

نان ونفقہ کا انتظام کردے۔ ایک یہ کہ کیا فی الواقع یہ جائداد یا مال و دولت اسی غائب شدہ آدمی کی ملکیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس عورت سے حلف لے کہ وہ فی الواقع اس کی منکوحہ ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوجائیں تو وہ عورت اس مال سے اپنے اخراجات پورا کرنے کی مستحق ہوجاتی ہے۔

اس مسئلے کے متعلق فتاویٰ امینیہ کے مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

زید از نزدِ زینب زوجۂ خود بے نفقہ غائب شدہ است وزید رانزد خالد مالے ہست از جنس، زینب از قاضی التماس می کند کہ نفقہ اورا دریں مالِ زید فرض کند وقاضی عالم است بایں کہ زینب در نکاحِ زید است وایں مالِ زید است، بشریعت رسد قاضی اسلام را کہ بعد ازانکہ زینب راسوگند دہد کہ برائے وے نفقہ نگزاشتہ است۔ نفقہ زینب رادریں مال فرض کند۔ واللہ أعلم۔

اس کی تائید میں مصنف رحمہ اللہ فتاویٰ ظہیریہ کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

اذا غاب الزوج وله مال حاضر وطلبت المرأة النفقة، فرض لها القاضي بالنفقة اذا علم بالنكاح، لان هذا ايفاء ليس بقضاء لان القاضي عرف سبب النفقة، وهو النكاح لكن بشرط ان ينظر الغائب وذلك ان يحلفها انه لم يعطها نفقة۔ [1]

کتاب الایمان

اس عنوان کے تحت قسموں کے بارے میں متعدد مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

کتاب الایمان کی پہلی فصل میں قسم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر ایک شخص کسی ایک معاملے میں بیک وقت بہت سی قسمیں کھالے تو وہ تمام قسمیں ایک دوسری سے وابستہ ہوجائیں گی اور ایک ہی متصور ہوں گی۔ لہٰذا اس قسم کی تمام قسموں کا الگ الگ کفارہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ ایک ہی کفارہ تمام قسموں کی طرف سے کافی ہوگا۔

مصنف لکھتے ہیں:

[1] ورق: ۴۶ ب۔

”اگر شخصے سوگندانِ متعدد خوردہ باشد۔ بشریعت بیک کفارت از عہدہ جمیع بیروں آید۔“

اس کی تائید میں مصنف نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

الایمان اذا کثرت تداخلت، ویخرج بالکفارۃ الواحدۃ عن عھدۃ الجملۃ ھذا قول محمد. [1]

توبہ کے بعد ارتکابِ فسق کے بارے میں:

قسم کے سلسلے میں مصنف نے ایک بات یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص فاسق ہے اور وہ فسق سے یہ لفظ کہہ کر تائب ہوتا ہے کہ اگر میں دوبارہ مرتکب فسق ہوا تو مجھے رافضی سمجھا جائے۔ اب وہ فسق کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ سوال یہ ہے، کیا شرعاً اسے رافضی تصور کیا جائے گا اور اس پر رفض کی مہر ثبت کی جائے گی؟ مصنف فرماتے ہیں:

اس ارتکاب فسق کی بنا پر اسے رافضی نہیں کہا جائے گا، بلکہ اسے محض عاصی اور گنہگار گردانا جائے گا۔ مصنف فتاویٰ یہ بات اس پیرایۂ بیان میں ضبط تحریر میں لائے ہیں:

زید از فسق توبہ کردہ وگفتہ است۔ اگر من بعد ایں فسق باز کردم رافضی باشم۔ وبعد ازاں زید مرتکب ایں فسق شدہ۔ بشریعت زید مذکور رافضی شدہ باشد؟ وبدیں سبب بر رفض وی گواہی می تواں داد یا نے؟ نے! واللہ اعلم۔

اس کی تائید میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ جواہر الفتاویٰ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

فاسق تاب وقال ان رجعت الی ذلك فاشھد واعلی انی رافضی فرجع لا یکون رافضیا، بل یکون عاصیا، ولا یجوز الشھادۃ ان یشھدوا علیہ انہ رافضی۔ [2]

اگر مال نہ کھانے کی قسم کھالے اور بعد میں اس کا وارث بن جائے؟

قسم کے باب میں یہاں مصنف نے ایک مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک شخص یہ قسم کھالے کہ میں فلاں شخص کے مال اور کمائی سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ اس کے بعد وہ شخص (جس کا مال نہ کھانے کی قسم کھائی تھی) فوت ہو جاتا ہے اور قسم کھانے والا اس کے مال کا وارث

---

[1] ورق: ۵۲ ب۔ [2] ورق: ۵۳ ب۔

قرار پاتا ہے۔ وہ مال اس کے قبضے میں آجاتا ہے اور اسے وارث ہونے کی بنا پر کھالیتا ہے۔ کیا اس صورت میں وہ حانث ہوگا؟ یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور اسے اس قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟

مصنف کہتے ہیں: قسم کھانے والا حانث ہوگا۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

زید سوگند خوردہ کہ از کسب عمرو نخورد، بعد ازاں عمرو فوت شد و از مکسوباتِ عمرو، بر زید میراث رسیدہ و زید ازاں مال خوردہ، بشریعت زید حانث شدہ باشد۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس کی تائید میں فتاویٰ قراخانی کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

ولو حلف لا یأکل من کسب فلان، فمات المحلوف علیه، فورث الحالف فاکله، حنث، لانه کسب المیت۔ [1]

کتاب الاجارہ

مصنف نے کتاب الاجارہ میں، اجارہ سے متعلق بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔

کم سن بچے کا روٹی کپڑے پر اجارہ:

مثلاً کتاب الاجارہ میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص اگر کسی خاص وجہ سے یا اپنی غربت و تنگ دستی سے مجبور ہو کر اپنے کم سن بچے کو کسی کے ہاں محض روٹی کپڑے کے بدلے میں کام کرنے پر لگادے تو کیا یہ اُجرت صحیح ہوگی؟ مصنف لکھتے ہیں: صحیح نہیں ہوگی۔ اور اس اجرت کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ اس کی اُجرت وہی قابل قبول ہوگی، جو اس عمر کے بچوں کی عام طور پر اس نواح میں رائج ہو۔ اس شخص نے اس بچے کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر جو روٹی کپڑا دیا وہ اس بچے کے لیے صدقہ قرار پائے گا اور اس سے اصل اُجرت وصول کی جائے گی۔

مصنف نے یہ بات ان الفاظ میں بیان کی ہے:

زید پسر صغیر خود را باجارہ عمرو دادہ است بطعام و کسوہ۔ بشریعت ایں اجارہ فاسد باشد و بر عمرو اجر مثل ایں صغیر باشد و آنچہ بطعام و کسوہ او صرف کردہ است در آں متبرع باشد۔

قنیہ کے حوالے سے مصنف فتاویٰ نے اس کی تائید میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

اجر ابنه الصغیر بطعام وکسوة، فهی فاسدة وله اجر المثل وما دفع

---

[1] ورق: ۹۷۔

الی الصبی یکون متبرعًا۔❶

کتاب الوکالہ

وکالت اور تفویض اختیارات کے سلسلے میں مصنف کتاب الوکالہ میں بے شمار باتیں معرض تحریر میں لائے ہیں:

وکالت کا دائرہ:

جن میں ایک یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے، میں تمھیں اپنے تمام معاملات میں وکیل ومختار مقرر کرتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کیا وہ فی الواقع اس کے تمام معاملات میں بااختیار ہوگا، یا اس کی وکالت وذمہ داری کا دائرہ محدود ہوگا اور اس کلیت سے کچھ چیزیں مستثنیٰ بھی ہوں گی؟

مصنف لکھتے ہیں: اگرچہ اس نے قولاً کسی شخص کو اپنے تمام معاملات کا وکیل ومختار بنادیا ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے اختیارات بہرحال محدود ومتعین ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صرف بعض چیزوں کی خرید وفروخت میں وکیل ومختار ہوگا۔ ہبہ اور اعتاق یعنی غلام آزاد کرنے میں اس کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اس کا تعلق اصل مالک ہی کی ذات سے رہے گا۔ اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

> اگر زید، عمرو را گفتہ باشد تو وکیل من در ہرشی۔ بشریعت عمرو در ہبہ و اعتاق وکیل زید شود یانے؟ نے! واللہ أعلم۔

مصنف اس ضمن میں بطور دلیل فتاویٰ قاضی خاں کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

> اذا قال انت وکیلی فی کل شیٔ، عن ابی حنیفۃؒ انه وکیل فی المعاوضات، لافی الهبات والاعتاق وعلیه الفتویٰ۔❷

حق وکالت کس صورت میں ختم ہوجاتا ہے؟

کتاب الوکالہ میں اس موضوع سے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے، مصنف وضاحت کرتے ہیں کہ وکیل کا حق وکالت کس صورت میں ختم ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہیں: اگر وکیل اپنے

---

❶ ورق: ۹۷۔ ❷ ورق: ۱۱۹ ب۔

مؤکل کے بارے میں کسی مجلس میں ایسی بات کہہ دے جو اس کے مفاد کے منافی ہو، اور ایسا بھید ظاہر کردے جس سے مؤکل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے وہ حق وکالت سے محروم ہوجائے گا۔ اور اگر اس کا علم قاضی کو ہوجائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس وکیل کو مؤکل کی طرف سے بات کرنے سے روک دے۔ مصنف اس بات کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

''وکیل در خصومت اگر اقرار کند بمدعاءِ خصم در غیر مجلس قضا بشریعت ایں اقرار درست باشد و ایں وکیل معزول شود یا نے؟ معزول شود۔''

اس کی تائید کے لیے مصنف فتاویٰ، فقہ کی کسی کتاب کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

الوکیل بالخصومة اذا اقر فی غیر مجلس القضاء لایصح اقراره، ولکن یخرج من الوکالة، ولا یسمع القاضی خصومته۔ ❶

کتاب الوقف

وقف کے سلسلے میں مصنف نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے تمام گوشوں کو مصرح کردیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

واقف اور نگرانِ وقف کی معزولی:

وقف کے ضمن میں مصنف فتاویٰ نے اس مسئلے کو ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ قاضی، واقف یا وقف کے نگران و منتظم کو معزول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کس صورت میں؟

مصنف لکھتے ہیں:

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآں مسئلہ کہ زید وقف لازم شرعی کردہ است و شرط کردہ است کہ متولی خود باشد و سلطان و قاضی را ولایتِ عزل او نباشد۔ بشریعت اگر زید مامون نباشد در ولایت وقف، ایں شرط باطل باشد، و قاضی را ولایت عزل او باشد و نصب غیر او باشد بتولیت۔

یعنی زید اپنی کسی جائداد کو شرعی اعتبار سے وقف کردیتا ہے اور شرط یہ عائد کرتا ہے کہ اس وقف کا متولی وہ خود ہوگا، سلطان اور قاضی کو اس کی معزولی کا حق نہ ہوگا۔ شرعی اعتبار سے اگر زید

❶ ورق: ۱۲۲۔

اس وقف کا صحیح امین نہیں ثابت ہوتا تو یہ شرط باطل ہو جائے گی اور قاضی کو اس کی معزولی اور اس کے بجائے دوسرے آدمی کی تقرری کا حق حاصل ہوگا۔

فتاویٰ امینیہ کے مصنف اس کی تائید میں فتاویٰ قاضی خاں اور تجنیس کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

لو ان الواقف شرط الولایة لنفسه وشرط ان لیس للسلطان ولا للقاضی عزلهٗ ان لم یکن ما مونا فی ولایة الوقف کان الشرط باطلا، وللقاضی ان یعزله وتولی غیره، قاضی خان، وکذا فی التجنیس فی کتاب الوقف للقاضی ان یعزل القیم الذی نصبه الواقف، اذا کان غیر اللوقف۔ ❶

(اس عبارت کا ترجمہ وہی ہے، جو اوپر کی عبارت کا ہے۔)

اس کے ساتھ ہی مصنف لکھتے ہیں: متولی کے لیے وقف جائداد کا غلط استعمال کرنا، اس میں ظلم و استبداد کا مظاہرہ کرنا، یا اس کی فروخت کے درپے ہونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ❷

سلطان صرف قاضی کو معزول کر سکتا ہے:

وقف کے بارے میں مختلف امور پر گفتگو کرتے ہوئے، فتاویٰ امینیہ کے مصنف نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اگر مصارف وقف سے متعلق عدمِ اطمینان اور شک و شبہ کی کوئی صورت اُبھر آئے اور معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو سلطان متعلقہ قاضی کو معزول کر سکتا ہے، کسی اور کو نہیں۔ چنانچہ مصنف اس سلسلے میں ایک سوال پیدا کر کے خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

ما قولہم رضی اللہ عنہم، درآں کہ سلطان را جائز باشد شرعاً غیر قاضی را مثل مدرس و مشرف و متولی عزل کند؟ نے!

''یعنی کیا سلطان کے لیے سوائے قاضی کے شرعاً جائز ہے کہ مدرس، منتظم اور متولی وغیرہ کو معزول کر دے؟

جواب: نہیں!

---

❶ ورق: ۱۲۸ ب۔ ❷ ایضاً۔

مصنف فتاویٰ اس کی تائید میں کسی اور حوالے سے فرماتے ہیں:

لا یجوز للسلطان عزل غیر القاضی نحو الشرف والمدرس والمتولی۔ ❶

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سلطان کے لیے جائز نہیں کہ وہ سوائے قاضی کے منتظم، مدرس، متولی اور اس قسم کے دوسرے افراد کو معزول کرے۔ یعنی وہ صرف قاضی کو معزول کر سکتا ہے، کسی اور کو نہیں۔

اگر واقف محتاج و قلاش ہو جائے:

واقف کے سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقف مفلس و قلاش ہو جائے اور اس پر غربت و احتیاج کا شدید غلبہ ہو جائے تو کیا کرے۔ کیا وہ اس صورت میں جائداد موقوفہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو کس شکل میں؟ مصنف فتاویٰ استفتا اور اس کے جواب کے انداز میں لکھتے ہیں:

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآں شخصے کہ مِلکِ خود را وقف کردہ وایں وقف مسجد نشدہ وایں شخص فقیر شدہ واحتیاج بایں وقف شدہ اور اشرعا رسد قاضی اسلام را کہ بالتماس ایں شخص فسخ کند ایں وقف را؟ رسد۔ واللہ اَعلم۔

”یعنی علمائے کرام اس مسئلے کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی جائدادِ مملوکہ وقف کر دیتا ہے اور یہ وقف بہ صورتِ مسجد نہیں ہے۔ وقف کے بعد یہ شخص اس درجہ افلاس و تنگ دستی میں گھر جاتا ہے کہ اس وقف کا محتاج ہو جاتا ہے۔ کیا شرعاً اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ قاضی اسلام سے اس وقف کے فسخ کی درخواست کرے اور قاضی اس کی درخواست پر یہ وقف فسخ کر دے؟ مصنف جواب دیتے ہیں: اسے حق پہنچتا ہے اور قاضی اس وقف کو فسخ کرنے کا مجاز ہے۔“

الخلاصہ کے حوالے سے فتاویٰ امینیہ کے مصنف اس کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں:

الواقف اذا افتقر و احتاج الی الوقف یرفع الی القاضی، حتی

---

❶ ورق: ۱۲۸ ب۔

يفسخ ان لم يكن مسجدا۔ ❶

ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ واقف اگر قلاش ہوجائے اور وقف کا محتاج ہوجائے تو قاضی سے اس کے فسخ کی درخواست کرسکتا ہے (اور قاضی اس کو فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے) بشرطیکہ یہ وقف بہ صورتِ مسجد نہ ہو۔

کتاب الکراھیۃ

کتاب الکراہیہ میں ایسے بہت سے امور بیان کیے گئے ہیں، جن کا ارتکاب ممنوع و مکروہ ہے۔ یہ بحث بڑی دل چسپ ہے۔ اس میں مصنف فتاویٰ نے بعض مسائل کے سلسلے میں قاضی احمد بن محمد نظام الدین جون پوری (م ۸۷۵ھ) کے فتاویٰ ابراہیم شاہی کے حوالے بھی دیے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا احمد بن ابوالقاسم دولت آبادی کے رسالہ اسباب الفقر والغناء ❷ کا بھی بطورِ حوالہ ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں امام الحرمین استاذ الثقلین، ضیاء الملت السنامی کے کسی رسالے سے بھی استشہاد کیا ہے۔ ذیل میں کتاب الکراہیہ سے چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآنِ مجید سے فال:

کتاب الکراہیہ کا آغاز اس مسئلے سے ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید سے فال لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ مصنف بطورِ استفتا لکھتے ہیں:

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآنکہ بشریعت گرفتن فال از مصحف مکروہ باشد یا نے؟ باشد!

"یعنی علمائے کرام کا اس بارے میں کیا فرمان ہے کہ ازروئے شریعت قرآن سے فال لینا مکروہ قرار پاتا ہے یا نہیں؟"

(مصنف جواب دیتے ہیں) مکروہ قرار پاتا ہے۔ تائید میں شرح مختصر ملا شمس الدین محمد کی یہ عبارت تحریر کرتے ہیں:

اخذ الفال من المصحف مکروہ۔ ❸

---

❶ ورق: ۱۲۹۔

❷ اس رسالے کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۷۵۔

❸ ورق: ۱۳۲۔

یعنی قرآن سے فال لینا مکروہ ہے۔

اُمرا سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں:

اُمرا سے تحفہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس کے متعلق مصنف ان الفاظ میں ایک سوال پیدا کرتے ہیں اور پھر ساتھ ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآں کہ گرفتن ہدیہ از امرائے ایں زمان کہ اہل جور اند بشریعت جائز باشد، چوں معلوم نیست کہ اکثر مالِ ایشاں حلال است یا نے؟ نے! واللہ اَعلم۔

"علمائے کرام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ اس دور کے امرا سے، جو کہ اہل جور ہیں، ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ اُن کے مال کا زیادہ تر حصہ حلال پر مشتمل ہے یا نہیں؟"

(مصنف جواب دیتے ہیں:) حلال نہیں! واللہ اَعلم۔

اس کے نیچے مختار الفتاویٰ کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

ولا يجوز قبول هدية امراء الجور الا اذا علم ان اكثر ماله حلال۔ ❶

"یعنی امرائے جور سے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، سوائے اس صورت کے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے مال کا اکثر حصہ حلال پر مشتمل ہے۔"

ساتھ ہی فرماتے ہیں:

ولا ينبغي للفقيه ان يأكل طعام السلطان . ❷

"فقیہ کو سلطان کے ہاں کھانا نہیں چاہیے۔"

تدفین کے بعد میت کی منتقلی:

کتاب الکراہیہ میں مصنف فتاویٰ نے اس بات کو بھی ہدفِ موضوع ٹھہرایا ہے کہ تدفین کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مختار الفتاویٰ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

نقل الميت بعد الدفن من بلدة الى بلدة ليس بحرام . ❸

"یعنی دفن کے بعد میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا حرام نہیں۔"

---

❶ ایضاً۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ورق: ۱۳۴ حاشیہ۔

کتاب الشہادۃ

شہادت اور گواہی سے متعلق مصنف نے بہت سی باتیں ذکر کی ہیں۔ مصنف نے بعض آداب واوصاف بیان کیے ہیں، جن کا گواہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ بعض آداب ایسے ہیں کہ اگر گواہ ان سے محروم ہو تو اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔

برسر عام کھانے والے کی شہادت:

ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ گواہ مہذبانہ زندگی بسر کرتا ہو اور اسے بازار میں کھانے پینے کی عادت نہ ہو۔ مصنف لکھتے ہیں:

وما قولہم رحمہم اللہ، درآنکہ بشریعت گواہی کسے کہ در بازار، روبرو مردم چیزے می خورد، مقبول باشد یا نے؟ نے!

"یعنی جو شخص بازار میں لوگوں کے روبرو کوئی چیز کھاتا ہے، اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں؟"

مصنف فرماتے ہیں: نہیں! تائید میں کتب فقہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لا شهادة لمن يأكل في السوق بين الناس . [1]

"جو شخص لوگوں کے سامنے بازار میں کھاتا ہے، اس کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

کتاب القضاء

فتاویٰ امینیہ کے مصنف نے کتاب القضاء میں قاضی کے فرائض وآداب سے بھی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ قاضی میں کن اوصاف ومحاسن کا پایا جانا ضروری ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: قاضی کے فرائض میں سے ایک فرض یہ ہے کہ اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ فریقین کے گواہوں کی زندگی کے بارے میں بہرصورت معلومات فراہم کرے۔ اگر گواہ کبوتر باز ہو، یا لہو ولعب میں مشغول رہتا ہو، یا اس کی عادت ادھر اُدھر تانک جھانک کی ہو تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کی شہادت قبول نہ کرے، کیونکہ شاہد کا ثقہ اور باوقار ہونا

---

[1] ورق: ۱۴۶۔

ضروری ہے۔

مصنف لکھتے ہیں: اگر کسی کو صرف کبوتر رکھنے اور پالنے کا شوق ہو، اُڑانے سے دلچسپی نہ ہو تو اس کی حیثیت دوسری ہوگی۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں: لیکن اس قسم کے اُڑنے والے جانور کو محبوس اور مقید رکھنا بھی تو بری بات ہے۔

آداب اکل وشرب:

مصنف فتاویٰ نے کتاب الاشربہ میں کھانے پینے کے آداب کی وضاحت کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے لکھا ہے کہ کھانا خاموشی سے کھانے کی نسبت بہتر یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت آپس میں اچھی اور عمدہ باتیں کی جائیں۔ اس سے کھانے والوں میں بعض اوقات ایک نوع کا جو حجاب سا پیدا ہو جاتا ہے، وہ باقی نہیں رہتا، اور سب بے تکلفی سے کھانا کھاتے ہیں۔ اگر کھانے کے وقت خاموشی طاری رہے، تو مجلس طعام میں ایک قسم کی گھٹن سی پائی جاتی ہے، جو ایسے موقع پر ذہنی طور سے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔

(۹)

المتانة فی مرمة الخزانة

برصغیر پاک و ہند میں خطۂ سندھ کو باب الاسلام کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں متعدد علما و فقہا باہر سے بھی تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے اور خود اس خطۂ ارض نے بھی اس قسم کے بے شمار حضرات پیدا کیے، جنھوں نے قابل رشک علمی اور فقہی خدمات انجام دیں۔

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی:

ان علمائے گرامی قدر کی عظیم المرتبت جماعت میں دسویں صدی ہجری کے لائق احترام عالم و فقیہ، علامہ مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبدالکریم المشہور بہ میران بن یعقوب بوبکانی سندھی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ ان کی فقہی تصنیف ''المتانۃ فی مرمتہ الخزانۃ'' مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اور عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ) میں سندھی ادبی بورڈ کراچی (لجنۃ احیاء الادب السندی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، جس پر عربی میں مولانا ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو بڑا معلومات افزا ہے۔ افسوس ہے، اس کتاب کے مصنف علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی [1] کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریۂ ''بک'' یا ''بوبکان'' سندھ کے مراکز علمیہ میں سے تھا، جس میں ایک عرصے سے رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے کچھ لوگ آباد تھے۔ یہ نہایت قانع اور عابد و زاہد لوگ تھے۔ چونکہ یہ طویل مدت سے خدمتِ علم میں مشغول چلے آ رہے تھے، لہٰذا ان کو ''مخدومین'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

---

[1] بوبکان علاقہ سندھ کے ایک شہر کا نام ہے، جو سیوستان سے بجانب غرب دو فرسخ کی مسافت پر واقع ہے۔ ''بوبک'' اس کے بانی کے جداعلیٰ کا نام تھا۔ درحقیقت اس کا نام ابوبکر تھا، جو بہ صورت تخفیف ''بوبک'' سے معروف ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو: حاشیہ المتانہ صفحہ: ۱)

ان خوش بخت حضرات میں ایک بزرگ علامہ مخدوم عبدالکریم تھے، جو شیخ میران کے نام سے معروف تھے اور بہت بڑے عالم وفقیہ تھے۔ انھوں نے تمام عمر درس و تدریس میں صرف کردی اور بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا۔ سندھ کے حکمران مرزا حسن بیگ ارغون کا نام بھی ان کے تلامذہ کی فہرست میں مرقوم ہے۔ سیّد عبدالحی حسنی لکھنویؒ تاریخ سندھ کے حوالے سے ''الشیخ میران السندی'' کے عنوان کے تحت نزہۃ الخواطر میں رقم طراز ہیں:

الشیخ الفاضل میران بن یعقوب التتوی السندی احد کبار العلماء درس وافاد مدۃ عمرہ واخذ عنہ مرزا شاہ حسن صاحب السند وخلق کثیر من العلماء مات سنۃ تسع و اربعین وتسعمائۃ فارخ لوفاتہ بعضھم علامہ وارث الانبیاء وقبرہ علی جبل مکلی۔ ❶

''یعنی شیخ، فاضل میران بن یعقوب ٹھٹھوی سندھی، کبار علما میں سے تھے۔ عمر بھر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ والیٔ سندھ مرزا شاہ حسن اور کثیر تعداد پر مشتمل علما نے ان سے اخذ علم کیا۔ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے ''علامہ وارث الانبیاء'' سے ان کی تاریخ وفات نکالی۔ قبر جبل مکلی پر واقع ہے۔''

صاحب نزہۃ الخواطر ان کو ''ٹھٹھوی'' اس لیے قرار دیتے ہیں کہ ان کی وفات ٹھٹھہ میں ❷ ہوئی۔ شیخ میران کے بارے میں تحفۃ الکرام میں مرقوم ہے۔

مخدوم میران بن مولانا یعقوب علوم معقولی و منقولی میں جامع تھے۔ مرزا شاہ حسن کو بھی انھوں نے کچھ عرصے تک درس دیا تھا۔ اکثر طلبا ان کی طبع روشن کے فانوس سے نور علم حاصل کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ ''علامہ وارث الانبیاء'' ان کا مادۂ تاریخ ہے۔ ان کا مزار مکلی پہاڑی پر ہے۔ ❸

تاریخ معصومی میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۳۷۰، (طبع اول حیدر آباد دکن، ۱۳۷۴ھ-۱۹۵۴ء)

❷ ملاحظہ کیجیے: حاشیہ مقدمہ المتانتہ، صفحہ: ۴۔

❸ تحفۃ الکرام اُردو ترجمہ، صفحہ: ۶۹۰، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی، (اشاعت اوّل ۱۹۵۹ء)

مخدوم میران بن مولانا یعقوب ...... صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے لیے مشہور اور علم معقول و منقول میں جامع تھے۔ ان کی خدمت میں اکثر طلبا نے علم حاصل کیا۔ علوم میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مرزا شاہ حسن نے کچھ عرصہ مخدوم کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ وہ ٹھٹھہ میں عالم آخرت کی طرف رجوع ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات "وارث الانبیاء" ۹۴۹ھ ہے۔ ❶

علامہ مخدوم محمد جعفر مصنف المتانۃ، انہی شیخ عبدالکریم المعروف بہ میران کے فرزند گرامی قدر تھے۔ انھوں نے اپنے والد (شیخ میران) سے تحصیل علم کی۔ علامہ محمد جعفر جہاں علومِ شرعیہ میں تبحر کامل رکھتے تھے، وہاں حکمت و فلسفہ، ادب وانشا، منطق و نجوم اور جفر و رمل وغیرہ میں بھی پوری طرح ماہر تھے۔ لیکن آخر عمر میں ان سے دلچسپیاں ختم کر کے، مطالعہ کتب حدیث اور تصوف میں منہمک ہو گئے تھے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تصوف میں کامل اشتغال کے باوجود مسائل شرعیہ میں میلانِ طبع شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی آرا و تحقیقات کی طرف تھا۔ ❷

تصانیف:

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی جن تصانیف کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہے، وہ یہ ہیں:

۱: الصادق المنصف المحق بالدلائل التی ھی بالتقدیم احری واحق: یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

۲: حاصل النہج: یہ ایک رسالہ ہے، جو فارسی زبان میں ہے۔

۳: نہج التعلیم۔

۴: عجالۃ الطالبین۔

۵: فتح الدارین۔

۶: حل العقود۔

---

❶ تاریخ معصومی اُردو ترجمہ، صفحہ: ۲۷۸۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی، (اشاعت اوّل، ۱۹۵۹ء)

❷ مقدمہ المتانۃ، صفحہ: ۵۔

۷: المتانة فی مرمة الخزانة۔ ان کی یہ وہ تصنیف ہے جو خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس وقت پیش نگاہ ہے۔ یہ کتاب کیوں کر معرضِ تصنیف میں آئی؟ اس کی ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک عالم دین قاضی جگن گجراتی (متوفی ۹۲۰ھ) ہندوستان کے مشہور علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ یہ چار بھائی تھے اور چاروں قاضی تھے۔ [1]

صاحب نزہۃ الخواطر سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی نے اپنی اُردو تصنیف "یادِ ایام" میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے نام ونسب وغیرہ کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہوسکیں۔ [2]

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ قاضی جگن گجرات کے ایک قصبہ "کن" کے رہنے والے تھے۔ [3]

مختصر یہ کہ "خزانۃ الروایات" کے نام سے ایک کتاب قاضی جگن گجراتی کی تصنیف ہے، جو فروعِ حنفیہ کو محتوی ہے لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور نا قابل اعتماد ہے اور بقولِ علامہ الفقیہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی۔

انه من الکتب الغیر المعتبرة، لانه مملو من الرطب والیابس مع ما فیه من الاحادیث المخترعة والاخبار المختلفه۔ [4]

اپنی کتاب "المتانہ" کی تصنیف کے وقت علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کتاب کو سامنے رکھا اور اس میں سے تمام غیر معتبر مسائل اور غیر مستند مواد نکال دیا اور اس کے بجائے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ فرمایا۔ اس درجہ محنت اور کاوش کے بعد یہ کتاب "المتانة فی مرمة الخزانة" کے نام سے موسوم ہوئی۔

چوں کہ علامہ بوبکانی نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور اس سے غیر مستند مواد نکال کر مستند مواد کا اضافہ کردیا ہے، لہٰذا اس کتاب کو کبار اعلام فقہ کے نزدیک معتبر اور مستند کتاب قرار دیا

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۸۲۔ [2] یادِ ایام، صفحہ: ۵۴۔

[3] خزانة الروایات فی الفروع، للقاضی جکن الحنفی الهندی الساکن بقصبة کن من الگجرات، وهو مجلد اوله الحمدللّٰه الذی خلق الانسان وعلمه البیان۔ الخ۔ ذکر فیه انه افنی عمره فی جمع المسائل وغریب الروایات وابتدأ بکتب العلم لانه اشرف العبادات (کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۷۰۲)

[4] النافع الکبیر، صفحہ: ۱۲۔

جاتا ہے۔ ❶

قلمی نسخے:

سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ المتانہ کا مقدمہ خاصا مفصل ہے اور بہت سی بنیادی باتوں کو اپنے دامن صفحات میں گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سندھ میں اس کتاب کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ سیّد حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں ہے۔ دوسرا مدرسہ دار الہدیٰ تیڑھی کے کتب خانے میں اور تیسرا سیّد محب اللہ شاہ درگاہ پیر جھنڈا کے کتب خانے میں ہے۔

مندرجات و مشمولات:

المتانہ کے مندرجات و مشمولات کی فہرست دیگر کتب فقہی کی طرح بڑی مفصل ہے۔ اس میں حصہ عبادات بھی ہے اور حصہ معاملات بھی۔ اور دونوں حصے متعلقہ مسائل کی تفصیلات اپنے دامن صفحات میں لیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند باتیں درج ذیل ہیں۔

اگر مسجد، گزرگاہ میں رکاوٹ نہ بنتی ہو:

''باب المسجد'' میں مصنف المتانہ نے متعدد مسائل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر مسجد گزرگاہِ عامۃ المسلمین میں بنائی گئی ہو تو اس کے بارے میں فقہائے کرام کی کیا رائے ہے۔ اس ضمن میں فقہ کی ایک کتاب فصول العمادیہ کے حوالے سے اصل الفاظ مع ترجمہ کے ملاحظہ ہوں:

> فی فصول العمادیة اذا بنی للسملمین فی بعض الطریق مسجد و لا یضر للمسلمین لا ینقض۔ ❷
>
> ''یعنی فصول العمادیہ میں مرقوم ہے کہ اگر کسی گزرگاہ میں مسجد تعمیر کی گئی ہو اور وہ مسلمانوں کی آمد و رفت میں تکلیف اور رکاوٹ کا باعث نہ بنتی ہو تو اس کو گرایا نہیں جائے گا۔''

---

❶ مقدمہ المتانہ، صفحہ: ۴۵۔

❷ صفحہ: ۱۳۴۔

گزرگاہ اور مسجد دونوں مفادِ عامہ کے لیے ہیں:

اس کے ساتھ ہی بروایت فقیہ ابوجعفر عن ہشام عن امام محمدؒ یہ الفاظ لکھے گئے ہیں:

انہ قال لا بأس بان یجعل شیء من الطریق مسجدا، او شیء من المسجد طریقا، لان الکل لعامۃ المسلمین. ❶

کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں کوئی حرج نہیں کہ گزرگاہ عامہ کا کوئی حصہ مسجد میں ملا دیا جائے یا مسجد کا کوئی حصہ گزرگاہ میں ملا دیا جائے، اس لیے کہ (مسجد اور گزرگاہ) دونوں عامۃ المسلمین کے لیے ہیں۔''

اگر گزرگاہ کے کسی حصے میں مسجد بنالی جائے:

پھر بتایا گیا ہے:

المسجد الذی یتخذ فی جانب من الطریق لا یکون لہ حکم المسجد بل ہو طریق بدلیل انہ لو رفع حوائطہ عاد طریقا کما کان. ❷

''یعنی جو مسجد گزرگاہِ عامہ کے کسی کنارے میں تعمیر کی جائے، وہ مسجد کے حکم میں متصور نہیں ہوگی، بلکہ اس کو گزرگاہ ہی سمجھا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی دیواریں گرادی جائیں تو وہ حسب سابق گزرگاہ ہی بن جائے گی۔''

بے گھر اور بے مسکن فقیر اور تعمیر مسجد:

جواہر الفتاویٰ کے حوالے سے المحتانہ کے یہ الفاظ خصوصیت سے قابل غور ہیں:

محلۃ فیہا ثلاث مساجد ثم اراد احد ان یبنی مسجد اوفی المحلۃ فقیر لیس لہ مسکن، فالافضل ان یدفعہا الی الفقیر لیسکن فیہا ویصلی فیہا، لان المساجد قد کثرت، والشفقۃ بین الناس قد قلت. ❸

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اگر ایک محلے میں تین مسجدیں ہوں اور پھر کوئی شخص

---

❶ صفحہ: ۱۳۴۔ ❷ صفحہ: ۱۳۴۔ ❸ ایضاً۔

ایک اور مسجد بنانا چاہتا ہو اور محلے میں کوئی ایسا غریب اور فقیر شخص بھی رہ رہا ہو، جس کے پاس سکونت کے لیے کوئی مکان نہیں ہے، تو افضل یہ ہے کہ وہ جگہ اس بے گھر اور بے مسکن فقیر کو دے دی جائے تاکہ وہ اس میں رہائش اختیار کرلے اور نماز بھی پڑھے۔ یہ اس لیے کہ مسجدوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور لوگوں میں باہمی شفقت و رحم کا مادہ کم ہوگیا ہے۔"

توسیع مسجد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

المتانہ کے مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی موضوع فکر ٹھہرایا ہے کہ اگر مسجد کی توسیع مقصود ہو تو کیا صورت اختیار کی جائے۔ وہ کہتے ہیں: اگر مسجد کے اردگرد کسی شخص کی جگہ موجود ہو تو اس کے مالک کو قیمت ادا کر کے اس پر جبراً قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی توسیع کے وقت ایسا ہی کیا تھا۔ اس سلسلے میں مصنف المتانہ کے الفاظ بھی پڑھیے اور اس کے نیچے ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ المضمرات کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں:

ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه ارض لرجل يؤخذ ارضها كرها ، لماروى عن عمرؓ واصحابهؓ فى ارض المسجد الحرام حين ضاق انهم اخذوا الارض بكره من اصحابها بالقيمة وزادوا فى المسجد الحرام . ❶

"اگر لوگوں کے لیے مسجد تنگ ہو اور مسجد سے ملحق کسی شخص کی زمین پڑی ہو تو یہ زمین جبراً قبضے میں کرلی جائے گی۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم کا وہ فیصلہ ہے، جو انھوں نے بیت اللہ کے بارے میں اس زمانے میں کیا تھا، جب (مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے) جگہ تنگ ہوگئی تھی۔ انھوں نے اس کے اردگرد پھیلی ہوئی زمین کے مالکوں کو قیمت ادا کر کے اس پر جبراً قبضہ کیا اور اس سے بیت اللہ کی توسیع کردی۔"

گزرگاہ اور مسجد:

مختار الفتاویٰ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

---

❶ صفحہ: ۱۳۴۔

لو ضاق المسجد وتحته ❶ طريق للعامة يوسع منه المسجد ولو ضاق الطريق وسع من المسجد. ❷

"اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب گزرگاہِ عام ہو تو اس سے (زمین لے کر) مسجد کی توسیع کی جائے اور اگر گزرگاہ تنگ ہو تو اس کو مسجد کی زمین سے کشادہ کیا جائے۔"

کیا مسجد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو سکتی ہے؟

یہ مسئلہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے کہ مسجد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو سکتی ہے یا نہیں اور تنگ جگہ سے بدل کر اسے کشادہ جگہ میں تعمیر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مصنف کہتے ہیں کیا جا سکتا ہے، مضمرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مسجد اراد اهله ان يجعلوا الرحبة مسجد او المسجد رحبة، او ارادو ان يحدثوا له بابا، او ارادوا ان يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك. ❸

"اگر منتظمین مسجد، کشادہ جگہ یا صحن کو مسجد بنانا چاہیں اور مسجد کو صحن میں بدلنے کے خواہاں ہوں یا اس کا نیا دروازہ بنانے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔"

فقہی اعتبار سے مسجد کی تعمیر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اس کو تبدیل کرنے کے بارے میں یہ مسائل انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ بارہا اس قسم کی صورتِ حال لوگوں کے سامنے آتی ہے۔ فقہائے کرام کا موقف اس ضمن میں بالکل صاف اور واضح ہے۔

اگر مسجد بے آباد ہو جائے:

مسجد کے بے آباد ہو جانے کے سلسلے میں الحتانہ کے مصنف شہیر، الظہیر یہ کے حوالے سے بروایت امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فی مسجد خرب فالذی بناه احق به اذا خرب ماحوله وان لم يعرف بانيه

---

❶ الخزانہ میں "تحته" کے بجائے "بجنبه" مرقوم ہے۔

❷ الحتانہ، صفحہ: ۱۳۴۔ ❸ صفحہ: ۱۳۵۔

فاجتمعوا علی بیعه لیستعینوا بثمنه علی مسجد اخر لاباس به ولو لم یخرب، فلیس لهم نقله عن موضعه. ❶

''یعنی اگر مسجد بے آباد ہو جائے تو اس کا بانی، اس کے اردگرد کے بے آباد ہو جانے کی صورت میں اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اگر اس کے بانی کا پتا نہ چل سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ اس کی فروخت کے لیے جمع ہو جائیں، تاکہ اس کی قیمت سے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنے میں مدد لے سکیں۔ لیکن اگر مسجد بے آباد نہیں ہوئی تو اس کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا۔''

ساتھ ہی شرح الزیادات کے حوالے سے فرماتے ہیں:

والمسجد اذا استغنی عنه المسلمون ولا یصلی فیه او خرب ما حوله یعود الی صاحبه کما کان، ان کان حیا، والی وارثه ان کان میتا وهذا قول ابی حنیفة ومحمد. ❷

''جب مسلمان، مسجد سے بے نیاز ہو جائیں اور اس میں نماز نہ ادا کی جاتی ہو یا اس کے اردگرد کا علاقہ بے آباد ہو جائے تو اس مسجد کا بنانے والا اگر زندہ ہے تو مسجد اس کو دے دی جائے اور اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثا کے حوالے کر دی جائے۔ اس باب میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔''

تعمیر مسجد میں اخلاص کی اہمیت:

تعمیر مسجد میں اصل اہمیت اخلاصِ قلب اور رضائے الٰہی کو حاصل ہے اور یہی جذبہ ہر وقت دل میں کارفرما رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں المتانہ کے مصنف لکھتے ہیں:

کل مسجد بنی مباهاة اوریاء او سمعة او لغرض سوی ابتغاء وجه الله او من مال غیر طیب، فهو لاحق بمسجد الضرار. ❸

''یعنی جو مسجد فخر و مباہات یا ریا و سمعہ یا اللہ کی رضامندی کے سوا کسی اور جذبے کے تحت یا غیر پاکیزہ مال سے تعمیر کرائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں آتی ہے۔''

---

❶ صفحہ:۱۳۶۔ ❷ صفحہ:۱۳۶۔ ❸ صفحہ:۱۳۶۔

دیوار اور محرب پر آیاتِ قرآن کی کتابت:

الحانہ کے فاضل مصنف نے بے شمار باتیں فقہ کی مختلف تصنیفات کے حوالے سے اس کتاب میں رقم فرمائی ہیں۔ انھوں نے مسجد کی دیواروں اور محراب پر آیاتِ قرآن کی کتابت کے بارے میں بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحاریب والجدر ان لما یخاف من سقوط الکتابة وان توطأ. ❶

"یعنی محرابوں اور دیواروں پر قرآنِ مجید کی آیات لکھنا مستحسن نہیں کیوں کہ کتابت شدہ ٹکڑے کے (دیوار یا محراب سے) نیچے گر جانے اور پاؤں تلے آنے کا اندیشہ رہتا ہے۔"

یہ بات واقعات کے عین مطابق ہے۔

شب برأت اور لیلۃ القدر کو چراغاں نہیں کرنا چاہیے:

شب برأت اور لیلۃ القدر کو مساجد اور دیگر عمارات پر چراغ روشن کرنے کا رواج اس زمانے میں بھی تھا، جس زمانے میں الحانہ ضبطِ تحریر میں آئی۔ مصنف شہیر نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ وہ فقہ کی کتاب القنیہ کے حوالے سے واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

ان اسراج السرج الکثیرة لیلة البراء ة فی السلك والاسواق بدعة وکذا فی المساجد. ❷

"یعنی شب برأت کو عمارتوں، بازاروں اور مسجدوں میں اس کثرت سے چراغ روشن کرنا بدعت ہے۔"

اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں:

وکذا اذا سرج السرج فی رمضان لیلة القدر. ❸

"اسی طرح ماہِ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کے موقع پر بھی اس انداز سے چراغ روشن کرنا بدعت کے ذیل میں آتا ہے۔"

---

❶ ص ۱۳۰ ❷ ص ۱۳۴
❸ ص ۱۳۴

جنازے کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں:

" فصل فی حمل الجنازة ونقل المیت من بلد الی اٰخر " کے تحت مصنف نے جنازے اور میت کے بارے میں بہت سے مسائل کی وضاحت کی ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ اونچی آواز سے ذکر اذکار کرنا اور قرآنِ مجید پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ مصنف لکھتے ہیں نہیں پڑھنا چاہیے۔ بحوالہ قنیہ۔ الفاظ یہ ہیں:

ویکرہ تشییع الجنازة برفع الصوت بالذکر وقرأة القراٰن کراھة تحریم . ❶

"یعنی جنازے کے ساتھ چلنے والوں کا بآوازِ بلند ذکر کرنا اور قرآنِ پاک پڑھنا مکروہ ہے، جو مکروہِ تحریمی میں آتا ہے۔"

جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلنا چاہیے:

فاضل مصنف اس ضمن میں کنز العباد کی عبارت بحوالہ مفاتیح المسائل تحریر فرماتے ہیں:

یستحب السکوت خلف الجنازة لانه وقت الاعتبار والاذکار وان کان فی ذکر ودعاء یخافت . ❷

"یعنی جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلنا مستحب ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کا وقت ہے اور اس وقت اللہ کی یاد اور دُعا میں آہستگی اور سکوت اختیار کرنا چاہیے۔"

قاضی کی عدالت میں جھگڑا کرنے والوں کے بارے میں:

"باب التعزیر" میں مصنف نے، اس مسئلے کی وضاحت فرمائی ہے کہ عدالت میں قاضی کے سامنے فریقین جھگڑ پڑیں اور قاضی کے منع کرنے کے باوجود اس سے باز نہ آئیں تو اس صورت میں قاضی کو ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ فتاویٰ حمادیہ کی کتاب القضاء کے حوالے سے اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں:

خصمان تشاتما بین یدی القاضی فی مجلسه ولم ینتهیا بالنهی

❶ ص ۲۹۸ ❷ ص ۲۹۹

فالرأی فی ذلك للقاضی ان حبسهما او یعزرهما عقوبة فحسن لانه لو ترك ذلك فربما یجترئ بذلك غیرهما واقتدی بهما فیذهب ذلك ما اوجب للقاضی وصاینة ذلك واجب . ❶

”اگر دو فریق قاضی کے سامنے اس کی عدالت میں آپس میں گالی گلوچ پر اُتر آئیں اور قاضی کے روکنے کے باوجود نہ رُکیں تو اس سلسلے میں قاضی کو اختیار ہے یا تو ان کو جیل میں بند کر دے یا سزا کے لیے ان کو تعزیر کرے۔ یہ بالکل مناسب اقدام ہوگا، اس لیے کہ اگر وہ انھیں بغیر سزا و عقوبت کے یوں ہی چھوڑ دے گا تو ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں میں بھی اس قسم کی جرأت پیدا ہوگی اور وہ اس معاملے میں ان کی اقتدا کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قاضی کے ادب و احترام کو برقرار رکھنے اور اس کے مقام و مرتبے کو ملحوظ رکھنے کے بارے میں جو فرائض عائد ہوتے ہیں، یہ حرکت ان کو ختم کر دے گی، اور ان کا تحفظ بہرصورت ضروری ہے۔“

اس کتاب میں اس قسم کے بے شمار فقہی مسائل جمع کیے گئے ہیں، جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ صورت میں طبع ہو چکی ہے اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی نے طویل مقدمے کے علاوہ کتاب کے متعدد مقامات پر حواشی و تعلیقات کا بھی اضافہ فرمایا ہے، جس سے کتاب کی علمی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔

---

❶ ص ۵۶۴

(۱۰)

فتاویٰ بابری

ظہیر الدین بابر:

ہندوستان کا مشہور مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ (۱۵ فروری ۱۴۸۳ء) کو پیدا ہوا اور اس کا نام معروف بزرگ شیخ عبیداللہ احرار نے ظہیر الدین محمد رکھا، لیکن اس نے مغلوں میں بابر شاہ کے نام سے شہرت حاصل کی۔

بابر نے حکومت و سلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ فنونِ حرب کا ماہر، ذہین، ذکی، فطین، تیز دماغ، سریع الادراک اور قوی الحافظہ تھا۔ شعر و انشا اور عروض میں مہارت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں نہایت پاکیزہ خط تھا اور ایک رسم الخط ...... خط بابری ...... کا موجد تھا۔ معمے حل کرنے میں لاثانی تھا۔ منگل کے روز ۵ رمضان المبارک ۸۹۹ھ (۹۔ جون ۱۴۹۴ء) کو علاقہ ماوراء النہر کے ایک مقام اندجان میں بارہ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کو جنگی مہمات سر کرنے، مختلف شہروں کو مسخر کرنے اور دشمنوں کو زیر کرنے میں شدید مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے پہلے کابل فتح کیا، پھر ہندوستان پر دھاوا بولا۔ جب ہندوستان پر حملہ کیا، اس وقت اس کے ساتھ صرف بارہ ہزار پیدل اور گھڑ سوار فوج تھی، اور ادھر اس کے حریف بادشاہِ ہند ابراہیم لودھی کی فوج بے شمار گھوڑوں اور ایک لاکھ ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ دونوں جانب کی فوجیں پانی پت اور کرنال کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ سخت رن پڑا۔ بابر نے ابراہیم لودھی کی فوج کو شکست فاش دی اور ابراہیم قتل کیا گیا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار گھڑ سوار بھی قتل کیے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ یہ جمادی الاخریٰ ۹۳۲ھ (اپریل ۱۵۲۶ء) کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد بابر فاتح ہند کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا اور ہندوستان کے تخت حکومت

پر متمکن ہوا۔ پھر آگرہ گیا اور پورے ملک پر تسلط جمالیا۔ بابر نے مختلف علاقوں اور شہروں میں لوگوں کی سفری سہولتوں کے لیے بہترین شاہراہیں قائم کیں اور راستوں پر ایک خاص مسافت کے بعد سرائیں تعمیر کرائیں۔ مختلف پھلوں کے درخت لگوائے اور متعدد علاقوں کو عمدہ ترین باغات سے مزین کیا۔ آگرہ سے کابل تک ڈاک رسانی کی غرض سے مختلف مقامات متعین کیے اور ڈاک رسانوں کے لیے قیام گاہوں کا انتظام کیا۔

انتظامی اور عسکری صلاحیتوں کے علاوہ بابر مختلف معارف وفنون سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ شاعر بھی تھا اور فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ فقہ حنفی کے بارے میں بڑے معلومات کا مالک تھا۔ اس موضوع سے متعلق اس کی ایک تصنیف بھی ہے، جس کا نام "مُبَیَّــن" ہے۔ شیخ زین الدین خوانی نے "مبین" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ پھر اس نے خط بابری میں قرآنِ مجید کی کتابت کی جو مکہ مکرمہ بھجوایا گیا۔

ابتدائے عمر میں بابر مے نوشی کا عادی تھا۔ مگر بعد میں اس سے تائب ہوگیا تھا۔ یہ مشہور شعر اسی کا ہے:

نو روز و نو بہار دمی دلبری خوش است
بابر بعیش کن کہ عالم دوبارہ نیست

اس نے پچاس برس عمر پاکر ۶ جمادی الاولیٰ ۹۳۹ھ (۴ دسمبر ۱۵۳۲ء) کو آگرہ میں وفات پائی۔

بابر کا کتب خانہ:

بابر کتابیں جمع کرنے کا بہت شائق تھا اور مختلف مسائل سے متعلق اس کا دامنِ مطالعہ بہت وسیع تھا۔ تزک بابری اور تاریخ فرشتہ کے حوالے سے بزم تیمور میں مرقوم ہے:

"بابر سفر اور حضر میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا۔ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) میں وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو لاہور کے پاس غازی خاں سے متصادم ہوا۔ غازی خان کو شکست ہوئی تو بابر اس کے قلعے میں داخل ہوا، جہاں اس کو بے شمار دولت ملی، لیکن بابر کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا۔ غازی خاں بڑا علم دوست تھا۔ جید عالم

ہونے کے علاوہ شاعری کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوش خط کتابیں اپنے کتب خانے میں جمع کر رکھی تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کر لیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ شہزادہ کامران کے لیے کابل روانہ کیں۔" ❶

فتاویٰ:

بابر چوں کہ علم دین اور فقہیات سے دلچسپی رکھتا تھا، اس لیے اس کے دل میں، اس خواہش نے کروٹ لی کہ مسائل فقہیہ پر مشتمل، فارسی زبان میں ایک کتاب معرض تصنیف میں لائی جائے۔ اس کی یہ خواہش نہاں خانۂ خیال سے نکل کر زبان پر آئی تو شیخ نور الدین خوافی نے اس کام کی تکمیل کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ شیخ نور الدین خوافی، شیخ زین الدین خوافی کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے ہرات میں پرورش پائی اور شیخ الاسلام سیف الدین احمد سے تعلیم حاصل کی، جو ملا سعد الدین تفتازانی کے اخلاف میں سے تھے۔ شیخ نور الدین خوافی نے مستند روایتوں اور کتابوں کی مدد سے مسائل شرعیہ کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اور ہدایہ، الکافی، شرح وقایہ، شرح مختصر الوقایہ، الخزانہ، فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ کتب فقہ سے ایک کتاب تیار کی جس کو "فتاویٰ بابری" کے نام سے موسوم کیا۔

"فتاویٰ بابری" کن ابواب و فصول پر مشتمل ہے؟ اس کے صفحات کن مسائل کو محیط ہیں؟ یہ کتنے اوراق میں پھیلا ہوا ہے اور اس کی علمی اہمیت کیا ہے؟ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ کیوں کہ یہ فتاویٰ ہمارے سامنے نہیں ہے اور جن کتب خانوں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے، ان میں، یہ فتاویٰ موجود نہیں۔ اس وقت جولائی ۱۹۵۰ء کا معارف (اعظم گڑھ) ہمارے پیش نگاہ ہے۔ اس میں فتاویٰ بابری سے متعلق جناب شیخ فرید احمد صاحب برہان پوری کا ایک مختصر سا مضمون ہے۔ ذیل میں اس کے تعارف کے بارے میں وہی مضمون درج کیا جا رہا ہے، تاکہ ہمارے قابل احترام قارئین بھی اس سے مستفیض ہو سکیں۔ اس مضمون میں یہ کمی محسوس کی جائے گی کہ فارسی کتابوں کا سوائے کتاب کے نام کے صفحہ وغیرہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ مضمون ملاحظہ ہو:

---

❶ بزمِ تیموریہ مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ، صفحہ: ۲۳۔

"دودمانِ گورگانیہ کے آخری جلیل القدر شہنشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالم گیرؒ کے عہد کی بہترین علمی و مذہبی یادگار" فتاویٰ عالم گیری" محتاج تعارف نہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ اسی خاندان کے عظیم المرتبت فاتح، عدیم المثال سپاہی اور اولوالعزم بادشاہ ظہیر الدین بابر کے عہد کی فقہ حنفی کی ایک تصنیف" فتاویٰ بابری" کے ذکر سے، تاریخ ادبیات فارسی کی معروف و معتبر کتابیں خالی ہیں۔ ● اتفاق سے اس کا قلمی نسخہ مولانا سیّد احکام اللہ صاحب بخاری امام جامع مسجد، برہان پور کے ذخیرۂ مخطوطات میں راقم السطور کی نظر سے گزرا۔ اس مضمون میں اسی تاریخ تبرک کا تعارف مقصود ہے۔"

"مصنف کتاب، شیخ نور الدین خوافی کے حالات کتب متداولہ میں نہیں ملتے۔ نفائس المآثر میں مختصر حالات درج ہیں۔ مولانا امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رام پور نے میری درخواست پر متعلقہ حصہ نقل کر کے ارسال فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ زین الدین خوافی کی اولاد میں سے ہیں۔ ● سلطان حسین مرزا کے عہد میں انھوں نے ہرات میں نشوونما پائی۔ شیخ الاسلام سیف الدین احمد کے شاگرد تھے، جو ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے۔"

---

❶ فتاویٰ بابری کا قلمی نسخہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، پاکستان میں کہیں نہیں ہے، البتہ ہندوستان کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ پٹنہ لائبریری میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے اور اس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں تصنیف کے ساتھ، مصنف کے بھی مختصر حالات درج ہیں۔ (دیکھیے: کیٹلاگ مخطوطات فارسی پٹنہ لائبریری، جلد: ۱۴، صفحہ: ۸۶)

❷ نزہۃ الخواطر میں مولانا زین الدین خوافی کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے: "شیخ فاضل زین الدین بن قطب الدین حنفی خوافی، شیخ کبیر زین الدین خوافی کی اولاد تھے، جو مشہور ولی گزرے ہیں مولانا زین الدین خوافی ہرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے بڑے بھائی نور الدین محمد خوافی سے تعلیم حاصل کی، ان کے ساتھ قندھار کا سفر کیا۔ پھر کابل گئے اور وہاں ان کے بھائی نور الدین انتقال کر گئے۔ یہ ۹۰۸ھ کا واقعہ ہے۔ بعد ازاں مولانا زین الدین خوافی نے بابر بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیا اور وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہے۔ وہ ہندوستان گیا تو ان کو ساتھ لے گیا اور صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ پھر آگرہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور بہت بڑی مسجد تعمیر کی۔ مولانا زین الدین خوافی کی تاریخ ہند سے متعلق ایک تصنیف لطیف بھی ہے۔ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ۹۴۰ھ میں بمقام چنار گڑھ فوت ہوئے اور ان کی میت آگرہ منتقل کی گئی اور وہاں اپنے مدرسے میں دفن کیے گئے۔" (نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۲۰)

"از نبایرِ حضرت شیخ زین خانی است، بغایت خوش طبع وفہم عالی داشتہ، شیخ نورالدین و شیخ زین الدین، بہ وفور کمالات ممتاز اند۔ ایشاں در زمان سلطان حسین مرزا، بہ ہرات نشوونما یافتہ، بہ تحصیل فنون وفضائل کمال شناختہ اند، شیخ نور الدین شاگرد شیخ الاسلام است کہ از نبایر مولانا سعد الدین تفتازانی است۔"

مرزا علاء الدین قزوینی نفائس الامراء میں رقم طراز ہیں کہ چودہ سال کی عمر میں سلطان حسین مرزا کے مدرسہ ہرات میں، صغر سنی، جمال اور سادہ روئی کے باوجود مسند درس پر فائز ہوئے۔ دانش مندی اور مولویت میں وہ استعداد بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے فاضل ان کی مجالس افادات سے مستفید اور بہرہ مند ہوتے تھے۔

"در صغر سن و عنفوانِ شباب رتبۂ مولویت ودانش مندی بجائے رسانیدہ کہ دانش مندانِ آن زمان از مجالس او داش مستفید و بہرہ ورمی بودند۔"

"در زمانِ شاہی بیگ خان ادر چہار دہ سالگی باوجود سادہ روئی و جمال مدرس مدرسۂ سلطان حسین مرزا ساختہ بودند۔"

سلطان مذکور کے کمالِ علم وفضل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"از غابت جدت طبع و دقت ذہن در آوانِ شباب از تحصیل علوم عقلی ونقلی فراغت یافتہ، گوش ہوش تلامذہ از نتائج بحر خاطر فیض مآثر بہ لآلی نکاتِ دقیقہ گران بازگشت و پایۂ قدر و منزلش در سلک زہد و تقویٰ و تبحر در فنون وعلم فتوی از امثال واقران درگزشتہ۔"

بدرجہ غایتِ جودتِ طبع اور باریکئ ذہن کی وجہ سے انھوں نے عالم شباب ہی میں علوم عقلی و نقلی کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ان کے بحر دل میں جو گوہر نکاتِ دقیقہ پوشیدہ تھے، تلامذہ ان کے بہترین نتائج سے گوش ہوش کے ساتھ فیض یاب ہوئے اور ان کی مجلس علمیہ سے کامیاب واپس لوٹے۔ سلک زہد وتقویٰ اور فنون وعلم فتویٰ وفقہ میں ان کا پایۂ قدرت ومنزلت تمام اقران وامثال سے بڑھ گیا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بحث ومناظرہ میں شیخ موصوف کا پلہ اکثر بھاری رہتا تھا۔

"مثل ملایان عصر و ملا نور الدین مثل کشتی گیرے است کہ ہر یکے را بہ طریق خاص

مغلوب می سازد کہ ہرگز تصور آں نہ کردہ اند۔"

علمائے معاصرین اور ملا نور الدین کی مثال پہلوان کی سی ہے، ان میں سے ہر ایک کو وہ اس طریق سے شکست دیتے اور مغلوب کرتے ہیں کہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

نفائس المآثر میں ہے کہ شیخ نور الدین اور شیخ زین الدین ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء) میں قندھار آئے اور حضرت فردوس مکانی بابر کی ملازمت اختیار کی۔ الفاظ یہ ہیں:

"در ۹۲۲ھ (اثنا وعشرین وتسعمائة) مجموع برادران بہ قندھار آمدہ، بہ ملازمت حضرت فردوس مکانی رسیدہ۔"

"فتاویٰ بابری کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۲۵ھ کے آخر میں شیخ صاحب اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔"

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بابر کی خدمت میں ان کو بازیابی کا شرف ۹۲۵ھ میں حاصل ہوا؟

دیباچے کی سفر کی تاریخ "اواخر خمس وعشرین وتسع مائۃ" سے اگر آخری دو مہینے مراد لیے جائیں تو اس زمانے کی طوائف الملوکی، خواف و ہرات سے قندھار کے بُعد، سفر کی مشکلات، راستے کی دشواریوں اور ان مواقع اور قوانسہ کے پیش نظر، جن سے استخلاص، شیخ کو دشوار اور مہلک نظر آ رہا تھا، بابر کے دربار سے شیخ کے توسل کا زمانہ ذی الحجہ ۹۲۵ھ یا محرم ۹۲۶ھ ہوگا۔

شیخ بذلہ سنج اور خوش طبع بھی تھے۔ صاحب نفائس المآثر نے ان کی خوش طبعی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"مولانا زلالی شاعر کہ یکے از خوش طبعان است و معمائی بودہ بجہت آن کہ سبز چہرہ بود، اورا بہ غلاے نسبت می کردہ اند۔ در سر چار ہری (مقام) بہ شیخ نور الدین رسید و احوال پر سیدہ از پریشانی حال خود شکایت کردہ، گفتہ اند کہ بخلنہ ابنائے روزگاری رویم و حکایات بلا فائدہ می گویم و می شنویم، ملا زلالی ایں بیت خواندہ۔

تا کے بگردد رہا چوں شیخ و شیخ زادہ
گویم ہرزہ ہرزہ کردیم لاوہ لاوہ

دبنیادِ خندہ کردہ است۔ شیخ نورالدین در بدیہہ فرمودہ کہ ایں بیت گویا معمہ است یا اسم شما کہ ہر ہر لالا ازاں حاصل می گردد، شمارا خندہ کردن عجب است، ملا درہم شدہ و ازیں مطائبہ وخوش طبعی نادم گشتہ۔"

بدیہہ گوئی میں شیخ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ شعر و ادب کی محفلوں میں جب دوسرے شعرا کے اشعار سناتے تو اُسی ردیف و قافیہ میں خود فی البدیہہ بیس بیس شعر کہہ کر شامل کر دیتے اور سامعین مشکل سے یہ تمیز کر سکتے کہ شیخ موصوف اپنے اشعار سنا رہے ہیں۔ شیخ نورالدین نے کابل میں وفات پائی۔

کیفیت مخطوطہ:

فتاویٰ بابری کے زیر نظر قلمی نسخے کی تقطیع ۱۰ + ۲/۱ ۵ ہے اور ۶۲۶ صفحات ہیں۔ ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں۔ خط نستعلیق، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہیں۔ لوح کتاب مطلا و مینا کار ہے۔ جدولیں سرخ اور سنہری ہیں۔ ناقص الآخر ہے۔

سبب تالیف:

کتاب کے دیباچے میں مولانا خوافی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے جوہر علم وفضل کو تصنیف کی شکل میں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے اس کے وسیلے سے دربار شاہی سے منسلک ہونے کی دیرینہ تمنا کو پورا کرنے کے لیے اپنے وطن سے ۹۲۵ھ کے آخر میں روانہ ہوئے اور "مراحل و منازل" طے کرتے ہوئے "ممالک محروسہ" (؟) سے قریب ایک مقام پر پہنچے تھے اور اس کش مکش میں تھے کہ کس فن میں اپنی تصنیف پیش کریں کہ بادشاہ کا حکم پہنچا کہ مسائل شرعیہ میں ایک کتاب فارسی میں تصنیف کی جائے۔ اس حکم پر مصنف نے مستند روایتوں اور کتابوں سے مسائل شرعیہ کو ضبط تحریر میں لانا شروع کیا اور ہدایہ (ھ) کافی (ک) شرح وقایہ (شو) شرح مختصر وقایہ (ش) خزانہ (خ) فتاویٰ قاضی خاں (ق) اور خلاصہ (ص) سے اس کی تالیف میں مدد لی۔ قوسین کی علامتیں مصنف نے حوالے کے لیے مقرر کی ہیں۔ جہاں مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے ظاہر کی ہے، وہاں علامت "ن" سے کام لیا ہے۔

مخطوطے کا یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہو کر کتاب الحج کی عبارتِ

ذیل پر ختم ہو جاتا ہے۔

''حج در لغت قصد کردن است بچیزے از روئے تعظیم، و در شریعت عبارت است از ارکانِ مخصوصہ بشرائط مخصوص کہ تفصیل آں معلوم خواہد شد، و ایں ارکان را حج، بواسطۂ آن می گویند کہ مشتمل است بر قصد کعبۂ معظمہ، و ایں حج فریضہ است محکم، و یکے از ارکان اسلام است، و اگر کسے از فریضۂ آن منکر شود، کافر گردد، و در ہمہ عمر یک بار فرض است، و مر اورا شرائط است کہ چوں وجود گیرد، فرض شود بعد از استجماع ......''

''یعنی لغوی اعتبار سے حج کہتے ہیں، کسی چیز کی طرف جذبۂ تعظیم کے تحت، قصد کرنے کو، اور اصطلاحِ شریعت میں یہ تعبیر ہے ان ارکانِ مخصوصہ سے جو کچھ ایسی شرائط کے ساتھ مخصوص ہیں، جن کی تفصیل آئندہ معلوم ہوگی۔ ان ارکان کو حج اس لیے کہتے ہیں کہ یہ کعبۂ معظمہ کی طرف قصد کرنے کے عمل و ارادے پر مشتمل ہیں۔ حج ایک محکم فریضہ ہے اور ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اگر کوئی شخص، اس فریضے سے انکار کرے گا تو کافر قرار پائے گا۔ یہ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اس کے ساتھ شرائط وابستہ ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائیں گی تو یہ فرض ہو جائے گا۔''

چوں کہ مخطوطہ ہمارے سامنے نہیں ہے، لہٰذا اگر اس مقدمے میں کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہوں تو ہم معذرت خواہ ہیں۔

(۱۱)

فتاویٰ عالم گیری

کچھ اورنگ زیب عالم گیر کے بارے میں:

فتاویٰ عالم گیری سے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اورنگ زیب عالم گیر کے حالات بیان کیے جائیں اور بتایا جائے کہ یہ کس قسم کا بادشاہ تھا اور اس کی دینی وعلمی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع اور متنوع تھا۔

اورنگ زیب عالم گیر اتوار کی رات، ۱۵۔ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ (۲۴۔ اکتوبر ۱۶۱۸) کو ''دوحد'' کے مقام پر پیدا ہوا، جو اجین سے سو میل اور بڑودہ سے ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ماں کا نام ارجمند بانو تھا، جو آصف جاہ ابوالحسن بن غیاث الدین طہرانی کی بیٹی تھی۔ اورنگ زیب کی ولادت اس کے دادا نور الدین جہاں گیر کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔ بعض علما نے اس کی تاریخ ولادت ''آفتاب عالم تاب'' کے الفاظ سے نکالی ہے۔ سلطان جہاں گیر نے اس کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام کیا اور اسے مولانا عبداللطیف سلطان پوری، مولانا محمد ہاشم گیلانی، شیخ محی الدین بن عبداللہ بہاری اور دیگر نامور علمائے عصر کے حلقۂ تلمذ میں داخل کیا۔ اورنگ زیب کی ذات بہت سے کمالات کا مجموعہ تھی۔ خط نسخ اور خط نستعلیق وشکستہ میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ سریر آرائے سلطنت ہونے سے قبل اپنے ہاتھ سے پورے قرآنِ مجید کی کتابت کی اور اسے مکہ مکرمہ بھجوایا۔ تخت نشین ہونے کے بعد پھر ایک قرآن پاک کی کتابت کی اور اس کی تذہیب وتجلید پر سات ہزار روپے خرچ کر کے اس کو مدینہ منورہ بھجوایا۔ اسی طرح علم نحو کی مشہور کتاب الفیہ ابن مالک کی کتابت کی اور اسے الحاج عبدالرحمٰن مفتی [1] کے ہاتھ مکہ مکرمہ

---

[1] مفتی عبدالرحمٰن حنفی کابلی، فقہ واصول اور علوم عربیہ میں اپنے معاصرین سے ممتاز اور فائق تر تھے۔ شاہ جہان کے عہد بادشاہت میں آگرہ کے منصب افتا پر فائز تھے۔ صادق القول، متدین، پرہیزگار، فہیم وفریس، امانت دار، قلب ⇦

ارسال کیا تاکہ وہاں کے اہل علم اس سے متمتع ہوسکیں۔ خط نسخ الحاج قاسم سے اور خط نستعلیق سید علی بن محمد مقیم سے سیکھا جو کتابت کے ان طریقوں میں ماہر کامل مانے جاتے تھے۔ عالم گیر جہاں نہایت پاکیزہ خط تھا، وہاں علوم وفنون کی مختلف اقسام میں بھی یکتائے روزگار تھا۔ تصوف و طریقت میں بھی دلچسپی رکھتا تھا اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند شیخ محمد معصوم سرہندی سے بیعت تھا۔ سلسلۂ طریقت میں شیخ سیف الدین بن شیخ محمد معصوم رحمہ اللہ کے حلقے میں داخل تھا اور اپنے والد سلطان شاہ جہان کے حکم سے شیخ موصوف کے ساتھ کامل وابستگی اختیار کرلی تھی۔

اورنگ زیب عالم گیر کی زندگی کے دو نمایاں پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک پہلو بادشاہت کا اور ایک عالم دین اور خادم اسلام کا۔ بادشاہوں کی تاریخ عام طور پر تلوار کے قلم اور خون کی روشنائی سے لکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے عالم گیر کو بھی بادشاہ کی حیثیت سے اس سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن اس موقع پر ہمیں اس کے اس پیرایۂ زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کے علم وتدین اور خدمت اسلام کے موضوع سے تعرض کریں گے اور وہ بھی اس لیے کہ ہمارے اصل موضوع یعنی فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب وتصنیف اور تدوین وتالیف کی مرکزی شخصیت یہی ہے اور اسی کی سعی مسلسل سے یہ فتاویٰ معرضِ تحریر میں آیا۔

علمی اعتبار سے وہ عالم دین اور متعدد علوم وفنون پر عبور رکھتا تھا۔ نیکی اور دین داری کے لحاظ سے متقی، متورع، نماز باجماعت کا پابند، تہجد گزار اور قائم اللیل تھا۔ رمضان کے روزے شدید گرمیوں میں بھی باقاعدہ رکھتا۔ نمازِ جمعہ بالالتزام کہیں بھی ہو دہلی کی جامع مسجد میں آکر پڑھتا۔ علمائے دین کا انتہائی قدر دان تھا اور ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ تراویح پڑھتا اور رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں اعتکاف کرتا، ہر سوموار، جمعرات اور جمعہ کو روزے رکھتا۔ اس کے علاوہ جن ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا ثابت ہے، ان میں روزے

⇐ مطمئن اور ذہن متوکل کے مالک تھے۔ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت شوال ۹۷۱ھ اور وفات ۱۰۳۴ھ) جب آگرہ تشریف لائے تو ان کے حضور سلوک وطریقت کی منزلیں طے کیں، شیخ مجدد آگرہ تشریف لے جاتے تو مفتی عبدالرحمٰن اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۱۴)

رکھتا، زکوۃ ادا کرتا۔ اپنی ملکی اور انتظامی مجبوریوں کی بنا پر خود تو سعادتِ حج حاصل نہ کر سکا، البتہ بہت سے لوگوں کو اپنے خرچ سے ہر سال حرمین شریفین بھیجتا۔ قرآنِ مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا۔ حاجت مندوں، غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور بے سہارا مردوں اور عورتوں کو ان کی ضرورت کے مطابق معقول رقمیں عطا کرتا۔ اوراد و وظائف بکثرت پڑھتا اور ادعیۂ ماثورہ (یعنی جو دعائیں کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی و منقول ہیں) ورِدِ زباں رکھتا۔ سنن و نوافل کی پابندی کرتا، ہمیشہ باوضو رہتا۔ غیر شرعی لباس سے خود بھی اجتناب کرتا اور اپنے امراء و وزراء کو بھی روکتا۔ منہیات سے دامن کشاں رہتا۔ مساجد میں جاتا، وہاں علما و مشائخ کی صحبت اختیار کرتا اور ان سے مستفیض ہوتا۔ خوراک بہت سادہ اور کم کھاتا، اکل و شرب کے تمام تکلفات سے کلی طور پر مجتنب رہتا۔

قرآنِ کریم سے اتنا شغف اور تعلق قلبی تھا کہ سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد اس کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ حفظ قرآن کی ابتدا کی تو بعض علما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ سے اور جب پورا قرآن حفظ کر لیا تو ﴿لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ سے تاریخ نکالی۔

علمائے دین سے خاص ربط و علاقہ رکھتا اور ہفتے میں تین دن سیّد محمد الحسینی قنوجی، علامہ محمد شفیع یزدی، شیخ نظام الدین برہان پوری اور دیگر علمائے کرام سے احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالم گیری پر مذاکرہ و مباحثہ کرتا۔ علومِ دین کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتا اور طلبا کی ضروریات کی کفالت کرتا۔ جہاں انھیں کتابیں مہیا کی جاتیں، وہاں ان کے لیے اکل و شرب اور سکونت و رہائش کا بھی اہتمام کیا جاتا اور ان کی ضرورت کے مطابق وظائف دیے جاتے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کو معرفت و آگاہی کا شرف حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ مسند نشین سلطنت ہونے سے پہلے ”کتاب الاربعین“ مرتب کی، جس میں رسول اللہ ﷺ کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ تخت حکومت پر متمکن ہونے کے بعد بھی چالیس احادیث پر مشتمل ایک اربعین مرتب کی۔ بعد ازاں ان دونوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور ان

پر بہترین فوائد و تعلیقات لکھیں۔

فقہ میں درجۂ کمال حاصل تھا اور اس کی جزئیات پر پورا استحضار تھا۔ فقہ کے سلسلے میں اس کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ علمائے حنفیہ کی ایک عظیم جماعت سے، دو لاکھ روپے خرچ کر کے چھ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ ہندیہ جسے "فتاویٰ عالم گیری" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مرتب کرایا۔ ترتیب و تالیف کے بعد یہ فتاویٰ متعدد لوگوں نے نقل کیا اور اس کے بہت سے نسخے مختلف اسلامی ممالک ...... حجاز، مصر، شام اور روم وغیرہ ...... میں پہنچے اور پھیلے اور ممالک اسلامی کے علمائے دین و اصحابِ افتا نے اس سے استفادہ کیا۔

فتاویٰ عالم گیری کی تدوین و ترتیب کے بعد عالم گیر نے پورے ملک میں حکم جاری کر دیا تھا کہ عدالتی فیصلوں میں اسی کو سامنے رکھا جائے اور اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ اس کے لیے ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں دیانت دار اور امین اہل علم قاضی مقرر کیے تا کہ وہ شریعت کی روشنی میں فیصلے صادر کرنے سے متعلق کسی نوع کی مداہنت یا کمزوری کا شکار نہ ہوں اور ہر معاملے میں دیانت دارانہ تحقیق و تدقیق کے بعد صحیح نقطہ نظر تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

بہر حال اورنگ زیب عالم گیر بہت سی خوبیوں کا مالک تھا اور برصغیر میں اسلامی احکام و اوامر کی نشر و اشاعت میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ یہ بادشاہ ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ شاہ جہان کو نظر بند کر کے چالیس سال کی عمر میں یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ (۲۳۔ جولائی ۱۶۵۸ء) کو تخت ہند پر متمکن ہوا۔ پچاس برس بڑے رعب و دبدبے کے ساتھ حکومت کی اور نوے برس عمر پا کر ۲۸۔ ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ (۲۱۔ فروری ۱۷۰۷ء) کو دکن میں فوت ہوا۔

اس کی قبر خلد آباد (دکن) میں ایک بزرگ شیخ زین العابدین کی قبر کے قریب ہے۔ یہ ایک پہاڑی مقام ہے، جہاں بے شمار بزرگانِ دین، صوفیائے کرام اور مشاہیر اسلام مدفون ہیں۔

عالم گیر کے حالات و سوانح، بہت سے تذکرہ نگاروں نے جمع کیے ہیں۔ متقدمین میں سے بختاور خان نے مرآۃ العالم تصنیف کی، محمد کاظم بن محمد امین شیرازی نے عالم گیر نامہ لکھا جو اس کے تخت حکومت پر متمکن ہونے سے لے کر ابتدائی دس سال تک کے واقعات کو محیط ہے۔ مستعد

خاں نے مآثر عالم گیری تالیف کی، عاقل خاں رازی اور خافی خاں نے منتخب اللباب اور طباطبائی نے سیر المتاخرین میں اس کے سوانح حیات جمع کیے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی کتابیں اس کے حالات اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں لکھی گئیں۔

اورنگ زیب کے اساتذہ:

جب یہ واضح ہو چکا کہ اورنگ زیب عالم گیر، اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر شاہانِ ہند میں ممتاز مرتبے کا حامل تھا اور اس کی بوقلموں خدماتِ اسلامیہ کا حلقہ وسعت پذیر تھا، تو مناسب ہوگا کہ اس کے اساتذہ کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ مرتبین فتاویٰ عالم گیری کے علاوہ عہد عالم گیری کے دیگر فقہا و علما کے بارے میں بھی معلومات سامنے آسکیں اور یہ بات بھی علم و ادراک کی گرفت میں آسکے کہ اس عظیم حکمران نے کن اونچی شخصیتوں سے کیا استفادہ کیا اور ان سے کس نوع کے فیوض حاصل کیے۔

مولانا عبداللطیف سلطان پوری:

اورنگ زیب کے اساتذہ میں سے ایک استاذ مولانا عبداللطیف سلطان پوری تھے۔ وہ ان علما میں سے تھے جو علومِ حکمیہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے کتب درسیہ لاہور کے ایک عالم شیخ جمال الدین لاہوری سے پڑھیں۔ شیخ جمال الدین لاہوری اس عہد کے لاہور کی علمی فضا پر چھائے ہوئے تھے اور بلند مرتبہ کے مالک تھے۔ انھوں نے منطق و فلسفہ علامہ فتح اللہ شیرازی سے پڑھا۔ پھر درس و تدریس اور ترویج علوم میں مشغول ہو گئے۔ ''عمل صالح'' اور ''بادشاہ نامہ'' کے بیان کے مطابق شاہ جہان نے انھیں اپنے باپ جہاں گیر کی زندگی میں اپنے بیٹے دارا شکوہ کا معلم مقرر کیا تھا۔ شاہ جہان ان کی انتہائی توقیر کرتا تھا اور انھیں کئی دیہات بھی بطورِ عطیہ دیے تھے۔ مرآۃ العالم کے مطابق شاہ جہان نے انھیں اپنے بیٹے عالم گیر کا استاذ مقرر کیا۔ مرآۃ العالم کا مصنف بختاور خاں کہتا ہے کہ عالم گیر جذبۂ عقیدت و احترام سے مغلوب ہو کر عام طور سے کہا کرتا تھا کہ مولانا عبداللطیف میرے استاذ ہیں۔ مجھ پر ان کے بہت حقوق ہیں۔ میں نے ان سے علوم و فنون حاصل کیے ہیں۔ وہ مجھے دیگر اساتذہ کی نسبت بہت اہتمام اور کوشش سے پڑھاتے تھے اور مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

مرأۃ العالم کے مطابق ان کی وفات ۱۰۴۲ھ میں ہوئی۔ اور ان کے بعض ساتھیوں نے ''آفتابِ عالم را آمد کسوف'' کے الفاظ سے ان کی تاریخ وفات نکالی۔

''تذکرہ علمائے ہند'' میں لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۰۳۶ھ میں ہوئی، لیکن یہ قابل اعتماد نہیں۔ ❶ تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''ملا عبداللطیف سلطان پوری از معلمانِ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ بود۔ در معقولات و منقولات مہارت تمام داشت۔ سال یک ہزار وسی وشش ہجری وفات یافت۔''

آفتاب علم را آمد کسوف مادہ تاریخ فوتش یافتہ اند. ❷

مولانا محمد ہاشم گیلانی:

عالم گیر کے ایک استاذ علامہ محمد ہاشم بن محمد قاسم حسینی گیلانی تھے۔ انھوں نے علومِ حکمیہ کی تحصیل مرزا ابراہیم ہمدانی اور نصیر الدین حسین شیرازی سے کی۔ فقہ، حدیث اور علومِ عربیہ کے لیے شیخ محمد العربی محدث، شیخ عبدالرحیم الحسائی اور علامہ حسام الدین اسفرائینی کے پوتے، شیخ علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ بارہ سال حرمین شریفین میں اقامت پذیر رہے۔ بعد ازاں ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہاں آکر شیخ علی گیلانی سے فنونِ ریاضی اور طب کی تکمیل کی۔ عرصے تک باقاعدہ طبابت کرتے رہے۔ پھر احمد آباد میں سکونت اختیار کر لی اور وہاں سلسلۂ تدریس شروع کیا، جس سے بہت سے تشنگانِ علوم نے، اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ احمد آباد میں جب دائرۂ شہرت وسیع ہوا اور دور تک لوگ متعارف ہوگئے تو ہندوستان کے مغل حکمران شاہ جہان نے انھیں احمد آباد کے عہدۂ صدرات پر متعین کر دیا۔ کئی سال اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد شاہ جہان نے ان کو اپنے بیٹے اورنگ زیب عالم گیر کا استاذ مقرر کر دیا۔

شیخ محمد ہاشم کی کچھ تصنیفات بھی ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی پر تعلیقات اور تحریر الاقلیدس پر مقالۂ تاسعہ (نویں مقالہ) تک حاشیہ۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۴۷، ۲۴۸۔

❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۱۳۲۔

اَسّی سال کی عمر پا کر ۱۰۶۱ھ میں بمقام اورنگ آباد وفات پائی۔ ❶

شیخ محی الدین بہاری:

شیخ علامہ محی الدین بن عبداللہ بہاری بھی عالم گیر کے اساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ یہ عظیم المرتبت عالم اپنے زمانے کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ بہار کے نواح میں پیدا ہوئے اور نو سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے والد گرامی مولانا عبداللہ کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ اس کے بعد تدریس کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی اور اپنے شہر ہی میں سلسلۂ درس کا آغاز کیا اور ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں شاہ جہان نے اپنے لڑکے اورنگ زیب عالم گیر کے معلم مقرر کر دیا۔ عالم گیر کو متواتر بارہ سال تعلیم دی۔ پھر علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے پوتے شیخ حیدر سے منسلک ہوگئے اور ان سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اطراف سے منقطع ہو کر اپنے شہر میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور زہد و عبادت میں مشغول ہوگئے۔ انھیں ملا موہن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ تصنیف و تالیف سے بھی تعلق تھا، چنانچہ علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن حاجب کی، مبحث غیر منصرف تک فارسی زبان میں شرح لکھی۔ ان کی علمی و تدریسی زندگی سے متعلق مختلف تذکرہ نگاروں نے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جو بڑے دلچسپ ہیں۔ ''مآثر الکرام'' کے مطابق ان کی وفات ۱۰۶۸ھ میں ہوئی۔ مرأۃ العالم میں بختاور خاں کا کہنا ہے کہ یہ عالم گیر کے سریر آرائے مملکت ہونے کے پہلے سال ہی وفات پا گئے تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر چوراسی سال تھی۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات خود انہی کے قول ''استاذ الملۃ والدین'' سے نکالی ہے۔ ❷

حاجی قاسم خوش نویس:

حاجی قاسم خوش نویس سے عالم گیر نے خط نسخ سیکھا۔ ان کا ذکر عالم گیر نامہ (فارسی) میں عالم گیری کے ساتویں سال جلوس (۱۰۷۴ھ) میں کیا گیا ہے۔ چند دیگر حضرات کے ساتھ بادشاہ نے اس سال انھیں بھی انعام و اکرام سے نوازا تھا۔ الفاظ یہ ہیں:

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۹۵۔ ❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۰۰۔

”وتقویٰ شعار شیخ محمد اشرف لاہوری وسیّد ہدایت اللہ قادری وحاجی قاسم خوش نویس وشیخ جمال محدث وشیخ قطب وملا فروغی شاعر وچندے دیگر ہرکدام بانعام یک ہزار روپیہ بہر اندوز مرحمت گشت و پنج ہزار روپیہ بزمرہ نغمہ سنجان وسرود سرایانِ آں بزم مسعود عطا شد۔“ ❶

حاجی قاسم خوش نویس کے لڑکے عبداللہ کو بھی چار ہزار روپیہ بطورِ انعام عطا کیا۔ ❷

شیخ علی بن محمد مقیم:

شیخ علی بن محمد مقیم خطاط سے عالم گیر نے خط نستعلیق کی مشق کی جو ”جواہر رقم“ کے لقب سے مشہور تھے۔ مرأۃ العالم میں بختاور خاں کا بیان ہے کہ انھوں نے فن خطاطی اپنے والد (محمد مقیم) سے سیکھا۔ سلطان شاہ جہان کے دورِ حکومت میں واردِ ہند ہوئے۔ اس نے انھیں اپنے بیٹے عالم گیر کا اتالیق مقرر کیا اور ”جواہر رقم“ کے لقب سے نوازا۔ عالم گیر، تخت حکومت پر متمکن ہوا تو انھیں اپنے کتب خانے کا ناظر و مہتمم بنا دیا۔ جہاں یہ بہترین خطاط اور خط نستعلیق میں عدیم النظیر تھے، وہاں عمدہ شاعر بھی تھے۔ بطورِ مثال ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

نفسم سوختہ فریاد خموشی دارم تا کہ در گرد سرمہ فروشی دارم

علامہ محمد شفیع یزدی:

عالم گیر کے ایک استاذ علامہ محمد شفیع یزدی (نواب دانشمند خاں) تھے جو اقلیم ہند کے مشہور فضلا میں سے تھے۔ منتخب اللباب میں مرقوم ہے کہ یہ شاہ جہان کے عہد حکومت میں ۱۰۶۰ھ میں بحری راستے سے سورت میں داخل ہوئے۔ شاہ جہان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ہاں بلایا اور نہایت عزت واحترام سے پیش آیا۔

عمل صالح میں، محمد صالح کہتا ہے کہ انھوں نے اپنے وطن ہی میں تحصیل علم کی اور تجارت کی غرض سے وارد ہند ہوئے اور بڑا نفع حاصل کیا۔ واپس وطن جانے کے لیے سورت پہنچے تو شاہ جہان نے طلب کیا اور بلند مناصب سے نوازا۔

مرأۃ جہاں نما کے مطابق، شاہ جہان نے انھیں ”بخشیگری“ پر متعین کیا اور پھر ان کے

---

❶ عالم گیر نامہ، صفحہ: ۸۵۷۔ ❷ ایضاً، صفحہ: ۸۷۲۔

منصب وعہدے میں برابر اضافہ کرتا رہا، لیکن اپنے آخری ایامِ زندگی میں ان تمام مناصب سے علیحدہ ہو کر دہلی میں گھر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے۔ جب عالم گیر تخت نشین ہوا تو انھیں ''میر بخشیگری'' کے منصب پر سرفراز کیا۔ عالم گیر نے ان سے شروع سے آخر تک امام غزالی کی معروف تصنیف احیاء علوم الدین پڑھی۔ اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔

مآثر الامرا میں مرقوم ہے کہ یہ بہت بڑے عالم اور بحر تحقیق کے غواص تھے۔ ہندو اور عیسائی اور فرنگی اہل علم کثیر تعداد میں ان کے گرد رہتے۔ ان کے علم وفضل سے مستفید ہوتے اور مختلف علوم وفنون کے بارے میں مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس طرح ان کا حلقۂ تعارف اور دائرۂ اثر بہت بڑھ گیا اور یہ اہل علم کے لیے مرکز و مرجع کی حیثیت اختیار کر گئے۔ فلسفہ، تاریخ اور عمرانیات میں بالخصوص وسیع المعلومات اور کثیر المطالعہ تھے اور مختلف زبانوں کے جید عالم۔

مآثر عالم گیری میں مرقوم ہے کہ انھوں نے ۱۰۷۸ھ میں میر بخشیگری کا عہدہ سنبھالا اور پھر تمام عمر اس عہدے پر متعین رہے۔

مآثر الامرا کے مطابق ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰۸۱ھ کو عہد عالم گیری میں وفات پائی۔ ❶

عالم گیر کے مرشد:

شیخ سیف الدین سرہندی عالم گیر کے مرشد تھے۔ ۱۰۴۹ھ میں بمقام سرہند پیدا ہوئے اور علم وطریقت کی آغوش میں پلے بڑھے۔ اپنے والد ماجد شیخ محمد معصوم سرہندی کے حکم سے دہلی میں اقامت گزین ہوگئے۔ وہاں مرجع طالبین اور مجمع سالکین بن گئے۔ دہلی ہی میں اورنگ زیب عالم گیر نے ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ شریعت کے انتہائی پابند اور بدعت و خلاف شرع امور کے بدرجہ غایت مخالف تھے۔ امت محمدیہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہر آن کوشاں رہتے۔ اسی بنا پر ان کے والد مکرم نے انھیں ''محتسب الامۃ'' کا لقب دے رکھا تھا۔ پابندیٔ شریعت اور اجتنابِ بدعت میں اس درجہ سخت تھے کہ ایک مرتبہ عالم گیر نے محل میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ اتباع سنت کے نقطۂ نظر سے یہ دعوت قبول فرمائی۔ محل میں داخل ہوتے وقت دیکھا کہ قلعے کی دیوار کے پتھروں پر کچھ تصویریں نقش ہیں۔ وہیں

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۷۵، ۳۷۶۔

رُک گئے اور قلعے میں داخل ہونے میں توقف فرمایا۔ بادشاہ معاملے کو بھانپ گیا اور ان تصویروں کو توڑنے کا حکم دیا، چنانچہ تصویریں توڑی گئیں تو محل میں داخل ہوئے۔

سلاطین وامرا پر ان کا انتہائی رُعب تھا۔ وہ مؤدب ہو کر سامنے کھڑے رہتے اور کسی کو ان کی موجودگی میں بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بہت ہی عمدہ لباس زیب تن کرتے۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات اُبھری جو زبان پر بھی آ گئی کہ یہ لباس فاخرہ ہے اور اس میں کبر پایا جاتا ہے، اس قسم کا لباس پہننا اولیاء اللہ کے لیے مناسب نہیں۔ فرمایا میرا کبر، کبریائے حق عزوجل کے ظل کے مترادف ہے۔ ان کا لنگر خانہ آنے جانے والوں کے لیے کھلا رہتا۔ روزانہ تقریباً ایک ہزار آدمی کھانا کھاتے۔ اور ہر شخص کی طبعی رغبت ومنشا کے مطابق کھانا دیا جاتا۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ کو ۴۷ سال عمر پا کر عہد عالم گیری میں فوت ہوئے اور سرہند میں دفن کیے گئے۔ بعض حضرات نے تاریخ وفات ''ہے ہے ستونِ دین افتاد'' سے نکالی ہے۔ [1]

''تذکرۂ علمائے ہند'' میں سنِ وفات ۱۰۹۸ھ مرقوم ہے۔ ''در سالِ ہزار ونود وہشت ہجری وفات یافتہ'' (صفحہ ۸۴)

شیخ محمد معصوم:

شیخ سیف الدین سرہندی کا ذکر آیا ہے تو ان کے والد مکرم شیخ محمد معصوم سرہندی کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

شیخ محمد معصوم عمری سرہندی ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ یا ۱۰۰۹ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ عادات و اطوار، صورت وسیرت، تقویٰ وطہارت اور تصوف وسلوک میں بالکل اپنے والد گرامی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی کے مشابہ تھے۔ بعض کتب درسیہ اپنے برادر کبیر شیخ محمد صادق سے اور زیادہ تر اپنے والد محترم اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں (جو ان کے دادا شیخ عبدالاحد بن زین العابدین سرہندی اور ان کے بعد مجدد الف ثانی کی رفاقت وصحبت سے فیض یاب ہوئے تھے اور لاہور کے مشہور فاضل تھے۔ تاریخ وفات ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ ہے) علم طریقت و سلوک اپنے باپ سے حاصل کیا۔ قرآنِ مجید صرف تین مہینے میں حفظ کر لیا تھا۔ مجدد الف ثانی

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۱۶۰، ۱۶۱۔

نے اپنے اس بیٹے کو ورع وتقویٰ کے مقامات عالیہ پر پہنچنے کی بشارت دی تھی جو پوری ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد مسند سلوک وارشاد پر فائز ہوئے۔ حرمین شریفین کا بھی سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ عرصے تک مدینہ منورہ میں قیام فرمارہے۔ وطن واپس آئے تو تمام عمر درس وتدریس اور افادۂ عام میں صرف کردی۔ زیادہ تر تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ، عضدی اور تلویح کی تدریس فرماتے تھے۔ دنیائے اسلام کے مختلف حصوں میں جن لوگوں نے ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کی مجموعی تعداد نو لاکھ کے قریب ہے اور ان کے خلفا کی تعداد سات ہزار بتائی جاتی ہے۔ اپنے والد (مجدد الف ثانی) کی طرح شیخ معصوم کے مکتوبات کا بھی ذخیرہ موجود ہے۔ یہ مکتوبات تین جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں تصوف وطریقت کے اسرار و لطائف بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی وفات ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ کو سرہند میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ [1]

بختاور خاں عالم گیر کا نامور سوانح نگار:

بخت یاور خاں، جو بختاور خاں کے نام سے مشہور ہے، فاضل شخص تھا اور عالم گیر کے خاص ندما و امراء، ثقات ومشیرین اور حلقۂ رکاب میں سے تھا۔ تیس سال اس کی خدمت میں رہا۔ تاریخ وسیر اور ادب وانشا میں ماہر اور دین ودانش اور حسن کلام میں یکتا تھا۔ علما وفضلا سے قلبی تعلق رکھتا تھا۔ کئی کتابوں کا مصنف ہے، جن میں مرآۃ العالم بڑی قابل اعتماد اور بہترین کتاب ہے۔ ایک کتاب منتخب حدیقۂ سنائی، منتخب کلیات عطار اور منتخب مثنوی معنوی ہے، جس کو ایک ہی کتاب میں جمع کردیا گیا ہے۔ (ایں لب لباب سہ کتابست) ایک تاریخ الالفی ہے، جو احمد بن نصر اللہ ٹھٹھوی کے لیے لکھی۔ ایک اس کی بیاض ہے جو بڑی نادر اور عمدہ چیز ہے۔ اس کی ایک تصنیف ریاض الاولیا ہے جو حالات واخبار مشائخ پر مشتمل ہے۔ خود بختاور خاں کے لیے متعدد علمائے کرام نے کتابیں لکھیں۔ مثلاً قاضی ابوبکر اکبر آبادی نے عربی زبان میں فقہ سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی، جس میں مذہب امام ابوحنیفہ کے مطابق معمول بہا مسائل جمع کیے گئے ہیں اور بختاور خاں کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ پھر ملا محمد نافع اکبر آبادی نے خلاصۃ الخانیہ کے نام سے فارسی زبان میں مسائل فقہ حنفیہ پر محتوی کتاب تالیف کی۔ حکیم عبداللہ اکبر آبادی

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۰۷، ۴۰۸۔

نے جو مشہور عالم تھے اور علوم پر گہری نظر رکھتے تھے، ۱۰۹۱ھ میں طب کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا اور اسے ''ہمدم بخت'' کے نام سے موسوم کیا۔

بختاور خاں ۱۵ ربیع الاوّل ۱۰۹۶ھ کو ارض دکن میں فوت ہوا۔ عالم گیر نے اس کی موت پر از حد حزن و ملال کا اظہار کیا۔ نمازِ جنازہ خود پڑھائی، جنازے کو کندھا دیا اور مشایعت کی۔ پھر میت کامل احترام کے ساتھ دہلی بھیجی گئی اور وہیں مدفون ہوا۔ ❶

فتاویٰ عالم گیری، جسے ''فتاویٰ ہندیہ'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، اسی مشہور مغل حکمران اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں مرتب کیا گیا اور اسی کے حکم اور سعی و کوشش سے معرضِ تصنیف میں لایا گیا اور پھر اسی کے نام سے منسوب ہوا۔ یہ فتاویٰ اس دور کے معروف علمائے کرام اور مستند فقہائے عظام کی ایک بڑی جماعت نے مرتب کیا تھا۔ فتاویٰ عربی زبان میں ہے اور چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مضامین و مندرجات کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت مفصل کتاب ہے جو مختلف اوقات میں مختلف سائزوں پر زیورِ طبع سے آراستہ ہوتی رہی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ بھی اسے چھاپ چکا ہے اور مطبع المجیدی کانپور سے حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵ اور دیگر مطالع بھی بڑے اہتمام و انصرام سے اس کی طباعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس کے ایک حصے کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے، جس کا نمبر ۸۹۵۲ ہے اور ۲۱۱ اوراق کو محتوی ہے، بہترین خط نسخ میں ہے۔ یہ نسخہ اپنے دامن صفحات میں مندرجہ ذیل مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔

کتاب الدعوی ، کتاب الاقرار ، کتاب العلم ، کتاب المضاربة ، کتاب الودیعة ، کتاب العاریة ، کتاب الھبة ، کتاب الاجارہ ، کتاب المکاتب ، کتاب الولاء ، کتاب الاکراہ ، کتاب الحجر ، کتاب الماذون ، کتاب الغصب۔

گلستانِ فقہ:

فتاویٰ عالم گیری کے بہت سے مندرجات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اختلاف کوئی

---

❶ نزہتہ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۵۸۹۔ مآثر عالم گیری وغیرہ۔

بڑی بات نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی ہند میں فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف بہت بڑی علمی خدمت ہے جو ایک نیک دل اور صاحب علم حکمران کی سعی بلیغ سے اس برصغیر کے فحول علما اور نامور فقہا کی ایک منظم جماعت کے ہاتھوں انجام دی گئی۔ اس اہم کام کا جس انداز سے آغاز ہوا، جس نہج سے یہ مختلف منازل سے گزرا اور پھر جس اسلوب سے یہ تکمیل پذیر ہوا، اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ یہ ایک گلستانِ فقہ ہے، جس میں عبادات اور معاملات دونوں پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور ہر مسئلے کے ہر گوشے کو کتب فقہ کے حوالوں سے منقح کیا گیا ہے۔ تشنگی کسی حصے میں بھی حتی الامکان باقی نہیں رہنے دی گئی۔

ان سطور میں ہم درج ذیل امور پر اظہار خیال کریں گے:

- فتاویٰ کے مشمولات و مضامین۔
- اس کی علمی و فقہی اہمیت۔
- حصہ عبادات اور حصہ معاملات۔
- فتاویٰ کی خصوصیات۔
- فتاویٰ کی تصنیف کے اصل محرک و ساعی، اورنگ زیب عالم گیر اور اس کا ذوقِ علمی۔
- اس کے مرتبین کے حالات۔
- اس کے ترجمے اور مترجمین۔
- ان کتابوں کا تعارف جن سے اس کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا۔

مشمولات و مضامین:

فتاویٰ عالم گیری جن مضامین و مشمولات پر محیط ہے، اس کی فہرست یہ ہے:

کتاب الطهارة، کتاب الصلوٰة، کتاب الزکوٰة، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النكاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود، کتاب السرقة، کتاب السیر، کتاب اللقیط، کتاب اللقطة، کتاب الاباق، کتاب المفقود، کتاب الشرکة، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الصرف، کتاب

الکفالة، کتاب الحوالة، کتاب ادب القاضی، کتاب الشهادات، کتاب الرجوع عن الشهادة، کتاب الوکالة، کتاب الدعوی، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربة، کتاب الودیعة، کتاب العاریة، کتاب الهبة، کتاب الاجارة، کتاب المکاتب، کتاب الولاء، کتاب الاکراه، کتاب الحجر، کتاب الماذون، کتاب الغصب، کتاب الشفعة، کتاب القسمة، کتاب المزارعة، کتاب المعاملة، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیة، کتاب الکراهیة، کتاب التحری، کتاب احیاء الموات، کتاب الشرب، کتاب الاشربة، کتاب الصید، کتاب الرهن، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الشروط، کتاب الحیل، کتاب الخنثی، مسائل شتی، کتاب الفرائض۔

یہ ہیں وہ موٹے موٹے عنوانات، جو دیگر کتب حدیث و فقہ کی طرح ''کتاب'' کے لفظ سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے سوائے کتاب اللقیط، کتاب اللقطة، کتاب الاباق اور کتاب المفقود کے باقی تمام عنوانات میں الگ الگ ''باب'' مقرر کیے گئے ہیں اور ہر باب میں ''فصل'' کے تحت کچھ ذیلی عنوانات قائم کر کے مسئلہ زیر بحث سے متعلق بہت سے ضمنی مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ سات ابواب پر مشتمل ہے، جنھیں باب اوّل، باب ثانی، باب ثالث، باب رابع کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہر باب کے تحت کچھ فصول ہیں، جنھیں فصل اوّل، فصل ثانی، فصل ثالث کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھیے:

⊙ باب اوّل:...... وضو کے بیان میں

فصل اوّل:	فرائض وضو کے بیان میں
فصل دوم:	وضو کی سنتوں کے بیان میں
فصل سوم:	مستحبات وضو کے بیان میں

- باب دوم:...... غسل کے بیان میں

فصل اوّل: غسل کے فرضوں میں

فصل دوم: غسل کی سنتوں میں

فصل سوم: ان چیزوں کے بیان میں جن میں غسل واجب ہوتا ہے۔

کچھ مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں باب اوّل، باب دوم، باب سوم ہی لکھے گئے ہیں، ان کے تحت ''فصل'' کا لفظ یا تو بالکل نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ مثلاً ''کتاب القاضی'' کا انداز یہ ہے:

پہلا باب: ادب وقضا کے معنی اور اس کی اقسام وشرائط کے بیان میں

دوسرا باب: منصب قضا اختیار کرنے کے بیان میں

تیسرا باب: دلائل پر عمل کرنے کی ترغیب

چوتھا باب: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے یا نہیں۔ اس میں علما کا اختلاف۔

پانچواں باب: قاضی کے تقرر اور اس کی معزولی کے بیان میں۔ وغیرہ وغیرہ۔

فتاویٰ عالم گیری میں اس بات کا تقریباً التزام کیا گیا ہے کہ ہر ''کتاب'' کے شروع میں مسئلہ متعلقہ کے معنی و مطلب کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً کتاب الحوالہ، کتاب الشہادات یا کتاب الوکالہ وغیرہ سب کے آغاز میں اس کی ضروری تصریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حوالہ کے کیا معنی ہیں۔ شہادت کا کیا مطلب ہے اور وکالہ کسے کہتے ہیں۔

فتاویٰ کی فقہی اہمیت:

فتاویٰ عالم گیری فقہ حنفی پر مشتمل ہے اور اس مسلک کی ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے۔ فقہی اعتبار سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ یا تو فقہ حنفی کی رو سے راجح اور مفتی بہ ہیں یا ظاہر الروایت کے ہیں۔ یعنی فقہ حنفی کی ان چھ معروف کتابوں سے ماخوذ ہیں، جو امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف بتائی جاتی ہیں اور جنھیں ظاہر الروایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ ہیں، جامع الکبیر، جامع الصغیر، المبسوط، الزیادات، السیر الکبیر اور السیر

الصغیر۔ یہ کتابیں علمائے فقہ حنفیہ میں بہت اہمیت کی حامل ہیں اور فقہ حنفی کی عمارت انہی کتابوں کی بنیاد پر استوار ہے۔

فتاویٰ عالم گیری کی فقہی اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے اور اس کے مآخذ و مراجع فقہ حنفیہ میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔

مآخذ:

فتاویٰ عالم گیری کے مآخذ یہ ہیں:

الوافی، الکافی، خزانۃ الفقہ (از امام ابواللیث م ۳۸۳ ھ) الملتقط، الزاد، الفتاویٰ الغیاثیۃ، الفتاویٰ الحجۃ، فتاویٰ برھانیۃ، فتاویٰ تاتار خانیہ (از عالم بن العلاء) منیۃ المصلی، کنز الدقائق، ھدایہ (از برھان الدین مرغینانی) شرح طحاوی، الذخیرہ، شرح منیۃ المصلی، المضمرات یا جامع المضمرات، البدائع، المغنی، عینی شرح ھدایہ، الخلاصہ، الفرائض الزاھدی (از ابوالرجاء مختار بن محمود، م ۶۵۸ھ) الظھیریہ (از ظھیر الدین بخاری، م ۶۱۹) المحیط (اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک المحیط الربانی، جو برہان الدین صدر الشریعہ کی تصنیف ہے۔ دوسری المحیط جو السرخسی کی تالیف ہے۔) طحاوی، فتاویٰ قاضی خاں، شرح وقایہ، التبیین، (امام نسفی) المحیطین (غالباً اس سے، المحیط البرھانی اور المحیط السرخسی مراد ہے) السراج الوھاج، الفتح القدیر (ابن الھمام) البحر الرائق (الجامع الصغیر، از امام محمد) الجامع الوجیز (لکھردری ۸۱۲ ھ) فتاویٰ سراجیۃ، (از الاوشی الفرغانی، سال تصنیف ۵۶۹ء) الاختیار فی شرح المختار، کفایہ شرح ھدایہ (از جلال الدین خوارزمی) الجوھرۃ النیرۃ، شرح قدوری (از ابوبکر الحداوی) القنیہ، المحیط السرخسی، النھر الفائق، المبسوط (امام سرخسی، فتاویٰ شیخ الاسلام المعروف ن خواھرزادہ) شرح

المبسوط، العتابیہ، خزانة المفتین (از امام حسین بن محمد السمنقانی ٧٤٠ ھ) عینی شرح کنز، المفید والمزید، شرح منیه (از ابن امیر الحاج) خزانة الفتاویٰ (از احمد بن محمد الحنفی صاحب مجمع الفتاویٰ) الاسرار فی الاصول والفروع (از ابو زید عبیداللّٰہ بن عمر الدبوسی م ٤٣٠ھ) شرح الزیادات، النقایه (از شیخ ابو المکارم) الصغری، شرح المجمع (از ابن الملك) التجنیس صاحب هدایه، الفتاویٰ العتابیة المعروف بجامع الفتاوٰ، الفتاویٰ الولوالجیه، فتاویٰ الامام کرخی، الفتاویٰ الکبری (از حسام الدین عمر بن عبدالعزیز م ٥٣٦ھ) الفتاویٰ الصغری (از حسام الدین عمر بن عبدالعزیز م٥٣٦) الفتاویٰ الغرائب فتاویٰ التمرتاشی، فتاویٰ العتابیه (از ابو نصر عتابی) فتاویٰ قراخانی، الصیرفیه یا فتاویٰ اُهو، مختار الفتاویٰ (از ابو الفضل مجد الدین الموصلی م ٦٨٣ ھ) التنویر شرح تلخیص، جامع الصغیر، العنایه شرح الهدایه، شرح تلخیص جامع الکبیر، شرح کتاب الاستحسان، (کتاب الاستحسان، شمنی کی ہے، اس کے شارح شمس الائمہ طوانی ہیں) فتاویٰ ابی الفتح (از مجد الدین ابو الفتح م ٦٣٢ ھ) فتاویٰ المخجندی، فتاویٰ رشید الدین، فتاویٰ نسفی، فتاویٰ فصلی شرح الزیادات للعتابی (از ابو القاسم احمد بن محمد العتابی م٥٨٦ھ) الاسعاف (برهان الدین ابراهیم بن ابوبکر الطرابلسی م ٨٤٣ھ) (یہ کتاب اوقاف کے مسائل و جزئیات کا مجموعہ ہے) المستصفی، شرح ادب القاضی، نوادر ابن سماعه، الواقعات الحسامیه، فوائد نظام الدین، کتاب رزین، البحر الزاخر، فصول الاستروشنی (از امام مجد الدین ابو الفتح م٦٣٢ ھ) فوائد العلامة شیخ الاسلام برهان الدین، شرح المبسوط، قدوری، ینابیع یعنی ینابیع الاحکام (از اسفرائنی) شاهان

شرح الهداية، شرح مقدمه ابی اللیث، المحیط السرخسی، وقایه، المصفی، الکفایه التهذیب (از شیخ احمد القلانسی) جامع الجوامع، جواهر الاخلاطی، الحصیر، البرجندی، غایة البیان شرح هدایه اقرار العیون، مختارات النوازل (از صاحب الهدایه، شرح هدایه (از ابو العباس احمد بن ابراهیم الروجی، المنتقی، الواقعات، المجتبی، التحریر شرح جامع الکبیر للحصیری (از جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م۶۳۲ھ) البقالی، الفصول العمادیه (از جمال الدین بن عماد الدین الحنفی) الحاوی المقدسی (از قاضی جمال الدین احمد بن محمد م۵۹۳ھ یا ۶۰۰ ھ) کفایه شرح هدایه (از جلال الدین خوارزمی، الصیاح شرح طحاوی، النهایه۔

خصوصیات:

فتاویٰ عالم گیری اپنے اندر کچھ خصوصیات رکھتا ہے اور چند ایسے اوصاف کا حامل ہے جو فقہ کی دوسری کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔

اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص یا دو چار علما کی علمی کوششوں کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ فقہائے حنفیہ کی ایک بڑی جماعت کی مساعیٔ جمیلہ سے معرضِ تصنیف میں آیا۔ عالم گیر نے جن علمائے کرام کو اس کی ترتیب و تالیف کے لیے منتخب کیا، وہ یہی نہیں کہ اُس دور کے علمی میدان میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے، زہد و تقویٰ اور تدین و پارسائی میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ انھوں نے کمال محنت اور بدرجۂ غایت عرق ریزی سے یہ اہم فریضہ انجام دیا۔ اور چونکہ یہ علمائے فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ و تازِ علمی کا نتیجہ ہے، اس لیے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔ تاہم اس کے مندرجات سے اختلاف کی گنجائش بہر حال ہے۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل و مبسوط کتاب ہے، جو ایک دین دار بادشاہ کی ذاتی سعی و محنت سے لکھی گئی اور اس پر عمل کی دیواریں

تعمیر کی گئیں۔ اور پھر یہ کتاب کئی بار کتابت و طباعت کی منزلوں سے گزری، فارسی اور اُردو زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے، تاکہ اس کے مضامین و مندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں۔ اس کتاب کے علاوہ بھی مختلف حکمرانوں کے دَور میں فقہا نے فتاوے ترتیب دیے اور اس دور کے حکمرانوں کے نام منسوب کیے۔ لیکن یا تو وہ ایک ''قلمی کتاب'' سے آگے کی منزل کو نہ پہنچ سکے یا پھر ان میں سے کوئی ایک قدم آگے بڑھ کر طباعت کے مرحلے سے گزرا بھی تو کما حقہ شہرت نہ حاصل کرسکا، لیکن فتاویٰ عالم گیری اس باب میں سب پر فوقیت لے گیا اور علمی دنیا میں اسے ایک مقام ملا۔

اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقط حصہ عبادات ہی کو اہمیت نہیں دی گئی، اس کا حصہ معاملات بھی متعدد ضروری تفصیلات اور جزئیات پر مشتمل ہے اور اہم مسائل پر محیط۔

چوتھی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ ہر مسئلے کے ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب (جس کا حوالہ دیا گیا ہے) سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ''ناقلاعن فلان'' کا لفظ لکھ کر اصل ماخذ کا ذکر کردیا گیا ہے۔

بہر حال کتاب اپنے مآخذ فقہی مصادرِ علمی اور خصوصیات تصنیفی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔

فتاویٰ عالم گیری کا سالِ تالیف:

یقین اور قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی تصنیف و تالیف کا آغاز کب ہوا اور کتنی مدت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ''عالم گیر نامہ'' کے مصنف منشی محمد کاظم بن محمد امین نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

آغاز سال دہم والائے دولت عالم گیری
مطابق سنہ ہزار و ہفتاد و ہفت ہجری[1]

جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح کیا گیا ہے، عالم گیر نے چالیس سال کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں ہندوستان کی زمام حکومت ہاتھ میں لی اور ۱۰۷۷ھ میں وہ انچاس سال کی عمر کو پہنچا۔ چنانچہ اسی

[1] عالم گیر نامہ (فارسی) صفحہ: ۱۰۳۰، مطبوعہ کالج پریس کلکتہ، باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ۔ ۱۸۶۸ء

عنوان کے تحت عالم گیر نامہ میں گیارھویں سال جلوس کا بھی چند الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ مرقوم ہے:

''ہشتم شوال سال یازدہم از جلوس ہمایوں بظاہر دار الخلافہ رسیدہ......'' ❶

اس سے چند صفحات آگے چل کر بتایا گیا ہے:

''...... کہ سن کرامت ترین منزل خمسین را کامیاب بمنات برکات والوف سعادات ساختہ......'' ❷

یعنی قافلہ عمر مبارک سیکڑوں برکات اور ہزاروں سعادات کے جلو میں پچاس کی منزل کو پہنچ گیا۔

اب اسی ضمن میں فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ''عالم گیر نامہ'' کے فارسی الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

''اس (اورنگ زیب) کی بے شمار خدمات دینیہ اور متعدد امورِ اتباعِ شریعت میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت وہ بہت بڑے امر شرعی اور معاملہ دینی کی تکمیل میں مصروف ہے اور وہ اس طرح کہ تمام مسلمان، احکامِ دین متین کے سلسلے میں، اکابر علما اور ائمہ مذہب، فہم مسائل میں حنفی فقہ کے مطابق فتوے دیتے رہے، کیوں کہ اسی کو معمول بہا سمجھا جاتا اور اسی کی روشنی میں عمل کے میدان میں قدم زن ہوا جاتا تھا۔ اب اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اور جو مسائل کتب فقہ اور نسخہ ہائے فتاویٰ میں مذکور ہیں، ان میں فقہا و علما میں اختلافات کی وجہ سے روایات ضعیفہ اور اقوالِ مختلفہ مخلوط ہو کر رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مفتیان احناف ضعاف پر فتوے دیتے اور انہی پر عمل کرتے ہیں، لیکن یہاں ہم اس بحث میں نہیں جائیں گے، کیوں کہ بیان صرف ایک کتاب کے بارے میں اس دور کی کتابوں کے اندراجات بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ (مسائل فقہ کا) یہ سارا ذخیرہ کسی ایک ہی کتاب پر محتوی نہیں۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ جب تک بہت سی مبسوط اور مفصل کتابیں فراہم نہ ہوں کسی کو علم فقہ میں وسیع دست گاہ، کامل عبور اور پورا استحضار نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی شخص حق صریح کو پا سکتا ہے، نہ استنباطِ مسئلہ مفتیٰ بہا کے قابل ہو سکتا ہے اور نہ حکم صحیح تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اب

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۱۰۶۵۔ ❷ عالم گیر نامہ فارسی، صفحہ: ۱۰۷۱، ۱۰۷۲۔

بلاشبہ عالم گیر کے قلب وضمیر پر یہ بات القا ہوئی کہ تمام بلند مرتبت علمائے فقہ کے جمع و اشتراک اور مجموعی کوشش سے یہ اہم کام کیا جائے اور اس کے کتب خانۂ خاص میں فن فقہ کا جو معتبر و مبسوط ذخیرہ اطراف واکناف عالم سے فراہم کیا گیا ہے، اس کو مرکز توجہ ٹھہرایا جائے، تاکہ علمائے فقہ کامل تحقیق و تدقیق اور انیق غور و خوض سے ان مسائل کی جمع و تالیف کی خدمت سرانجام دیں اور سب کتابوں کو کھنگال کر ایسی جامع کتاب مرتب کریں جس کے تمام مسائل مفتیٰ بہا ہوں، تاکہ فتویٰ جاری کرنے کے باب میں قضاۃ اور مفتیانِ اسلام، اس موضوع سے متعلق تمام کتب اور مختلف ذخائر فقہ کے تتبع اور تفحص سے بے نیاز ہو جائیں۔

''اس مہم کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لیے بادشاہ نے اس کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داریاں شیخ نظام کے سپرد کیں، جو جامع فضائل معقول و منقول شخصیت ہیں۔ انھوں نے اس کی تکمیل کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور اہل فضل و دانش کی متفقہ رائے سے پیش آئند مسائل فقیہ کی جمع و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ علما و فضلا کی جو جماعت دار الخلافہ میں موجود تھی اس خدمت میں مصروف ہو گئی۔ علاوہ ازیں کشور ہند کے ہر گوشے میں اطلاعات بہم پہنچادی گئیں اور ان علوم میں جو حضرات مہارت و ممارست رکھتے تھے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تاکہ ان کی مشاورت و موافقت سے یہ رفیع الشان کام مکمل ہو سکے۔ اس سلسلے میں ان کے لیے معقول وظائف اور مناسب عطیات کا بھی اور بادشاہ کے کتب خانۂ خاص سے کتابوں کی بہم رسانی کا بھی بہترین انتظام کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے متعلق تمام مصارف خزانۂ شاہی سے پورے ہو رہے ہیں۔ جب یہ کتاب تکمیل و اتمام کے قالب میں ڈھل جائے گی اور اختتام کی صورت اختیار کر لے گی تو لوگوں کو تمام کتب فقہی سے بے نیاز کر دے گی اور اس کے اجر و ثواب کی برکتیں ابد الآباد تک اس شہنشاہِ ہند (اورنگ زیب عالم گیر) کے نامۂ اعمال میں ثبت و رقم ہوتی رہیں گی جو اپنی ذات اور نیکی کے اعتبار سے قدسی صفت انسان ہے۔''[1]

---

[1] عالم گیر نامہ (فارسی، صفحہ: ۱۰۸۷،۱۰۸۶)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ "عالم گیر نامہ" اورنگ زیب عالم گیر کے پہلے دس سالہ دورِ حکومت کے واقعات پر مشتمل ہے اور فتاویٰ عالم گیری کی جمع و تالیف کا تذکرہ اس کتاب کے آخر یعنی دسویں سن جلوس میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس فتاویٰ کی ترتیب اس وقت شروع ہوئی جب اورنگ زیب عالم گیر کو تخت ہند پر متمکن ہوئے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کا سلسلہ اسی سال ختم نہیں ہو گیا تھا، کیونکہ عالم گیر نامہ کے جس اقتباس کا ترجمہ ابھی دیا گیا ہے، اس کے آخری الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔

ان الفاظ کا ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وچوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد، جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود و برکاتِ اجر و ثوابش ابد الآباد در نسخہ حسنات شہنشاہ مؤید قدسی ملکات مثبت و مرقوم خواہد گشت۔" ❶

اس ضمن میں بختاور خاں نے بھی مرآۃ العالم میں قریب قریب یہی الفاظ تحریر کیے ہیں:

"چنانچہ قریباً دو لکھ روپیہ صرف لوازم ایں کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ، ان شاء اللہ ہرگاہ آرائش تمام و پیرایہ ہائے اختتام یابد جہانیاں را از سائر (کتب) فقہی مغنی خواہد باشد۔"

مرآۃ العالم بھی اورنگ زیب کے عہد سلطنت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات و حالات پر محیط ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تدوین پر دو سال کی مدت صرف ہوئی۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تالیف کا آغاز ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ میں ہوا اور تکمیل ۱۰۸۰ھ یا ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔

عالم گیر کا کتب خانہ:

اورنگ زیب عالم گیر علمی ذوق کا مالک تھا۔ اس کا اپنا ایک ذاتی کتب خانہ تھا جو اُس دور

---

❶ عالم گیر نامہ، صفحہ: ۱۰۸۷۔

کے مطابق بڑا وسیع اور مختلف علوم و فنون سے متعلق کتابوں پر مشتمل تھا۔ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف پر جو علما مقرر کیے گئے، وہ زیادہ تر اسی کتب خانے سے مدد لیتے تھے۔ چنانچہ عالم گیر نامہ کا مصنف رقم طراز ہے:

"...... کہ جمعے از علمائے پیرایۂ سریر اعلیٰ کتب معتبرہ و نسخ مبسوط، آں فن را کہ در کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ بروزگان از اطراف و اکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ، از روئے تحقیق و تدقیق و خوض و غور انیق بجمع و تالیف آں مسائل پردازند......" ❶

آگے چل کر لکھا ہے کہ جو علمائے کرام، ترتیب فتاویٰ کا فرض انجام دے رہے ہیں، جہاں ان کے علمی مرتبے کے مطابق ان کے لیے وظائف و عطایا کا انتظام کیا گیا ہے، وہاں انھیں بادشاہ کے کتب خانۂ خاص سے کتابیں بھی مہیا کی جاتی ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

"...... وہمگی آں فریق بوظائف شائستہ و مواہب ارجمند کامیاب گشتہ بتقدیم آں امر مشغول شدند واز کتبے کہ تمشیت آن امر رادر کار شود نسخ صحیحہ از کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ بفضلا حوالہ رفت......" ❷

عالم گیر کا یہ کتب خانہ اس کے آباو اجداد کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور مغلیہ خاندان کا ہر بادشاہ اپنے ذوقِ علمی کی روشنی میں انتہائی شوق سے اس کو ترقی دیتا اور اس میں اضافہ کرتا تھا۔ عالم گیر کے والد شاہ جہان کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور یہی شوق عالم گیر کو بھی ورثے میں ملا اور اس نے اپنے پیش رووں کے اس کتب خانے کو مزید وسعت دی۔ چنانچہ "ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے" میں "کتب خانے" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے، جس میں شاہان ہند اور شاہانِ مغلیہ کے کتب خانوں کے بارے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس مضمون میں "عالم گیر کا کتب خانہ" کے ضمنی عنوان کے تحت بتایا گیا ہے کہ عالم گیر نے اپنے سے پہلے حکمرانوں کے کتب خانے میں مزید ترقی دی۔ مرقوم ہے:

"سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں اس کتب خانہ کو اور زیادہ ترقی ہوئی۔ اس کا

---

❶ عالم گیر نامہ، صفحہ: ۱۰۸۶۔ ❷ ایضاً، صفحہ: ۱۰۸۷۔

ناظم محمد صالح تھا جو عیسیٰ خاں ترخان (سندھ) کا دوسرا لڑکا ہے اور مہتمم، مہابت خان کا پوتا محمد منصور مقرر ہوا۔ اس کو مکرمت خاں کا خطاب بادشاہ نے عطا فرمایا۔ ۱۰۶۹ھ میں اس کے مہتمم سیّد علی حسینی ہوئے، جیسا کہ ایک کتاب (قرآن شریف) کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے، جو اس وقت رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں موجود ہے۔'' ❶

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین

فتاویٰ عالم گیری فقہ کی ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے حکم سے مرتب کی گئی۔ اس کے مرتبین کی صحیح تعداد کا آج تک کسی کو پتا نہیں چل سکا۔ مختلف اصحابِ تحقیق نے اس موضوع پر لکھا ہے، جس کو جس عالم کے متعلق علم ہوا، اس کا ذکر کر دیا۔ لیکن ایک جگہ کہیں بھی ان کی تعداد مرقوم نہیں ۔ میں نے نہایت محنت سے مختلف رسائل و جرائد اور کتابوں سے ان کا سوراغ لگانے کی کوشش کی تو اٹھائیس حضرات کا علم ہو سکا۔ فتاویٰ کے فارسی اور اُردو مترجم کو ان میں شامل کیا جائے تو یہ تعداد اکتیس تک پہنچتی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں پہلے اٹھائیس مرتبین کے حالات مع ان کے اساتذہ و تلامذہ کے بیان کیے گئے ہیں، اس کے بعد مترجمین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مرتبین اس تعداد سے زیادہ ہوں گے، لیکن ہماری رسائی اٹھائیس تک ہو سکی ہے۔ یہ وہ تعداد ہے جو اس فقیر کے علاوہ کسی نے نہیں لکھی۔

۱۔ شیخ نظام برہان پوری:

جیسا کہ ''عالم گیر نامہ'' کے حوالے سے اوپر عرض کیا گیا، ''فتاویٰ عالم گیری'' کی ترتیب و تالیف پر بہت سے علما و فقہا کو مقرر کیا گیا اور اس کا اہتمام اس دور کے مشہور عالم شیخ نظام برہان پوری کے سپرد کیا گیا اور انہی کے مشورے سے اس عظیم کام کی انجام دہی کے لیے مختلف علما کو مامور و متعین کیا گیا تھا۔

مختلف تذکروں سے معلوم ہوتا ہے فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین کا دائرہ بڑا وسیع تھا، لیکن

❶ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، صفحہ: ۲۸۰، ۲۸۱، شائع کردہ اعظم گڑھ، ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء)

سوال یہ ہے کہ اس طویل فہرست میں کن کن خوش قسمت حضرات کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ کسی تذکرے میں سب کے نام یک جا نہیں ملتے۔ بسیار تلاش و جستجو کے بعد جن علمائے عالی مقام کے نام ملے ہیں، ان کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکے، تاہم جن بزرگوں کے نام اور ان کے بارے میں کچھ معلومات میسر آ سکے ہیں، وہ ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

اس ضمن میں سب سے پہلے شیخ نظام برہان پوری کا نام آتا ہے۔ عالم گیر نامہ میں ان کے بارے میں جو الفاظ تحریر کیے گئے ہیں، وہ قارئین کے مطالعہ میں آ چکے۔ اب دیگر تذکرہ نویسوں کے جمع کردہ معلومات بیان کیے جا رہے ہیں۔ نزہتہ الخواطر میں ان سے متعلق جو کچھ مرقوم ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

> "شیخ، عالم، فقیہ نظام الدین برہان پوری، اکابر فقہائے حنفیہ اور ان کے مشہور علما میں سے تھے۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے، جو علوم میں تبحر کامل تھے اور جنھوں نے تحریر مسائل، نقل احکام اور محاسن فتویٰ نویسی میں خاص طور پر محنت کی۔ ان کو قاضی نصیر الدین محدث برہان پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ جب عالم گیر اپنے والد شاہ جہان کی طرف سے بلادِ دکن میں والی کی حیثیت سے متعین تھا تو اس نے شیخ نظام کو اپنے ساتھ وابستہ کر کے اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کر لیا تھا۔ بعد ازاں فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالم گیری) کی ترتیب و تدوین کا وقت آیا تو دیگر فقہائے حنفیہ کی خدمات حاصل کر کے اس کا اہتمام ان کے سپرد کر دیا اور ان فقہا میں سے چار کو اس انداز سے ان کے نائب مقرر کیا کہ فتاویٰ کے چار حصے کر کے ان چار فقہا پر تقسیم کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک قاضی محمد حسین جون پوری محتسب، دوسرے سیّد علی اکبر سعد اللہ خانی، تیسرے شیخ حامد جون پوری اور چوتھے مفتی محمد اکرم لاہوری تھے۔ شیخ نظام الدین نے اس خدمتِ جلیلہ کی انجام دہی کے لیے اپنی تمام مساعی وقف کر دیں۔ یہاں تک کہ اسے دو سال کی مدت میں مرتب کر دیا۔ اس کے نتیجے میں عالم گیر نے ان کے منصب میں بڑا اضافہ کیا اور ان کو، اس زمانے کے تمام تکلفات اور ان مروّجہ درباری تسلیمات سے، جو بادشاہ کے ہاں حاضری

کے وقت ضروری تھیں اور جنھیں ''کورنش'' سے تعبیر کیا جاتا تھا، مستثنیٰ قرار دے دیا۔

''عالم گیر کے نزدیک شیخ نظام اس قدر اونچا علمی مرتبہ رکھتے تھے کہ وہ ان سے ہفتے میں تین دن امام غزالی کی معروف تصنیف احیاء علوم الدین، فتاویٰ عالم گیری اور بعض کتب سلوک سے متعلق مذاکرہ کرتا۔

''شیخ نظام الدین پورے چالیس سال عالم گیر سے وابستہ رہے اور اَسّی سال سے زیادہ عمر پائی۔ ان کے ایک لڑکے عبداللہ تھے، جنھوں نے اپنے باپ (شیخ نظام الدین) سے تعلیم پائی اور اپنے زمانے میں بڑی تکریم وفضیلت حاصل کی۔'' [1]

مولوی رحمان علی مرحوم تذکرہ علمائے ہند میں شیخ نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شیخ نظام الدین برہان پوری تلمیذ قاضی نصیر الدین برہان پوری، بمرتبہ اولیٰ کہ عالم گیر بنظم صوبہ دکن بعالم شہزادگی متعین بود، شیخ را با خود ملازم گرفتہ، شیخ قریب چہل سال بخدمتش ماندہ، بمنصب ہزار و پانصدی سرفرازی یافتہ، در فتاویٰ عالم گیری سعی فراواں نمود، از کورنش و دیگر تکلیفات معفو بود، باآنکہ سنین عمر از ثمانین تجاوز کردہ، در قویٰ تفاوت نداشت۔'' [2]

''یعنی شیخ نظام الدین برہان پوری، قاضی نصیر الدین برہان پوری کے شاگرد تھے۔ عالم گیر زمانۂ شہزادگی میں پہلی مرتبہ صوبہ دکن کے عہدۂ نظامت پر متعین ہوا تو اس نے شیخ موصوف کو اپنے ساتھ وابستہ کرلیا۔ شیخ تقریباً چالیس سال اس کی خدمت میں رہے اور ایک ہزار پانسو کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ انھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب میں از حد محنت و کوشش کی۔ کورنش اور دیگر تکلفاتِ درباری کی پابندی ان سے اُٹھادی گئی۔ باوجودیکہ عمر اَسّی سال سے متجاوز ہوگئی تھی، قویٰ بالکل صحیح سالم تھے اور ان میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔''

محبوب الاحباب میں شیخ نظام الدین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ عالم گیر ان سے بڑی تکریم سے پیش آتا اور درباری آداب وتسلیمات کی تمام پابندیوں سے انھیں آزاد کردیا تھا۔

الفاظ یہ ہیں:

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۳۰۔

[2] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۴۲۔ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ (۱۹۱۴ء)

''از کورنش و دیگر تکالیف نوکری معاف بود۔'' ❶

فرحۃ الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ نظام بہت بڑے عالم تھے۔ عالم گیر جب اپنے دور شاہزادگی میں دکن میں متعین تھا تو اس نے ان کو اپنے سے منسلک کرلیا تھا اور پھر کبھی الگ نہیں کیا۔ شیخ موصوف اپنی خداداد صلاحیتوں اور بہترین استعداد کی وجہ سے سلطنت کے اہم مناصب پر فائز ہوئے۔

مرأۃ العالم میں بختاور خاں رقم طراز ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے سلسلے میں علما کی سرکردگی شیخ نظام کو تفویض کی گئی۔

''وسردگی ایں مہم اہم بقدوہ انام شیخ نظام تفویض یافت۔'' ❷

فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کے بارے میں مؤلف ''مآثر عالم گیری'' محمد ساقی ملقب بہ مستعد خاں لکھتا ہے:

''چوں ہمگی ہمت والانہمت براں مصروف بود کہ کافہ اہل اسلام بمفتیٰ بہا مسائل علمائے مذہب حنفی عمل نمایند و مسائل مذکورہ در کتب فقہیہ بسبب اختلاف قضات و مفتیان بارو ایات ضعیفہ و اقوال مختلفہ لینہا مخلوط است و معہذا مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست و تا کتب بسیار فراہم نیابد و کس را استحضارے وانی ودستگاہے وسیع و تتبع کافی در علم فقہ نباشد استنباط نمے تواند نمود۔ لاجرم عزم پادشاہِ دین پناہ براں مصمم شد کہ گروہے از علمائے مشہور و فضلائے معروف ہندوستان کتب مطولہ معتبر آن فن را کہ در کتاب خانہ سرکارِ اقدس فراہم بود جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ استخراجِ مسائل مفتیٰ بہا نمودہ از مجموع آں نسخہ جامعہ ترتیب دہند تا ہم گناں را استکشاف مسائل معمول بہا بسہولت و آسانی دست دہد۔ وسرکردگی ایں مہم اہم بقدوۂ فضلائے انام شیخ نظام تفویض یافتہ و ہمگی آں فریق بوظائف شائستہ و مواہب ارجمند کامیاب گشتہ۔ چنانچہ قریب دولک روپیہ صرف لوازمِ آں کتابِ مستطاب کہ مسمّی بفتاویٰ عالم گیر یست گردیدہ و جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی شدہ۔'' ❸

---

❶ محبوب الاحباب، صفحہ: ۵۱۶۔ ❷ مرأۃ العالم، صفحہ: ۲۷۳۔

❸ مآثر عالم گیری (صفحہ: ۵۳۰،۵۲۹)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باہمت بادشاہ کی یہ کوشش تھی کہ تمام اہل اسلام ان مسائل پر عمل کی دیواریں استوار کریں جو علمائے مذہب حنفیہ کے نزدیک مفتی بہا ہیں اور چونکہ یہ مسائل فقہی کتابوں میں قاضیوں اور مفتیوں کے باہم اختلافات کی وجہ سے ضعیف روایات اور مختلف اقوال کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں اور یہ فقہی ذخیرہ کسی ایک ایسی کتاب میں موجود نہیں جو تمام مسائل پر حاوی ہو، لہٰذا تاوقتیکہ بہت سی کتابیں فراہم نہ ہوں اور مطالعہ میں نہ آئیں، وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ پھر ان پر کسی کو پورا استحضار، وسیع دست گاہ اور علم فقہ میں کامل مہارت نہ ہو، وہ مسائل مستنبط کرنے اور ان کے مطابق حکم دینے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

بلاشبہ پادشاہ دین پناہ نے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مشہور علما اور معروف فضلا کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ سرکاری کتب خانے میں جو کتابیں جمع کی گئی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر مطولات فقہ کی معتبر ترین کتابوں سے ایسی کتاب مرتب کریں اور ان سے وہ مسائل منتخب کریں جو مفتیٰ بہا ہوں تا کہ لوگوں کو معمول بہا مسائل تلاش کرنے میں سہولت حاصل ہو۔ اس جماعت علما کی سربراہی و صدارت شیخ نظام کو تفویض کی گئی اور اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے علمائے کرام کے لیے مناسب وظائف اور معقول مواہب و عطیات مقرر کیے گئے۔ چنانچہ اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے اور کتاب معرض تصنیف میں آئی تو ''فتاویٰ عالم گیری'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے لوگوں (علما و طلبا) کو تمام کتب فقہ سے مستغنی اور بے نیاز کر دیا۔

شیخ نظام کے استاذ:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، شیخ نظام برہان پوری کے مفصل حالات کہیں مذکور نہیں، جو کچھ معلوم ہو سکا وہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تذکروں میں ان کے استاذ قاضی نصیر الدین برہان پوری کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے مختصر حالات درج ذیل ہیں:۔

قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد حنفی برہان پوری، فقہ، حدیث اور علوم عربیہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم رجال و حدیث، متبع کتاب و سنت، صادق القول اور خوش اخلاق و بلند کردار نہ تھا۔ اپنے والد (قاضی سراج محمد) اور شیخ عثمان

بن عیسیٰ سندھی سے تحصیل کی اور طویل عرصہ اپنے شیخ عثمان سے منسلک رہے۔ یہاں تک کہ علوم میں اس درجہ پختگی اور گہرائی حاصل کی کہ تمام معاصرین پر فوقیت لے گئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ ایک علمی بحث میں علامہ شکر اللہ شیرازی کو خاموش کر دیا تھا۔

قاضی نصیر الدین اہل علم کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جو حدیث کو قیاسِ مجتہد پر ترجیح دیتے اور فرمانِ رسول ﷺ کے مقابلے میں قیاس سے انکار کرتے ہیں۔ فرمایا کرتے، حدیث: علماء أمتي کانبیاء بني اسرائیل موضوع ہے۔ اسی بنا پر ان کے خسر شیخ علم اللہ بیجاپوری نے انھیں کافر قرار دے دیا تھا اور ان پر فتویٰ لگا دیا تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اس فتوے پر عمل درآمد کرانے کی غرض سے شیخ علم اللہ بیجاپوری نے ایک محضر تیار کیا جس پر تمام علما سے مہریں ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس محضر کی تصویب و تصدیق سے انکار کیا۔ اس موقع پر عبدالرحیم بن بیرم خاں (یعنی خان خاناں) نے قاضی نصیر الدین کی مدد کی۔

ان علما نے یہ معاملہ، شاہِ ہند (جہاں گیر) کے سامنے پیش کیا۔ اس نے ان دونوں (شیخ فضل اللہ برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی) کے نام حکم جاری کیا کہ دربار میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد شیخ علم اللہ بیجاپور چلے گئے اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری سے وابستہ ہو گئے اور قاضی نصیر الدین نے سفر حجاز کا ارادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں نے ان کا سامانِ سفر تیار کرایا اور ان کو سفری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ وہ حرمین شریفین میں پانچ سال مقیم رہنے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ واپسی پر انگریزوں کی گرفت میں آگئے۔ کچھ عرصہ ان کے قبضے میں رہے۔ بعد ازاں انھیں رہا کر دیا گیا اور وہ ۱۰۲۴ھ میں بندرگاہ وائل میں داخل ہوئے، جو عادل شاہ کے زیر نگیں تھی۔ عادل شاہ نے وہاں سے تین میل کی مسافت پر آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا اور انھیں باحترام دارالامارت میں لایا جب جہاں گیر بادشاہ نے ان کی حجاز سے واپسی کی خبر سنی تو ان کو اپنے دار الحکومت میں تشریف لانے کی دعوت دی اور تاکید کی کہ ہر حال میں قدم رنجہ فرمائیں، لیکن وہ برہان پور آکر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ گھر کی چار دیواری سے

باہر نہیں نکلیں گے۔ جہاں گیر کا بیٹا خرم (یعنی شاہ جہاں)، برہان پور آیا تو انھیں وہاں سے آگرہ بھیجا۔ جہاں گیر نے ان کی بہت تکریم کی۔ ایک طویل عرصے کے بعد اس نے انھیں برہان پور واپس جانے کی اجازت دی۔ وہاں آ کر وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی وفات ۱۰۳۱ھ میں ہوئی جیسا کہ ''مآثر رحیمی'' میں مذکور ہے۔ ❶

تذکرہ علمائے ہند میں الفاظ کی کمی بیشی سے تقریباً اسی طرح ان کے حالات مرقوم ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ قاضی نصیر الدین برہان پوری نے حرمین شریفین اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر پانچ سال کے بعد قصد وطن کیا تو ان کا جہاز فرنگیوں کے تسلط میں آ گیا۔ فرنگیوں سے ان کی گفتگو ہوئی تو وہ ان کے کمالات سن کر بڑے متاثر ہوئے اور اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ لیکن قاضی نصیر الدین وہ آداب بجا نہ لائے جن کا حاکم کے سامنے بجالانا ضروری تھا۔ ان لوگوں نے آداب بجا نہ لانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: جو آداب تم نے اپنے ذمے ضروری قرار دے رکھے ہیں، ہم ان کی پابندی نہیں کر سکتے۔

آگے چل کر لکھا ہے: جہاں گیر نے ان کے متعلق سنا تو فرمانِ طلبی بھیجا اور حکیم خوشحال ولد حکیم ہمام کو تاکید کی کہ انھیں بہرصورت دار الخلافہ روانہ کر دیا جائے۔ وہ طوعاً وکرہاً بیجاپور سے اپنے وطن برہان پر پہنچے اور گھر سے باہر نہ نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں شاہ جہان دکن کی صوبہ داری پر مامور تھا۔ وہ برہان پور آیا اور قاضی نصیر الدین کو طلب کیا۔ پہلے تو انھوں نے حاضری سے احتراز کیا۔ آخر شہزادہ شاہ جہان کے پاس آئے مگر آدابِ شاہی بجا نہ لائے۔ شہزادے نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور کہا:

''قاضی نصیر الدین! ہم آپ سے ملنے کے لیے بہت بے تاب تھے اور آپ کی زیارت کے از حد مشتاق!''

قاضی صاحب نے پوچھا: ''کس لیے؟'' کہا: ''آپ کے کمالات سن کر۔''

قاضی صاحب نے جواب دیا: ''اب مجھ میں وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔''

اس گفتگو سے اگرچہ مجلس میں کچھ ناخوش گواری کے آثار پیدا ہوئے، تاہم شاہ جہان نے

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۱۷، ۴۱۸۔

قاضی نصیر الدین کو مجبور کر کے اپنے باپ جہاں گیر کے پاس آگرہ بھیج دیا۔ وہاں پہنچے تو جہاں گیر کی سواری باغ سے شاہی محل کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں ملاقات ہوئی اور تسلیمات بجالانے کا ارادہ کیا، مگر بادشاہ نے جلدی سے ہاتھ پکڑ کر بغل میں لے لیا۔ چند روز بعد برہان پور جانے کی اجازت مل گئی اور بقیہ عمر، اللہ کی یاد میں بسر کر دی۔ ❶

قاضی نظام کے ایک اور استاذ:

شیخ نظام برہان پوری نے شیخ ابو تراب بن ابو المعالی بن علم اللہ حنفی صالحی امیٹھوی ثم بیجاپوری کے سامنے بھی زانوائے تلمذ تہہ کیے۔ شیخ ابو تراب فقہ و اصول کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ بیجاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ شیخ علی محمد بن اسد اللہ علوی گجراتی سے تحصیل علم کی اور عرصے تک ان کے ساتھ منسلک رہے، یہاں تک کہ علوم میں اپنے تمام معاصرین پر فوقیت لے گئے اور ان کا شمار اپنے شہر کے اکابر علما میں ہونے لگا۔ پھر درس و افادۂ عام میں مشغول ہو گئے اور اس میں آدھی عمر صرف کر دی۔ اپنے زمانے میں شہر بیجاپور کی سیادتِ علمیہ کا منتہائے نظر یہی تھے۔ فتاویٰ عالم گیری کے مرتب شیخ نظام الدین برہان پوری اور دیگر بہت سے علما نے ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

۲۰ صفر ۱۰۸۶ھ کو فوت ہوئے اور اپنے دادا شیخ علم اللہ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ ❷

۲۔ شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی:

مرتبین فتاویٰ عالم گیری میں ایک عالم ٹھٹھہ (سندھ) کے شیخ نظام الدین بن نور محمد بن شکر اللہ بن ظہیر الدین بن شکر اللہ حسینی ٹھٹھوی شامل ہیں۔ ان کا شمار سندھ کے ان علما میں ہوتا ہے، جو فقہ اور اصول میں مہارت رکھتے تھے۔ ٹھٹھہ سے یہ دہلی تشریف لائے اور فتاویٰ عالم گیری کی تدوین و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں عالم گیر سے (فوجی) منصب کے طالب ہوئے لیکن اس نے یہ بات منظور نہ کی، اس لیے کہ وہ اہل علم کو فوجی خدمات پر مامور نہ کرتا تھا۔ اس

---

❶ تذکرہ علمائے ہند (فارسی، صفحہ: ۲۳۸، ۲۳۹۔ (اُردو ترجمے میں تاریخ برہان پور، صفحہ: ۱۵۳، ۱۵۴) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند اُردو ترجمہ، صفحہ: ۵۲۱۔

❷ نزہتہ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۱۳۔

نے ان کے لیے گراں قدر وظیفہ مقرر کردیا، مگر شیخ نظام الدین اس پر راضی نہ ہوئے اور دارالخلافہ میں مقیم رہے۔ ❶

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

''سیّد نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ اوفق انام و در علوم اعلم کرام برآمدہ، بجذبہ طبع گرائیدہ سوئے شاہ جہاں آباد شتافت و در تالیف فتاویٰ عالم گیری بسے مشکلات حل کردہ۔ ٹھٹھہ شہریست از توابع سند۔'' ❷

''یعنی سیّد نظام الدین ٹھٹھوی علم فقہ میں سب سے کامل اور دیگر علوم میں عالم اجل اور ماہر تھے۔ جذبہ رغبت طبع کی بنا پر شاہ جہاں آباد (دہلی) تشریف لائے اور فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں بہت سے مشکل اور پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کی۔ ٹھٹھہ صوبہ سندھ کا ایک شہر ہے۔''

تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ بعدازاں انھوں نے وہاں سفر آخرت اختیار کیا۔ ❸

شیخ نظام الدین سندھ کے ایک بلند پایہ علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباو اجداد شیراز کے رہنے والے تھے، جنھوں نے بعد میں ہرات میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی شکر اللہ بن وجہ الدین (یا وجیہ الدین) حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ علاوہ ازیں اتقا و تدین میں بھی انھیں بہرۂ وافر حاصل تھا۔ یہ بزرگ ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار منتقل ہوئے۔ اکیس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد ۹۲۷ھ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں سندھ کا حکمران شاہ بیگ تھا۔ اس نے ان کی خداداد صلاحیتوں اور حسن سیرت سے متاثر ہوکر انھیں ٹھٹھہ کی مسند قضا پر فائز کردیا۔ اس منصب کی ذمہ داریوں کو انھوں نے نہایت وقار و احترام کے ساتھ انجام دیا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ شاہ بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن تخت سندھ پر متمکن ہوا تو اس نے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خرید کیے اور ان کی قیمت ادا کرنے پر عمداً تساہل اور تاخیر سے کام لیا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۱۹، ۴۲۰۔ (مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۵۵ء، ۱۳۷۵ھ)

❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۸۸۔

❸ تحفۃ الکرام (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۶۰۰، (شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۵۹ء)

تاجروں نے نااُمید ہو کر قاضی شکر اللہ سے رجوع کیا اور ان کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف مدعی بن کر حاضر ہوئے۔ قاضی موصوف نے مدعا علیہ کی حیثیت سے بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ عدالت میں حاضر ہوا تو اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا۔ دعویٰ پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر مدعا علیہ بادشاہ نے تاجروں کے موقف کی تصدیق کی اور قیمت ادا نہ کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے تاجروں کے حق میں فیصلہ دیا اور سلطان نے تاجروں کو قیمت ادا کر دی۔ فیصلے کے بعد قاضی شکر اللہ اپنی جگہ سے اُٹھے، قاعدہ کے مطابق آدابِ سلطانی بجالائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے قبا میں چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ''یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے لحاظ و آداب میں اپنے مقام کا خیال نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اُڑا دیتا۔'' اس کے بعد سلطان اس فیصلے پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے عدالت سے باہر نکل گیا۔ اس نے تاجروں کو صرف اس بنا پر قیمت ادا کرنے میں تساہل سے کام لیا تھا کہ وہ قاضی موصوف کو اپنے بارے میں آزمانا چاہتا تھا اور اسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ قاضی صحیح فیصلہ کرتا ہے یا نہیں۔ اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد قاضی شکر اللہ منصب قضا سے الگ ہو گئے اور لوگوں سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ❶

تحفۃ الکرام میں تاریخ طاہری کے حوالے سے یہ تمام واقعہ بیان کر کے لکھا ہے کہ قاضی شکر اللہ نے بھی (بادشاہ کی یہ بات سن کر) مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر دکھائی (اور کہا): ''میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلاف شریعت قدم اُٹھائے اور کوئی شخص اس کو ٹوکنے کی جرأت نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرعی بجالاؤں گا۔'' ❷

قاضی شکر اللہ اور ان کے خاندان کے بارے میں مشہور عالم و محقق پیر حسام الدین راشدی لکھتے ہیں:

''قاضی سیّد شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں ساداتِ شکر اللّٰہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا۔ اس خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل نیز دینی

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۳۸، ۱۳۹۔ ❷ تحفۃ الکرام (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۵۹۲۔

مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں۔ آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے۔"❶

۳۔ شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی:

شیخ ابوالخیر بھی صوبہ سندھ کے مشہور علمی شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اور فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں سے تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ان کے بارے میں مرقوم ہے:

"شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی در فتاویٰ عالم گیری شریک استنباطِ مسائل بود۔"❷

"یعنی شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی فتاویٰ عالم گیری کے سلسلے میں شریک استنباط مسائل تھے۔"

نزہتہ الخواطر میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے سیّد عبدالحی حسنی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

الشيخ العالم الفقيه ابو الخير الحنفى التتوى السندهى احد العلماء المشهورين بالتفقه، كان من نسل الشيخ فضل الله السندهى، ولاه عالمگير ابن شاهجهان الدهلوى السلطان الهند على تدوين الفتاوىٰ الهندية۔"❸

"یعنی شیخ عالم وفقیہ ابوالخیر حنفی ٹھٹھوی سندھی، ان علما میں سے تھے جو علم فقہ میں خاص شہرت کے حامل ہیں۔ شیخ فضل اللہ سندھی کی اولاد سے تھے۔ سلطان ہند عالم گیر بن شاہ جہان نے ان کو فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالم گیر) کی تدوین پر مقرر کیا۔"

اب سوال یہ ہے کہ یہ شیخ فضل اللہ سندھی کون تھے؟ ان کے بارے میں نزہتہ الخواطر کے الفاظ ملاحظہ ہو:

الشيخ العالم الكبير فضل الله الحنفى السندهى احد العلماء العاملين كان دائم الاشتغال بالدرس والافادة فى العلوم الدينية۔❹

"شیخ، عالم کبیر فضل اللہ حنفی سندھی، باعمل علما میں سے تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس اور

---

❶ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء، مضمون: "فتاویٰ عالم گیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے اجداد"

❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۶۱۔
❸ نزہتہ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۱۸۔

❹ ایضاً، جلد: ۴، صفحہ: ۲۵۹۔

افادۂ علومِ دینیہ میں مشغول رہتے تھے۔"

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف فرماتے ہیں:

مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی، نحریر وقت، جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلّی حلیہ ورع وتقویٰ، ہموارہ بدرس علوم اشتغال داشت، معاصر مرزا عیسیٰ ومرزا باقی۔ ❶

"مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی فاضل وقت، جامع فضائل قدسیہ، زیورِ ورع و تقویٰ سے آراستہ اور ہمیشہ درسِ علوم میں مشغول رہتے تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے ہم عصر تھے۔"

تذکرہ علمائے ہند کے اُردو ترجمے میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے قاضی فضل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔"...... ان کی اولاد میں مخدوم ابوالخیر تھے......" ❷

شیخ ابوالخیر کا تعارف کراتے ہوئے پیر حسام الدین راشدی اپنے ایک مضمون بعنوان "فتاویٰ عالم گیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے آباو اجداد" میں لکھتے ہیں:

"یہ (شیخ ابوالخیر) ٹھٹھہ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلی زیور ورع وتقویٰ بود، ہموارہ بدرس علوم اشتغال دارد۔"

"یعنی مخدوم فضل اللہ اپنے وقت کے مقتدر عالم، قدسی فضائل کے جامع، علومِ انسیہ کے ماہر اور تقویٰ و پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے، ہمیشہ درسِ علم میں مشغول رہا کرتے تھے۔"

تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی میں بھی تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے۔ ان کے فرزند مخدوم ابوالخیر کے لیے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ:

---

❶ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۷۳۔

❷ تذکرہ علمائے ہند اُردو ترجمہ، صفحہ: ۵۵۹ بحوالہ تحفۃ الکرام

”در زمانۂ خویش طلب علم کامل برآمدہ، در فتاویٰ عالم گیری شریک استنباطِ مسائل شد۔“

ان کے ایک فرزند ہوا، ملا اسحٰق، جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا۔ ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ❶

۴۔ شیخ رضی الدین بھاگل پوری:

شیخ رضی الدین بھاگل پوری کا اسم گرامی بھی مرتبین فتاویٰ عالم گیری کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ عالم اور فقیہ تھے اور اپنے دور کے اکابر وفحول علما میں سے تھے۔ ترویج علوم میں مشغول رہتے اور اس باب میں اتنے ممتاز تھے کہ ان کی شہرت چارسو پھیل گئی اور حلقہ علماء میں ان کی فضیلت کا علم لہرانے لگا، جس سے متاثر ہو کر عالم گیر نے فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کے سلسلے میں ان کی خدمات حاصل کیں اور تین روپے روزانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ یہ قواعد حرب اور سیاسیات ملکی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ عالم گیر سے قاضی محمد حسین محتسب اور بختاور خاں نے ان کی سفارش کی، اس کو ان کی گوناگوں خوبیوں سے آگاہ کیا اور اس نے ان کو ۱۰۷۹ھ میں یک صدی منصب عطا کیا اور ۱۰۹۰ھ میں خان کے لقب سے ملقب کیا۔ اپنی مہارت جنگی کی وجہ سے جنگ اودھی پور میں عساکر شاہی میں شامل ہوئے اور کفار سے شدید جنگ لڑی۔ پھر امیر حسن علی خاں کے نائب کی حیثیت سے اقطاع برار کی تولیت ان کے سپرد کی گئی جس پر ایک مدت تک متعین رہے۔ ۱۰۹۶ھ میں سرزمین برار میں فوت ہوئے۔ ❷

ان کے بارے میں ”مآثر علم گیری“ کے (فارسی) الفاظ ملاحظہ ہوں:

”شیخ رضی الدین از اشراف بھاگلور بہار، فاضل تبحر در مؤلفین فتاویٰ عالم گیری متخرج بود۔ سہ روپیہ یومیہ می یافت۔ چوں در اکثر فنونِ دیگر ہم دست داشت وسپاہ گری وعمل داری وندیمی واز ہر جاخبر داری علاوۂ آں۔ بوساطت قاضی محمد حسین جون پوری محتسب حضورِ پرنور ومقرب الخدمت بختاور خاں کمالاتش بعرضِ خوید فضلا نواز ہنر دران پرداز،

---

❶ ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ، بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء، صفحہ: ۴۴۲، ۴۴۳ (بحوالہ تحفۃ الکرام، تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی) نیز ملاحظہ ہو: تحفۃ الکرام (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۶۶۱۔

❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۱۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو: مآثر عالم گیری اُردو ترجمہ، صفحہ: ۱۰۷، ۱۰۸، (شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی، اپریل ۱۹۶۲ء)

رسید، یک صدی منصب یافت و رفتہ رفتہ باسعادِ حسن علی خاں و امداد حسن مساعی و سلیقہ طالع تو اَمان بمرتبہ امارت و خانی فائز گردید و مصدرِ کارہائے عمدہ شد۔ دست آخر در مہد فنا فرو خوابیدہ: ؎

افسانہ ہا بہ بستن مژگان تمام شد ❶

۵۔ مولانا محمد جمیل جون پوری:

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین کی فہرست میں جون پور کے ایک علمی خاندان کے مشہور بزرگ اور بہت بڑے عالم مولانا محمد جمیل بن مفتی عبدالجلیل بن مفتی شمس الدین صدیقی بروتوی جون پوری کا نام نامی بھی شامل ہے۔ یہ ہندوستان کے عظیم المرتبت علما میں سے تھے، جو ذی القعدہ ۱۰۵۵ھ میں شہر جون پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شرح وقایہ اور مختصر المعانی تک درسی کتابیں شیخ محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جون پوری سے پڑھیں اور باقی کتب درسیہ کے لیے شیخ نور الدین جعفر بن عزیز اللہ جون پوری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد خود درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا۔ ذہن نہایت رسا، قوت ادراک انتہائی اخاذ، ملکہ فراست بدرجۂ غایت تیز اور فکر بڑا پاکیزہ پایا تھا۔ کئی بہترین اور عمدہ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، جن میں معانی و بیان کی معروف کتاب ''مطول'' اور علم نحو کی شرح جامی کی بحث عطف پر حواشی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ علم فقہ اور ایک تصوف کے بارے میں (تنبیہاتِ جمیلی) سپردِ قلم کیا۔ ان کا ایک علمی کارنامہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تصنیف میں شمولیت ہے۔

ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہے ''گنج ارشدی'' کے بیان کے مطابق شیخ غلام رشید بن محب اللہ جون پوری بھی ان کے حلقہ درس میں شامل رہے اور انھوں نے ان سے مختصر المعانی اور مطول مع حاشیہ سیّد، ❷ علامہ سعد اللہ تفتازانی کی شرح العقائد مع حاشیہ خیالی، شرح المطالع مع حاشیہ سیّد، حسامی، نور الانوار کے کچھ اجزا، شرح الوقایہ، ہدایۃ الفقہ، شیخ محمود بن محمد جون پوری کا رسالہ الجبر والاختیار، اور ان کے استاذِ مکرم شیخ محمد رشید کی معروف تصنیف رشیدیہ پڑھیں۔

---

❶ مآثر عالم گیری، صفحہ: ۹۴۔

❷ یعنی سیّد شریف علی بن محمد الجرجانی (متوفی ۸۱۶ھ)

''بحرِ زخار'' کے بیان کے مطابق شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، شیخ نور الہدیٰ امیٹھوی سیّد حسن رسول نما، اور بہت سے لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔

جیسا کہ ''گنج راشدی'' میں مذکور ہے، انھوں نے ۶ رجب ۱۱۲۳ھ میں ۶۸ سال عمر پا کر، جون پور میں وفات پائی اور مفتی محمد صادق کے قبرستان میں، اپنے والد ملا عبدالجلیل کی قبر کے پہلو میں، دفن کیے گئے۔ ❶

ان کے تلامذہ کی فہرست میں مشہور عالم اور معروف عابد و زاہد مولانا نور الدین گنت پوری جون پوری کا نام بھی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ ❷ انھیں مولانا نور الدین غازی پوری بھی کہتے ہیں، کیونکہ گنت پور، عملداریٔ غازی پور میں واقع تھا۔

مولانا محمد جمیل کے اساتذہ میں مولانا نور الدین مداری کا نام بھی تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار العلوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہ ہونے پائی تھی کہ استاذ یعنی مولانا نور الدین نے دہلی کا قصد کیا۔ شاگرد نے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ استاذ نے فرمایا۔ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں، مطالعہ کافی ہے۔ ❸

ذہین و طباع اس قدر تھے کہ ایک مرتبہ مطول کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاذ مولانا نور الدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا۔ استاذ نے فرمایا: ''اس عبارت کا مطلب میں نے آج تمھاری تشریح سے سمجھا۔'' ❹

ان کی ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور ملا شریف کہا کرتے تھے۔ جب دہلی گئے تو تمام علما پر ان کی علمی ہیبت طاری ہوگئی۔ اس ضمن میں مشاہیر جون پور کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''آن چناں جودتِ ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجت حاشیہ نہ افتد۔ ہر مطالبِ دقیق کہ پیش آید فوراً بقوتِ ذہن حل گردد۔ بارہا استادش فرمودے کہ ملا جمیل را مماثلِ علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن بے جا نیست۔ وقتیکہ ملا جمیل وارِدِ دہلی شد شہرۂ

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۹۴، ۲۹۵۔
❷ ایضاً، صفحہ: ۳۹۲۔
❸ مشاہیر جون پور، صفحہ: ۸۷۔
❹ ایضاً۔

فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش طاری شد کہ بہر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے۔ روزے در مدرسۂ ملا لطف اللہ دہلوی رفت، در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود۔ ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند۔“ ❶

”یعنی قوتِ ذہن اس درجہ تیز تھی کہ ایک بار کسی کتاب کا متن دیکھ لیتے تو حاشیہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ جو بھی دقیق مطالب سامنے آتے فوراً قوتِ ذہن سے ان کی گرہیں کھل جاتیں۔ ان کے استاذ اکثر فرماتے کہ ملا جمیل کو علامہ میر شریف اور ملا جلال کے مماثل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ملا جمیل جب واردِ دہلی ہوئے تو ان کی فضیلت کا شہرہ اس قدر پھیلا اور علما پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ جس حلقۂ درس میں چلے جاتے سلسلۂ درس موقوف ہو جاتا۔ ایک روز ملا لطف اللہ دہلوی کے درس میں گئے تو (زیرِ درس کتاب کی) ایک سطر میں سات یا آٹھ شبہات وارد کیے اور ملا لطف اللہ ان کا جواب دینے سے عاجز آ گئے۔“

بہر حال مولانا محمد جمیل بہت بڑے عالم تھے اور درس و تدریس ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ جون پور کے محلہ مفتی میں ایک وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اس میں خود درس دیتے اور لوگوں کی اصلاحِ باطن فرماتے۔ لیکن اب یہ گہوارۂ علم اور مرکز روحانیت برباد ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف ”مشاہیر جون پور“ کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں، کس درجہ دردناک ہیں:

”چوں زمانہ دگرگوں شد، اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند۔ جز اینکہ بر ایں زمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است، کشت کاری می شود چشم بصیرت مشاہدہ نہجار دنیا می کند۔“ ❷

”یعنی زمانہ انقلاب کی اس قدر تیز لہروں کی زد میں آ گیا ہے اور رنگ دہر اس طرح بدل گیا ہے کہ اب اس (درس گاہ اور خانقاہ) کے کوئی آثار باقی نہیں رہے، سوائے اس کے کہ دروازہ شاہ طفیل حسین کے سامنے کی زمین پر کاشت کاری ہوتی ہے اور چشم بصیرت اس دنیائے نانہجار کی عبرت ناکیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔“

مولانا محمد جمیل جہاں ایک رفیع القدر عالم دین تھے، وہاں بہت بڑے صوفی بھی تھے اور

---

❶ مشاہیر جون پور، صفحہ: ۸۸۔
❷ مشاہیر جون پور، صفحہ: ۸۹۔

لوگوں کے قلب و باطن کی اصلاح کرتے تھے۔ دیوان عبدالرشید سے باقاعدہ بیعت تھے۔

"علاوہ فضائل صوری، صاحب کمالاتِ باطنی ہم بود و بیعت و ارادات از دیوان عبدالرشید آورد۔" ❶

مولانا محمد جمیل کی بے شمار علمی خدمات میں سے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب میں ان کی شمولیت، خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے لیے خود عالم گیر نے انھیں منتخب کیا۔ چنانچہ مشاہیر جون پور کے مصنف شہیر لکھتے ہیں:

"وقتیکہ عالم گیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاویٰ منسوب باسمِ خود، فضلائے ناموران دیارِ ہند طلبید، از جون پور ملا جمیل را برچیدوایشاں را بخود خواستہ شریک مجمع اجتماع نمود۔" ❷

"یعنی جب بادشاہِ دہلی اورنگ زیب عالم گیر نے ایسا فتاویٰ مرتب کرنے کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی جو اس کے نام کی طرف منسوب ہو تو اس نے دیارِ ہند کے نامور فضلا کو طلب کیا۔ اس ضمن میں جون پور سے ملا جمیل کو منتخب کیا اور ذاتی طور پر ان سے درخواست کی کہ وہ (مرتبین فتاویٰ کی) اس جماعت میں شریک ہوں۔"

اس ہمہ اوصاف متصف عالم دین نے اس دنیا سے جب کوچ کیا تو اس دور کے حلقہ اہل علم میں کہرام بپا ہوگیا۔ ان کی تاریخ وفات اس رباعی سے نکالی گئی ہے:

مرد ملا جمیل علمش مرد خانہ باقی نہ صاحب خانہ
بہر تاریخ فاضل نامی از فضیلت ربود افسانہ

تاریخ مشاہیر جون پور میں ان کے پسماندگان میں سے تین بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین اور شاہ یتیم الحسن کے نام سے موسوم ہیں۔

۶۔ قاضی محمد حسین جون پوری:

قاضی محمد حسین جون پور کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اُس دور کے بہت بڑے زمرۂ علما وفقہا میں ہوتا تھا۔ فقہ اور اصول میں انھیں خصوصیت سے بہرۂ وافر حاصل تھا۔ شاہ جہان کے زمانۂ حکومت میں جون پور کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے۔ اورنگ زیب عالم گیر تخت نشین ہوا تو

❶ ایضاً، صفحہ: ۸۸۔ ❷ ایضاً، صفحہ: ۸۸۔

اس نے اپنے اوائل عہد حکومت میں انھیں الٰہ آباد منتقل کر دیا اور وہاں کی مسند قضا ان کے سپرد کی گئی۔ بعدازاں اُن کے منصب میں اضافہ کر کے انھیں فوج کے محکمۂ احتساب پر متعین کیا گیا۔ یہ ان علما کی جماعت میں سے ہیں، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں اپنے علم و تحقیق کے جوہر دکھائے۔ ❶

فرحۃ الناظرین کے مصنف نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے:

"از علم و ہنر بہرۂ وافر داشت۔" ❷

تذکرہ علمائے ہند میں ان کے تعارف و تذکرہ کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں:

"قاضی محمد حسین جون پوری از علم و فضل نصیبے وافر داشت۔ در عہد شاہ جہاں قاضی جون پور بود و در اوائل عہد عالم گیر بقضائے الٰہ آباد ممتاز شدہ۔ در سن ہفتم جلوس عالم گیر بحضور آمدہ۔ باضافہ منصب و احتساب لشکر سرفراز گردید و در تالیف فتاویٰ عالم گیری بسے سعی نمودہ۔" ❸

"یعنی قاضی محمد حسین جون پوری علم و فضل میں حصۂ وافر رکھتے تھے۔ شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں جون پور کے قاضی تھے۔ عالم گیر کے آغازِ عہد بادشاہت میں الٰہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے ساتویں سالِ جلوس میں اس کے حضور تشریف لائے۔ اضافۂ منصب سے سرفراز کیے گئے اور محتسبِ لشکر مقرر ہوئے۔ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں ان کی مساعی بہت زیادہ ہیں۔"

مآثر عالم گیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔ کیونکہ جلوس عالم گیری کے تیرھویں سال یعنی ۱۰۸۰ھ کے واقعات کے ضمن میں بتایا گیا ہے۔

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سیّد احمد خاں پسر سیّد محمد قنوجی کو خدمتِ احتساب عنایت ہوئی۔ اہلِ دربار، جو حضور شاہی میں ہاتھ سر پر رکھ کر آداب کے لیے جھکتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ مسنون طریقے پر سلام کیا کریں۔" ❹

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۶۴۔ ❷ فرحۃ الناظرین، صفحہ: ۸۲۔

❸ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۷۵۔ ❹ مآثر عالم گیری اُردو ترجمہ، شائع کردہ: نفیس اکیڈمی، کراچی، صفحہ: ۱۱۳۔

نزہۃ الخواطر میں ان کی وفات کے بارے میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

"مات في الثالث عشر من جلوس عالمگیر علی سریر الملك نحو ست وسبعين والف۔" [1]

"یعنی عالم گیر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے تیرھویں سال ۱۰۷۶ھ کے قریب فوت ہوئے۔"

یہ سال وفات صحیح نہیں، کیونکہ عالم گیر کا تیرھواں سال جلوس ۱۰۷۶ھ نہیں، ۱۰۸۰ھ ہے۔

اس حساب سے ان کا سن وفات ۱۰۸۰ھ ہونا چاہیے۔

۷۔ مفتی وجیہ الدین گوپامئوی:

مفتی وجیہ الدین بن عیسیٰ بن آدم بن محمد صدیقی گوپامئوی، شیخ جعفر بن نظام الدین عثمانی امیٹھوی کی اولاد سے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ولادت اتوار کے روز ۲ رجب بوقت شب ۱۰۰۵ھ میں گوپامئو میں ہوئی۔ اپنے دادا شیخ جعفر اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی اور علم و تصوف کی گود میں پرورش پائی۔ ان کے والد شیخ عیسیٰ بہت بڑے عالم اور صاحب افتا بزرگ تھے۔ یہ ان کی وفات کے بعد اپنے وطن گوپامئو میں مسند افتا پر فائز ہوئے۔ "مرأۃ جہاں نما" کے مطابق فتاویٰ عالم گیری کے مصنّفین کی جماعت میں شریک تھے۔ انھوں نے فتاویٰ عالم گیری کے چوتھے حصے کی تکمیل کی اور یہ خدمت انجام دینے کے لیے دس فقہا ان کے زیر نگرانی کام کرتے تھے۔

مفتی وجیہ الدین نے اشاعت علم کے لیے سلسلۂ درس شروع کر رکھا تھا جو ایک چشمۂ صافی کی حیثیت رکھتا تھا اور جس کا دائرۂ اثر وافادہ بہت وسیع تھا۔ جن حضرات نے ان سے استفادہ کیا، ان میں شیخ محمد آفاق لکھنوی، قاضی عصمت اللہ بن عبدالقادر عمری اور ان کے علاوہ بے شمار اہل علم شامل ہیں۔

مفتی وجیہ الدین، تصنیفی میدان میں بھی خاص شہرت کے حامل ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے حصن حصین کی شرح، خیالی اور مطول پر تعلیقات اور تصوف سے متعلق رسائل، حلقہ علما میں

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۶۴۔

مشہور ہیں۔ ❶

کہتے ہیں ان کو علم معانی و بیان سے خصوصیت سے دلچسپی اور ذہنی لگاؤ تھا۔

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود۔" ❷

فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے جو محنت کی اس کا اندازہ معارف (اعظم گڑھ) کی اس عبارت سے بآسانی ہوسکتا ہے۔ مرقوم ہے:

"زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں لائبریری (پٹنہ) میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے۔ کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاویٰ عالم گیری۔"

عبارت کا یہ آخری ٹکڑا واضح کرتا ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں مفتی وجیہ الدین گوپاموی کا بہت بڑا حصہ تھا اور وہ اس میں کوئی ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اگرچہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔" ❸

یہ خاندانی طور پر صاحب افتا تھے۔ ان کے والد شیخ عیسیٰ بھی مفتی تھے جو اپنے والد مفتی آدم کی وفات کے بعد مسند افتا پر فائز ہوئے تھے۔ ❹

مفتی وجیہ الدین گوپاموی کے دو بھائی اور تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔ وہ بھی عالم تھے لیکن سب سے مشہور عالم اور مرجع خلائق یہی تھے۔ ❺

ان کی وفات ۵/ جمادی الاخریٰ ۱۰۸۳ھ کو دہلی میں ہوئی اور جسد مبارک دہلی سے ان کے وطن گوپامئو لے جایا گیا اور وہیں دفن کیے گئے۔ ❻

۸۔ سید محمد بن محمد قنوجی:

شیخ عالم کبیر محمد بن محمد بن محمد کدائی بن سید ملک بن عماد الدین بن حسین بن علاء الدین علی

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۳۰، ۴۳۱۔

❷ معارف اعظم گڑھ (دسمبر ۱۹۴۶ء) بحوالہ فرحۃ الناظرین، صفحہ: ۸۵۔

❸ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۴۶ء۔

❹ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۹۹۔

❺ ایضاً۔

❻ ایضاً، صفحہ: ۴۳۱۔

بن محمد بن ضیاء الدین الحسینی الحلی دہلوی ثم قنوجی۔ مشہور علما میں سے تھے۔ ولادت وتربیت قنوج میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو حصولِ علم کے لیے رخت سفر باندھا اور قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی کے حلقہ درس میں شریک ہوگئے اور ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر الٰہ آباد گئے اور شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آگئے اور گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور عبادت وافادہ کے لیے اپنے آپ کو اس طرح وقف کردیا کہ دنیوی معاملات کے لیے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہ نکالتے تھے۔ اس زمانے میں تخت ہند پر مغل حکمران شاہ جہان متمکن تھا۔ اس نے سریر آرائے سلطنت ہونے کے کئی سال بعد انھیں اپنے ہاں بلایا اور پھر اس رفیع المرتبت عالم کو زندگی کے آخری سانس تک اپنے ساتھ رکھا اور اس اثنا میں کسی وقت بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ شاہ جہان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اورنگ زیب عالم گیر کی مصاحبت میں چلے گئے۔ عالم گیر ان سے ہفتے میں تین روز احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالم گیری سے متعلق مذاکرہ کرتا اور ان کے علم وفضل سے فیض یاب ہوتا۔ [1]

خوافی خاں مآثر الامرا میں کہتا ہے: شاہ جہان نے ان کو اکبر آباد تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ وہاں گئے اور اس کے بادشاہت سے معزول ہونے کے بعد سے لے کر اس کی موت تک اسی کے پاس رہے۔ پھر عالم گیر نے ان کو اپنے خاص مصاحبوں اور ندیموں میں شامل کرلیا۔ عالم گیر ان سے بہت تکریم سے پیش آتا اور ہفتے میں تین دن فتاویٰ عالم گیری، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت اور حدیث و فقہ اور سلوک وتصوف کی دیگر کتابوں کے بارے میں مذاکرہ کرتا اور مختلف مسائل سے متعلق باقاعدہ بحث میں حصہ لیتا۔

عالم گیر کے دل میں ان کا اس درجہ احترام تھا اور وہ ان سے اتنا فیض حاصل کرتا کہ انھیں ''استاذ'' کے لفظ سے پکارتا اور کہا کرتا کہ ''یہ میرے بھی استاذ ہیں اور میرے والد کے بھی استاذ ہیں۔''

ان میں ایک بہت بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ باوجود ہندوستان کے دو عظیم بادشاہوں سے

---

[1] عمل صالح، جلد: ۳، صفحہ: ۳۷۹۔ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۵۳۔

اس درجہ قریب ہونے کے امارت و منصب کے کبھی خواہاں نہیں ہوئے اور ہمیشہ علما کی خاص نوع کی وضع قطع اور ہیئت و شکل کو اپنائے رکھا اور کسی لمحے بھی اس دائرۂ خاص سے باہر نہیں نکلے۔ حالانکہ یہ اپنے شہر میں صاحب جائداد، معقول مالی حیثیت رکھنے والے اور کئی گاؤں کے مالک تھے۔ ❶

نواب سیّد صدیق حسن خاں نے بھی اپنی معروف تصنیف ابجد العلوم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

السیّد محمد قنوجی هو من سادات رسول دار، كان استاذ عالمگیر اورنگ زیب ومن صالحاته الباقية عمارة بيت المسافرين الذی لم يعهد مثله فی هذه الديار وله بستان فيه مقبرة عظيمة فيها قبره كان له اليد الطولیٰ فی العلوم الرياضية والعربية۔ الف حاشية علی المطول وكان معظما ذاجاه وثروة ودولة عظمیٰ، جامعا بين رياسة العلم والحكومة والشمافة ❷ له اعقاب فی تلك البلدة لكن كلهم جهلاء متشيعون۔ ❸

"یعنی سیّد محمد قنوجی، سادات رسول ❹ دار سے تعلق رکھتے تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ تھے۔ ان کی بہترین یادگاروں میں سے مسافر خانے کی ایک عمارت ہے جس کی اس نواح میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کا ایک باغ ہے جس میں ایک بہت بڑا قبرستان ہے۔ اسی قبرستان میں ان کی قبر ہے۔ علومِ ریاضیہ اور علومِ عربیہ میں انھیں

---

❶ مآثر الامرا، جلد: ۳، صفحہ: ۵۰۴۔ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۵۳، ۲۵۴۔

❷ ابجد العلوم میں "والشمافۃ" لکھا ہے۔ غالبًا یہ تصحیف ہے۔ اصل لفظ "والشہامۃ" ہے۔ عبارت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے۔ لہٰذا ہم نے ترجمے میں اسی لفظ کو باقی رکھا ہے۔

❸ ابجد العلوم، صفحہ: ۹۳۴۔

❹ تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر حرف المیم کے ضمن میں بھی کیا گیا ہے اور حرف سین کے ضمن میں بھی۔ حرف سین میں یہ الفاظ ہیں: "سیّد محمد قنوجی از فرقہ ساداتِ رسول دار استاد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ۔ ماہر علوم ریاضیہ و ادبیہ بود۔ حاشیہ مطول از تصانیف اوست۔" ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۸۳۔

دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے (معانی و بیان کی مشہور کتاب) مطول پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ بہت بڑے صاحبِ عزت و جاہ، صاحبِ ثروت اور صاحب مال و دولت تھے۔ علم وحکومت اور شہامت کی ریاست و دولت ان کی ذات میں سمٹ آئی تھی۔ اس شہر (قنوج) میں ان کے ورثا بھی ہیں۔ مگر وہ سب کے سب جاہل اور شیعہ ہیں۔"

درحقیقت سیّد محمد قنوجی کی شہرت علمی سے متاثر ہو کر ہی مغل حکمران شاہ جہان نے انھیں اپنے ہاں بلایا تھا۔ اس کی وفات تک یہ اس کے پاس رہے۔ شاہ جہاں کی وفات اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ میں اس کے ایام نظر بندی میں ہوئی۔ اس وقت سیّد محمد قنوجی ان کے پاس موجود تھے۔ جلوس عالم گیری کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ھ کے واقعات کے ضمن میں شاہ جہاں کے حادثۂ وفات کا ذکر کرتے ہوئے مآثر عالم گیری کا مصنف لکھتا ہے:

"چھبیسویں رجب (۱۰۷۵ھ) شب دوشنبہ کو مرض کا شدید حملہ ہوا اور خاقان عادل نے روضۂ جنت کی راہ لی۔ اس حادثے ... بعد نواب تقدس مآب بیگم صاحبہ کے حکم کے موافق رعد انداز خاں، خواجہ بہلول، سیّد محمد قنوجی اور قاضی قربان علی غسل خانے میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز و تکفین کے سامان سے فراغت حاصل کر کے نعش مبارک برج مثمن کے دروازہ سے حصار کے باہر لائے۔ ہوش دار خاں صوبہ دار جنازہ کے ہمراہ ہوا اور تابوت کو دریائے جمنا کے اس پار لے جا کر مہد علیا ممتاز الزمان کے روضہ میں لے گئے۔ روضہ کے اندر جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور اس گنبد کے اندر نعش پیوند خاک کردی گئی۔" ❶

شاہ جہاں کا زمانۂ نظر بندی، سیّد محمد قنوجی کی رفاقت میں گزرا۔ اس کی وفات بھی ان کے سامنے ہوئی۔ تجہیز و تکفین اور جنازہ کے انتظامات وغیرہ میں بھی شامل رہے۔

عالم گیر نامہ میں سیّد محمد قنوجی کی انتہائی تعریف کی گئی ہے اور ان کے فضل وتقویٰ کا بہترین الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے۔ شاہ جہان کی وفات کے سلسلے میں مرقوم ہے:

"بالجملہ بعد از سنوحِ ایں واقعۂ ملامت اثر، بموجب اشارۂ نواب تقدس خورشید احتجاب

❶ مآثر عالم گیری، اُردو ترجمہ، صفحہ: ۷۲۔

ملکۂ جہاں بیگم صاحب رعد انداز خاں قلعہ دار و خواجہ بہلول بدرونِ غسل خانہ حاضر آمدند وکھر کئی دروازہائے قلعہ کشودہ، باحضار سیّد محمد قنوجی کہ فضل وتقویٰ، باشرف فقر و سیادت فراہم دارد ودر ایامِ انزوائے اعلیٰ حضرت خلد آرام گاہ پیوستۂ سعادت اندوز خدمت آں حضرت بود وقاضی قربان کہ شغل قضائے مستقر الخلافہ بادتعلق داشت کس فرستادند کہ آمدہ بامر تجہیز و تکفین پردازند۔“ ❶

پورا واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے:

”......وسیّد محمد وقاضی قربان وسائر صلحا واتقیا بر جنازہ آن محفوف انوار مغفرت نماز گزارند ونعش مطہر را بدرون گنبد بردہ بجوارِ رحمت ایزدی سپردند۔“ ❷

شاہ جہان کی وفات اور تدفین کے بعد صدقات و خیرات اور ختم قرآن وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی سیّد محمد قنوجی موجود تھے۔

”...... وبرحسب امر اعلیٰ وظائف وخیرات ومبرات وختمات قرآن بتقدیم رسانیدندو مکرر مجلس مولود ہائینی کہ برائے سلاطین نامدار وخواتین عالی مقدار درخورو سزاوار باشد منعقد ساختہ، بانفاق اہل استحقاق واطعام صلحا وعلما روح مقدس آں حضرت را سرور وراحت بخشیدند وسیّد محمد وقاضی محمد قربان وزمرۂ مشائخ وارباب فضل و اصحاب تقویٰ اکرامات سنیہ بجائے آوردند۔“ ❸

شاہ جہان کی وفات کے بعد ان کی خدمات اورنگ زیب عالم گیر نے حاصل کر لیں۔ وہ ان کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے مختلف مواقع پر ان کو انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ انھیں ایک خدمت کے صلے میں دو ہزار روپے عطا کیے۔

”......وسیّد محمد قنوجی بانعام دو ہزار روپیہ سرفرازی یافتند ......“ ❹

ایک مرتبہ ایک ہزار روپیہ انعام دیا:

”وسیّد محمد قنوجی ومیر ابراہیم ولد میرِ نعمان مرحوم وشیخ قطب ونعمت خاں ہر یک بانعام یک

---

❶ عالم گیر نامہ (فارسی) صفحہ: ۹۳۲، ۹۳۳۔
❷ عالم گیر نامہ (فارسی)، صفحہ: ۹۳۴۔
❸ ایضاً، صفحہ: ۹۳۵۔
❹ ایضاً، صفحہ: ۳۴۷۔

ہزار روپیہ کامیاب نوازش گشت۔"[1]

تقسیم انعام وخلعت کے سلسلے میں ایک مرتبہ پھر ایک ہزار روپیہ عطا کیا۔

"وسیّد محمد قنوجی وملاعوض وجیہ ومیر سیّدی شاہر کدام بانعام یک ہزار روپیہ میاہی گردید۔"[2]

ایک دفعہ عالم گیر نے انھیں چار ہزار روپیہ بطورِ انعام عطا کیا۔

"وسیّد محمد قنوجی بانعام چار ہزار روپیہ کامیاب عنایت پادشاہانہ گرویدند۔"[3]

عالم گیر بعض نہایت اہم مواقع پر انھیں اپنے ساتھ رکھتا اور ان پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے گیارھویں سالِ جلوس (۱۰۷۸ھ) میں رجب کی بیس تاریخ کو اس کے لڑکے شاہ زادہ محمد اعظم کی شادی کی رسوم کا آغاز ہوا اور ۱۰ شعبان کو نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تو انھیں وکیل نکاح مقرر کیا گیا۔ مآثر عالم گیری میں ہے:

"شاہ زادہ محمد اعظم پانچ گھڑی رات گزرنے کے بعد بے حد شان وشوکت کے ساتھ اپنی حویلی سے قبلۂ عالم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جہاں پناہ مسجد میں تشریف لائے اور قاضی عبدالوہاب نے میر سیّد محمد قنوجی کی وکالت وملاعوض وجیہ وشیخ سیف اللہ سرہندی کی شہادت میں خطبہ نکاح پڑھا اور چھ لاکھ روپیہ دین مہر قرار پایا۔"[4]

جلوس عالم گیری کے سولھویں سال (۱۰۸۳ھ) میں شاہ زادہ مراد بخش کی دختر دوست دار بانو بیگم سے شاہ زادہ محمد سلطان کا نکاح ہوا تو عالم گیر کی طرف سے سیّد محمد قنوجی اس کے گواہ مقرر کیے گئے۔

"جہاں پناہ (اورنگ زیب عالم گیر) نے محل خواب گاہ میں اپنے دست مبارک سے شاہ زادہ کے سر پر مروارید کا سہرا باندھا اور فرزند کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ قاضی القضاۃ قاضی عبدالوہاب نے محمد یعقوب کی وکالت وملاعوض وجیہ ومیر سیّد محمد قنوجی کی شہادت میں خطبہ نکاح پڑھا اور دو لاکھ روپیہ دَین مہر مقرر پایا۔ شجاعت خاں شیخ نظام، دریا خاں، بختاور خاں وخدمت گار خاں اس مجلس عقد

---

[1] ایضاً، صفحہ: ۳۹۷۔

[2] ایضاً، صفحہ: ۴۲۷، ۴۲۸۔

[3] ایضاً، صفحہ: ۱۰۶۲۔

[4] مآثر عالم گیری (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۹۴۔

میں حاضر تھے۔" ❶

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"میر سیّد محمد قنوجی ہموارہ بدرس علومِ دینی ونشر معارف یقینی، اشتغال داشت۔ شاہ جہان بادشاہ در آخر ایام سلطنت بخواہش واعزاز طلبیدہ، بقربت خویش اختصاص داد۔ بعدش عالم گیر بکمال نیاز از اکبر آباد طلبیدہ، بشرف تخصیص اعزاز مختص فرمود۔ مصنفات حجۃ الاسلام غزالی، خصوص احیاء علوم الدین پیش وے دیدہ۔ در ہفتہ سہ روز بمذاکرۂ علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی ودر تالیف فتاویٰ عالم گیری مساعی جمیلہ بکار برد۔" ❷

"یعنی میر سیّد محمد قنوجی ہمیشہ درسِ علومِ دینی اور اشاعت معارفِ یقینی میں مشغول رہے۔ شاہ جہان بادشاہ نے ان کو اپنے آخری زمانۂ حکومت میں انتہائی خواہش واکرام کے ساتھ اپنے پاس طلب فرمایا اور اپنی قربت سے سرفراز کیا۔ اس کی وفات کے بعد عالم گیر نے بڑے ہی عجز و نیاز مندی سے ان کو اکبر آباد (آگرہ) سے اپنے پاس بلایا اور خصوصی اعزاز سے مختص کیا۔ حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصنیفات بالخصوص احیاء علوم الدین ان کے پیش نظر رہتی۔ ہفتے میں تین روز مجلس شاہی کے مذاکرۂ علوم میں سرگرم افادہ رہتے۔ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں مساعئ جمیلہ فرمائیں۔"

بہرکیف ان کی زندگی کے مختلف واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے دور کے عظیم انسان تھے۔ بہت بڑے عالم و محقق تھے اور اصحابِ علم اور اربابِ حکومت کے ہاں عزت و تکریم کے حامل تھے۔ ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں ہوئی۔ ❸

اولاد:

سیّد محمد قنوجی کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام سیّد احمد تھا۔ ایک کا سیّد شریف خاں اور ایک کا میر عبدالکریم۔ تینوں بڑے منتظم اور قابل تھے اور عالم گیر کے حلقۂ ملازمین و منسلکین میں شامل۔ ان کے حالات تفصیل سے تو نہیں مل سکے تاہم جو کچھ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے کہ سیّد احمد کو

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۱۳۸۔ ❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۱۵۔

❸ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۵۴۔ (بحوالہ تبصرۃ الناظرین) نیز دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند (اُردو ترجمہ)، صفحہ: ۲۲۸۔

قاضی محمد حسین محتسب (جو مرتبین فتاویٰ عالم گیری میں سے ہیں) کے انتقال کے بعد محتسب مقرر کیا گیا۔ ❶

سیّد شریف کے متعلق مآثر عالم گیری میں جلوسِ عالم گیری کے تیسویں سال (۱۰۹۷ھ) کے حالات کے ضمن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور لائق شخص تھے۔ اس سال کثرتِ باراں کی وجہ سے شدید قحط پڑا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں مآثر عالم گیری کا مصنف لکھتا ہے:

''اس زمانے میں کثرتِ بارش کی وجہ سے زمین پر دریا بہنے لگے اور قحط نمودار ہوا۔ حوالیٔ شہر سے غلہ کی رسد بند ہوئی۔ رعایا میں ماتم پڑ گیا۔ لاکھوں بندگانِ خدا کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مکانات، دریا اور جنگل مردہ اجسام سے پٹ گئے۔ لشکرگاہ کا یہ حال ہو گیا کہ شب کو دولت خانہ شاہی کے گرد مردہ اجسام کے انبار لگ جاتے تھے، جن کو جاروب کش و خاک ردب روزانہ گھسیٹ کر دریا میں ڈالتے تھے۔ صبح سے شام تک لاشوں کی بار برداری کا سلسلہ جاری رہتا۔ زندہ اشخاص کو مردہ اجسام کے کھانے سے پرہیز نہ رہا۔ مردوں کی لاشوں سے کوچے اور تمام راستے پٹ گئے۔ بارش کے طویل سلسلے نے گوشت پوست کو گلا دیا تھا۔ ورنہ مردوں کی بدبو سے آب و ہوا خراب ہو کر بقیہ زندہ افراد کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیتی۔

''چند ماہ بعد بارش کا زور گھٹا اور دریا کی طغیانی کم ہوئی اور اطراف و جوانب سے غلہ پہنچنے لگا۔ سردار خاں کے بجائے سیّد شریف خاں پسر قدوۃ المشائخ پیر سیّد محمد قنوجی، استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی جو فضل و کمال و عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کرورہ گنج کی خدمت پر مامور ہوئے۔ بادشاہ رعایا پرور کے حسن نیت سے گرانی دفع ہوئی اور ملک میں غلہ ارزاں ہو گیا۔'' ❷

عالم گیر نے سیّد شریف کو امجد خان کا لقب عطا کیا تھا۔ نزہۃ الخواطر میں ہے:

''سیّد الشریف محمد امجد بن محمد بن محمد الحسینی قنوجی نواب امجد خاں۔ سیّد محمد قنوجی کے بیٹے

---

❶ مآثر عالم گیری (اُردو ترجمہ)، صفحہ: ۱۱۲۔ ❷ مآثر عالم گیری (اردو ترجمہ) ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

تھے۔ ان کا شمار اس عصر کے نامور علما کے زمرے میں ہوتا تھا۔ علوم وفنون اور طریقت اپنے باپ سیّد محمد قنوجی سے حاصل کیے اور ایک عرصے تک ان کے ساتھ منسلک رہے۔ پھر اورنگ زیب عالم گیر کے مقربین میں شامل ہوگئے۔ اس نے ان کو قاضی محمد حسین جون پوری کی وفات کے بعد ۱۰۷۶ھ میں محکمۂ احتساب پر فائز کردیا اور امجد خان کا لقب عطا کیا۔ طویل مدت تک اس عہدے پر متعین رہے۔ پھر صدارتِ ہند کے منصب پر فائز کردیے گئے۔" ❶

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

"مولوی امجد علی قنوجی، از اکابر فضلا و اعظم علمائے قنوج، شاگردِ رشید مولوی علی اصغر قنوجی کثیر الدرس والتالیف بود۔ حاشیہ صدرا، در علم حکمت از توالیف شہرۂ اوست۔ تاریخ وفاتش معلوم نہ شد۔" ❷

سیّد محمد قنوجی کے تیسرے بیٹے سیّد میر عبدالکریم قنوجی تھے جو فقہ واصول اور علومِ عربیہ کے مشہور علما میں سے تھے۔ عالم گیر کی طرف سے برہان پور میں جزیہ وصول کرنے کے منصب پر متعین تھے۔ اس ضمن میں ان کی سرگرمیاں عالم گیر کے نزدیک اس درجہ قابل قدر تھیں کہ ان سے متاثر ہوکر اس نے دکن کے چار علاقوں سے وصولی جزیہ کی خدمت بھی ان کے سپرد کردی۔ علم وفضل کی فراوانیوں کے علاوہ سخاوت، عفت، اتقا، نیکی اور حسن اخلاق کی نعمت سے مالا مال تھے۔ ❸

سیّد عبدالکریم درسیات میں بھی ماہر تھے اور سلسلۂ تدریس جاری رکھتے تھے۔ اس باب میں تذکرہ علمائے ہند کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"سیّد عبدالکریم قنوجی ابن سیّد محمد قنوجی در عہد عالم گیر مشغول بدرس متداولات بود۔" ❹

مآثر عالم گیری میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ جلوسِ عالم گیری کے ستائیسویں سال (۱۰۹۴) کے واقعات میں بتایا گیا ہے:

---

❶ نزہتہ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۸۳، ۲۸۴۔
❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۱۸۳۔
❸ نزہتہ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۱۶۱۔
❹ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۷۰۔

"میر عبدالکریم کو امانت ہفت چوکی کی خدمت کے ساتھ جائے نماز خانہ کی داروغگی بھی عطا ہوئی۔" ❶

تلامذہ:

سیّد محمد قنوجی کے تلامذہ کا بھی ایک حلقہ تھا، جن میں مشہور عالم شیخ علی اصغر قنوجی شامل ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ نہایت نیک، متقی اور پرہیزگار تھے۔ طریقت وتصوف میں شیخ پیر محمد بن اولیا چشتی لکھنوی سے منسلک تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس قنوج تشریف لے آئے تھے اور امورِ دنیا سے الگ ہو کر سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف وسلوک وغیرہ علوم سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۰۵۱ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے اور ۸۹ سال عمر پا کر ۱۵ شعبان ۱۱۴۰ھ کو وفات پائی۔ پورے ساٹھ سال مسند تدریس بچھائے رکھی اور بے شمار لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا۔ ❷

۹۔ مولانا حامد جون پوری:

شیخ علامہ حامد جون پوری، کبار فقہا میں سے تھے۔ انھوں نے اکثر درسی کتابیں سید محمد زاہد بن محمد اسلم ہروی سے اور بعض علامہ محمد شفیع یزدی سے پڑھیں۔ حصولِ علم اور بحث واشغال میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ اپنے شیوخ کی زندگی ہی میں اکثر علوم وفنون میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ ان کی قابلیت کی بنا پر شاہ جہان بادشاہ نے روزانہ ان کے لیے باقاعدہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد عالم گیر نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کے سلسلے میں ان کی خدمات حاصل کر لیں اور اپنے بیٹے محمد اکبر کا معلم بھی مقرر کیا۔ مولانا حامد جون پوری شیخ سلطان محمود عثمان جون پوری کے پوتے تھے۔ ❸

تذکرہ علمائے ہند میں بھی ان کا تعارف تقریباً اسی طرح کرایا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"ملا حامد جون پوری اکثر کتب متداولہ از محمد زاہد دیدہ وبعض علم درخدمت دانشمند خان استفادہ نمودہ۔ درعہد شاہ جہان بسلک روزینہ دران منسلک بود ودرعہد عالمگیر داخل

---

❶ مآثر عالم گیری (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۲۵۵۔ ❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۱۴۱۔ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۱۸۷۔

❸ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۶۰۔

مؤلفین فتاویٰ شدہ بتعلیم شاہ زادہ محمد اکبر سرفرازی یافتند۔“ ❶

اساتذہ:

مولانا حامد جون پوری، ان خوش قسمت علما میں سے ہیں، جنھوں نے اونچے درجے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں سیّد محمد زاہد ہروی بھی شامل ہیں، جن کا شمار مشاہیر علمائے ہند میں ہوتا ہے۔ یہ اتنے ذہین اور تیز فکر عالم تھے کہ تیرہ سال کی عمر میں مسند تدریس اور منصب افتا پر فائز ہوگئے تھے۔ پہلے ان کا رابطہ شاہ جہان سے ہوا۔ بعدازاں (۱۰۷۷ھ) میں عالم گیر نے فوج کا محکمۂ احتساب ان کے سپرد کردیا۔ اکبر آباد (آگرہ) میں مسند درس پر فائز رہے۔ منطق و فلسفہ اور علومِ عقلیہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ متداول درسی کتابوں میں سے شرح المواقف، شرح تہذیب اور بحث تصور و تصدیق تک رسالہ قطبیہ پر حواشی لکھے۔ ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ ❷

اولاد:

مولانا حامد جون پوری کے ایک بیٹے کا نام شیخ علامہ یوسف تھا، جو اکابر علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے عظیم القدر باپ مولانا حامد جون پوری سے تعلیم حاصل کی اور بڑا نام پایا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سلسلۂ درس شروع کیا اور وسعت مطالعہ و کثرتِ معلومات کے سبب منصب افتا پر متمکن ہوئے اور اکابر علمائے عصر کی جماعت میں گردانے گئے۔ اس دور میں شیخ محمد افضل جون پوری کے مدرسے میں فن تدریس میں ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا اور اس مدرسے کی ریاست علمیہ کا منتہائے نظر یہی تھے۔ ان کی قبر چاچک پور میں ہے۔ ❸

۱۰۔ مولانا جلال الدین مچھلی شہری:

شیخ، عالم، فقیہ جلال الدین جعفری ہاشمی مچھلی شہری۔ قاضی ثناء اللہ جعفری زینبی ہاشمی کی نسل

---

❶ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۶۴۔

❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۳۰۷، ۳۰۸۔ وتذکرہ علمائے ہند (فارسی) صفحہ: ۱۸۷، ۱۸۸۔

❸ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۴۲۳۔ (بحوالہ تجلی نور)

سے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار بن ابوطالب تک پہنچتا ہے۔ مچھلی شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ میدانِ تعلیم میں آئے تو فقہ واصول میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ خود درس وتدریس کا چشمہ فیض جاری کیا، جس سے عرصے تک لوگ مستفیض ہوتے رہے۔ بعدازاں بادشاہِ ہند عالم گیر کے حکم سے فتاویٰ عالم گیری تصنیف کرنے والے علمائے کرام کی جماعت میں شمولیت اختیار کرلی۔ کہتے ہیں: تنہا انھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی ایک جلد تصنیف کی۔ ❶

۱۱۔ قاضی علی اکبر الہ آبادی:

شیخ، عالم، فقیہ، قاضی علی اکبر حسنی حنفی الہ آبادی، فقہ، اصول اور علومِ عربیہ کے نامور اور سرکردہ علما میں سے تھے۔ پہلے سعد اللہ خاں ❷ وزیر نے ان سے قرب پیدا کیا اور اپنے بیٹے لطف اللہ خاں ❸ کے معلم مقرر کیا۔ لطف اللہ خاں طویل مدت تک ان کی خدمت میں رہا اور علوم ومعرفت کا بہت بڑا ذخیرہ ان سے حاصل کیا۔ پھر ان کا عالم گیر سے قرب وتعلق پیدا ہوگیا اور اس نے ان کو اپنے ایک بیٹے کا اتالیق مقرر کردیا۔ عالم گیر کو علومِ دینیہ میں ان کی وسعت نظر، استحضار، تقویٰ الٰہی اور بے پناہ نیکی کا علم ہوا تو انھیں لاہور کے محکمہ قضا پر متعین کردیا گیا اور پھر وہ پوری زندگی اسی عہدۂ رفیعہ پر فائز رہے۔ قضا کے سلسلے میں نہایت قابل قدر کردار کے

❶ ایضاً، جلد:۶، صفحہ:۵۶۔

❷ یہ سعد اللہ خاں لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ چنیوٹ کے باشندے تھے۔ نہایت صالح عالم اور دانا تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ علامہ یوسف کیا ہی لاہوری کے شاگرد تھے۔ عرصہ تک مسجد وزیر خان (لاہور) میں درسِ علوم دینیہ دیتے رہے۔ لوگوں سے الگ تھلگ اور امراسے دُور رہتے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ سریرآرائے سلطنت ہونے کے چودھویں سال لاہور آیا تو ان کے اوصاف سے مطلع ہوا اور موسوی خاں صدر کے ذریعے اپنے ہاں تشریف لانے کی درخواست کی، چنانچہ یہ اتوار کے روز ۱۷؍رمضان ۱۰۵۰ھ کو اس کے پاس گئے۔ بعدازاں بادشاہ نے ان کی قابلیت سے متاثر ہوکر بہت سے مناصب عطا کیے اور انھوں نے نہایت مشکل مہمات انجام دیں۔ بادشاہ ان پر بہت اعتماد کرتا تھا اور یہ وزرا میں واحد شخص تھے جو ادب وانشا، تدبیر وسیاست، نظم ونسق، عذوبت لسان، حلاوتِ کلام، اصابت فکر اور شجاعت وبہادری میں یگانۂ روزگار تھے۔ ۲۶؍جمادی الاخریٰ ۱۰۶۶ھ کو بعارضہ قولنج وفات پائی۔ بادشاہ نے ان کی وفات پر بہت حزن وملال کا اظہار کیا۔ (نزہۃ الخواطر، جلد:۵، صفحہ:۱۵۴تا۱۵۶)

❸ سعد اللہ خان وزیر کی وفات کے وقت لطف اللہ خاں گیارھویں سال میں تھا۔ یہ بھی باپ کی طرح فضل وکمال، شجاعت وبسالت اور علم وفضل میں معروف تھا۔ باپ کی وفات کے بعد شاہ جہان نے اسے اپنی تربیت میں لے لیا تھا۔ عالم گیر نے زمامِ سلطنت ہاتھ میں لی تو درجہ بدرجہ اس کو بہت ترقی دی۔ ۱۱۱۴ھ میں عہد عالم گیری میں فوت ہوا۔ (نزہۃ الخواطر، جلد:۶، صفحہ:۲۴۴)

مالک تھے اور اس منصب جلیلہ میں ان کو بڑی عظمت حاصل تھی۔ لوگوں پر کڑی نگرانی رکھتے۔ حدود و تعزیرات کے اجرا کے باب میں صاحب عزیمت تھے۔

مآثر الامرا میں خوافی خاں کہتا ہے کہ امرائے دولت ان سے ناراض رہتے، لیکن عالم گیر کی ہیبت اور دبدبے کی وجہ سے کسی کو ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے اور ہاتھ بڑھانے کی جراٴت نہ تھی۔ اسی اثنا میں امیر قوام الدین اصفہانی کو لاہور کا والی مقرر کیا گیا۔ اس نے نظام الدین کوتوال کو اشارہ کیا کہ ان پر قابو پائے۔ کوتوال نے اپنے آدمیوں کی طاقت سے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی علی اکبر اور ان کے بھانجے سیّد فاضل کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ بات عالم گیر کو معلوم ہوئی تو اس نے قوام الدین اور نظام الدین کوتوال کو ان کے مناصب سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد کوتوال مذکور کو قاضی کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا۔ انھوں نے اس کو بطورِ قصاص قتل کر دیا۔ پھر عالم گیر نے قاضی شیخ الاسلام فتنی کو حکم دیا کہ امیر قوام الدین کے مقدمے کا شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ لیکن ان کے ورثا نے اس کو معاف کر دیا۔

قاضی علی اکبر مصنف بھی تھے اور مختلف علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ فارسی زبان کی مشہور درسی کتاب فصول اکبری اور عربی زبان میں اصول اکبری اور اس کی شرح، ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں علم صرف سے متعلق ہیں۔

یہ علما کی اس بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جن کو عالم گیر نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین پر متعین کیا۔

قاضی علی اکبر الٰہ آبادی ۱۰۹۰ھ میں قتل کیے گئے۔ [1]

مآثر عالم گیری میں ان کا ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے:

"دار السلطنت لاہور کے واقعہ نگار نے اطلاع دی کہ سیّد علی اکبر قاضی شہر، اپنی دیانت و طبیعت کی سختی و تیزی کی وجہ سے کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا تھا۔ قاضی مذکور کی وضع کے خلاف اس کا ہمشیر زادہ سیّد فاضل نامی اپنی کم عقلی کی وجہ سے دست دراز و بدزبان تھا۔ لاہور کے حکام یعنی ناظر د کوتوالِ شہر اس شخص کے دست و زبان سے تنگ آ گئے تھے اور

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۸۱۔

مجبور ہو کر اس کی جان لینے کے خواہاں ہوئے۔

"قاضی مذکور نے بھی اس فتنہ و آشوب میں امیر قوام الدین ناظم لاہور کے ہاتھوں بے حد ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنی جان دی۔

"ناظم لاہور قوام الدین اور نظام الدین کوتوال دونوں اشخاص خدمت و خطاب سے برطرف فرمائے گئے۔ نظام الدین کوتوال لاہور ہی میں ختم ہوا اور قوام الدین حضورِ شاہی میں طلب کیا گیا۔ قوام الدین کے بجائے بادشاہ زادہ محمد اعظم ناظم پنجاب مقرر ہوئے اور طرۂ مرصع کے عطیہ سے سرفراز فرمائے گئے۔ لطف اللہ خان کو صوبے کی نیابت عطا ہوئی اور اس امیر کے تغیر سے ابونصر خاں کو خدمت عرض مکرر پر مقرر فرمایا گیا۔

"قوام الدین خاں اجمیر میں آستانۂ والا پر حاضر ہوا۔ محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر ہوا اور قوام الدین روزانہ عدالت میں ذلیل و خوار ہونے لگا۔ آخر کار پسر سیّد علی اکبر مرحوم، اعزۂ دربار کی سفارش سے دعویٔ قصاص طلبی سے باز آیا۔ خان مذکور کو خود ہی اپنے حال پر رحم آیا اور اس نے جلد سے دنیا کو خیر باد کہا۔" ❶

۱۲۔ قاضی عبدالصمد جون پوری:

فتاویٰ عالم گیری کے مصنّفین کی فہرست میں قاضی عبدالصمد جون پوری بھی شامل تھے۔ قاضی موصوف نہایت فاضل آدمی تھے اور فقہ و اصول کے چوٹی کے علما میں سے تھے۔ ہندوستان کے معروف عالم علامہ محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جون پوری کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ ایک عرصے تک ان سے وابستہ رہے، یہاں تک کہ تمام علوم و فنون میں سب سے فوقیت لے گئے۔ پھر دہلی گئے اور علمائے کرام کی اس جماعت میں شریک ہو گئے جو فتاویٰ عالم گیری کی تصنیف پر مامور تھے۔ بعد ازاں دکن کے ایک شہر میں عہدۂ قضا پر متعین کر دیے گئے اور خاصی مدت اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر لکھنؤ منتقل ہو گئے اور وہاں آٹھ سال قیام پذیر رہے۔ بادشاہ نے انھیں کئی گاؤں عطا کیے۔ ۲۷ رجب کو بلادِ دکن میں وفات پائی اور ان کی نعش ایک گاؤں "سوکلائی" لائی گئی اور

---

❶ مآثر عالم گیری (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۲۰۸۔

وہیں قاضی باغ (حدیقۃ القاضی) میں مدفون ہوئے۔ ''باغ بہار'' میں اسی طرح مرقوم ہے۔ ❶

ان کے استاذ:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قاضی عبدالصمد جون پوری کے استاذِ مکرم علامہ محمد رشید کا تعارف بھی چند الفاظ میں کرا دیا جائے۔ یہ محمد مصطفیٰ بن عبدالحمید عثمانی جون پوری کے لڑکے تھے۔ فقہ، اصول اور تصوف وغیرہ تمام اصناف علم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ مشہور بزرگ شیخ سری بن مفلس سقطی عثمانی کی اولاد سے تھے۔ اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب شیخ سری تک پہنچتا ہے۔ علامہ محمد رشید ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۰۰۰ھ کو ''برونہ'' نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جو اعمالِ جون پور میں واقع تھا۔ ان کی والدہ شیخ نور الدین بن عبدالقادر صدیقی برونوی کی بیٹی تھیں۔ انھوں نے اپنے ننھیال میں پرورش پائی اور مختلف اساتذہ سے علوم کی تمام ابتدائی اور انتہائی کتابیں پڑھیں۔

دیگر علوم کے علاوہ تصوف و طریقت سے بھی وابستگی رکھتے تھے۔ خرقۂ طریقت دورِ طفولیت ہی میں اپنے والد محترم سے زیب تن کیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تصوف و سلوک اور اذکار و اشغال سے شدید اشتغال کے باوصف، علوم سے سلسلۂ تعلق منقطع نہیں کیا۔ طویل مدت تک درس و افادہ میں منہمک رہے۔ بعد ازاں مطالعۂ کتب حقائق میں مشغول ہو گئے۔ اور شیخ محی الدین ابن العربی کی تصنیفات کو خصوصیت سے مرکز توجہ ٹھہرایا۔

امرا و اغنیا کے ساتھ اختلاط سے دامن کشاں رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب ان کا شہرۂ کمال شاہ جہان بادشاہ تک پہنچا تو اس نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ایک مکتوب کے ذریعے اپنے ہاں تشریف لانے کی استدعا کی لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کسی صورت میں اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

ان کے کچھ مسلکی مختارات تھے، جن پر پابندی سے عمل کرتے۔ مثلاً سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پر سختی سے عامل تھے۔ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان تھوڑی دیر اضطجاع کرتے یعنی دائیں جانب لیٹتے۔ وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق موت کے بعد انھیں عمامہ نہ پہنایا جائے، نہ ایصالِ ثواب کی غرض سے کوئی

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۱۵۲۔

چارپایہ ذبح کرکے اس کا گوشت پکایا جائے، نہ تین دن سے زیادہ افسوس کیا جائے اور نہ پختہ قبر بنائی جائے بلکہ مٹی کی کچی قبر بنائی جائے۔

یہ بہترین مصنف بھی تھے۔عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھیں۔فن مناظرہ کی مشہور کتاب رشیدیہ انھی کی تصنیف ہے، جو باقاعدہ درس نظامیہ میں شامل اور علما و طلبا میں متداول ہے۔شرح ہدایۃ الحکمہ اور شیخ اکبر کی اسرار المخلوقات پر ایک شرح سپردِ قلم فرمائی۔عربی زبان میں خلاصۃ النحو کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ فارسی زبان میں زاد الساکین اور مقصود الطالبین بھی ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ان کا ایک دیوان بھی ہے جو بہت سے اشعار پر مشتمل ہے۔ملفوظات بھی ہیں جو شیخ نصرت جمال ملتانی نے گنج ارشدی میں جمع کیے ہیں۔علاوہ ازیں مودود بن محمد حسین جون پوری نے بھی ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

جمعہ کے روز ۹ر رمضان ۱۰۸۳ھ میں (۸۳ سال عمر پا کر) فوت ہوئے۔

ان کی وفات بھی عجیب طرح واقع ہوئی۔ فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر فرض پڑھنے لگے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ان کے حالات ''گنج ارشدی'' میں مرقوم ہیں۔ [1]

۱۳۔مولانا ابوالواعظ ہرگامی:

علامہ ابوالواعظ بن صدر الدین بن محمد اسماعیل بن قاضی عماد الدین احمد عمری بدایونی ہرگامی نہایت فاضل آدمی تھے اور اپنے دور کے مشہور علما میں سے تھے۔موضع ہرگام میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔تمام عمر تعلیم و تدریس اور تشنگان علوم کو فائدہ پہنچانے میں صرف کردی۔مآثر الکرام کے بیان کے مطابق ان کے شاگردوں میں شیخ مربی بن عبدالنبی بلگرامی کا اسم گرامی شامل ہے۔

تذکرۃ الانساب میں مرقوم ہے کہ عالم گیر بادشاہ نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی۔

مولانا ابوالواعظ کے دادا عماد الدین اس خاندان کے پہلے شخص ہیں جو ہرگام میں آ کر آباد ہوئے۔انھوں نے وہاں کے قاضی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور اس کی بیٹی سے شادی کی اور پھر وہیں گھر بنالیا اور مستقل رہائش اختیار کرلی۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۶۷ تا ۳۷۰۔

مشہور عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی، مولانا ابوالواعظ کے چچازاد تھے۔

آمدنامہ کی روایت کے مطابق، مولانا ابوالواعظ، فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین میں شامل تھے۔ ❶

ان کے چچازاد بھائی مولانا محب اللہ الہ آبادی بہت بڑے عالم اور کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ سوموار کے روز ۲ صفر ۹۹۶ھ کو علاقہ خیرآباد کے ایک گاؤں صدر پور میں پیدا ہوئے اور حصولِ علم میں مصروف ہوگئے۔ پھر لاہور آ گئے۔ وہاں مفتی عبدالسلام لاہوری سے پڑھنا شروع کیا۔ اس زمانے میں شیخ محمد میر سائیں سیوستانی اور وزیر سعد اللہ خاں ان کے ہم درس تھے۔ سعد اللہ خاں عہد شاہ جہانی میں وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوا تو اس نے ان دونوں ہم درس دوستوں کو دارالسلطنت تشریف لانے کی دعوت دی۔ شیخ محمد میر سائیں نے زہد و قناعت کی زندگی اختیار کرلی تھی، لہٰذا انھوں نے تو اس دعوت کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ شیخ محب اللہ اس کے پاس دہلی گئے۔ سعد اللہ خاں نے عہدۂ نظامت ان کے سپرد کیا اور ان کے وطن الہ آباد بھیج دیا، جیسا کہ ذیل الوفیات میں مرقوم ہے۔

بحرزخار کی روایت ہے کہ شیخ محب اللہ طلب رزق کے سلسلے میں الہ آباد سے دہلی آئے اور سابق تعلقات کی بنا پر نواب سعد اللہ خاں سے ملے اور اس کی وساطت سے منصب نظامت پر متعین ہوئے لیکن بعدازاں ان کی کیفیات قلبی اس طرح بدلیں اور طبیعت نے ایسا رخ اختیار کیا کہ تمام علائق دنیا سے منقطع ہوکر اللہ سے تعلق جوڑ لیا اور عبادت و زہد کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ عازمِ گنگوہ ہوئے اور طریقہ چشتیہ کے مطابق شیخ ابوسعید بن نور حنفی گنگوہی سے منسلک ہوگئے اور طویل عرصے تک وہاں رہے۔ مرتبۂ مشیخیت کو پہنچے اور اپنے گاؤں صدر پور واپس آگئے۔ کچھ مدت وہاں اقامت پذیر رہنے کے بعد الہ آباد چلے گئے اور وہاں دریائے جمنا کے کنارے کٹیا بنا کر بیٹھ گئے اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرلی۔ پھر اللہ نے ایک اور انقلاب پیدا کیا۔ ابوابِ رزق وا کیے اور مختلف انواعِ نعمت سے نوازا۔ اس کے بعد پورے بیس سال مسند ارشاد پر متمکن رہے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۴، ۳۵۔

بعدازاں ان کی زندگی نے ایک اور پلٹا کھایا اور شیخ محی الدین ابن عربی کے بعض اقوال کی اس انداز سے تشریح کی کہ لوگوں میں ان کے بارے میں کئی رائیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ یہ بہت بڑے عارف ہیں اور معارف صحیحہ بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عارف تو ضرور ہیں لیکن تعبیر میں اس درجہ ٹھوکر کھا گئے ہیں کہ الحاد و زندقہ کی وادی میں جاگرے ہیں۔ تیسرے یہ کہ شدید گمراہی میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو گمراہی کی تلقین کرتے ہیں۔

بہرحال مولانا ابوالواعظ ہرگامی کے یہ چچازاد بھائی مولانا محب اللہ الٰہ آبادی بہت بڑے عالم تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف اور شارح تھے۔

۹ رجب ۱۰۵۸ھ الٰہ آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ ❶

مولانا محب اللہ کے تذکرے میں شیخ محمد میر کا ذکر بھی آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی چند سطور تحریر کردی جائیں۔

شیخ محمد میر عمری سیوستانی لاہوری، بہت بڑے بزرگ تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ۹۵۷ھ میں سیوستان میں پیدا ہوئے اور عمر کی کچھ منزلیں وہیں طے کیں۔ پھر حصولِ علم کے لیے واردِ لاہور ہوئے اور مفتی عبدالسلام لاہوری کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے۔ طریقت کے لیے شیخ خضر سیوستانی کے باب عالی پر دستک دی اور انہی کے اشارے سے لاہور آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ پورے چالیس سال لوگوں سے الگ اور دنیا سے منقطع ہوکر متوجہ الی اللہ رہے۔ لوگ ان کی طرف دوڑے اور ملوک وسلاطین ان کے ارادت مند ہوئے۔ بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نہ کسی کی نذر قبول کرتے اور نہ کسی سے تحائف وصول فرماتے۔ معمولی کپڑے اور سادہ کھانے پر اکتفا فرماتے۔

عمل صالح میں محمد صالح کنبوہ نے نہایت احترام سے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ پورے ساٹھ سال لاہور میں اقامت گزین رہے اور بے شمار لوگ ان سے مستفیض ہوئے ...... شاہ جہان بادشاہ نے کشمیر سے واپسی پر ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور ان کے زہد سے

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: نزہتہ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۲۴ تا ۳۲۵۔ نیز دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند، (فارسی)، صفحہ: ۱۷۵۔

بہت متعجب اور متاثر ہوا۔

۷ ربیع الاوّل ۱۰۴۵ ہجری کو لاہور میں وفات پائی۔ ان کی قبر (میاں میر لاہور میں) ہے۔ ❶

شاگرد:

مآثر الکرام میں فتاویٰ عالم گیری کے اس مرتب یعنی مولانا ابوالواعظ کے حلقہ درس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، ان کے شاگردوں میں سیّد مربی بن عبدالنبی بلگرامی کا اسم گرامی بھی تذکروں میں مرقوم ہے۔ سیّد مربی بن عبدالنبی بن طیب بن عبدالواحد حسینی بلگرامی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے اور عظیم القدر عالم تھے۔ بلگرام میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ قرآنِ مجید حفظ کیا اور سیّد اسماعیل حسینی بلگرامی سے تحصیل علم کی۔ پھر عازمِ قنوج ہوئے اور شیخ لیٰسین قنوجی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ اس کے بعد ہرگام گئے اور باقی درسی کتابیں مولانا ابوالواعظ ہرگامی سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے بعد اپنے شہر بلگرام تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو درس وافادۂ عام کے لیے وقف کر دیا۔ سیّد مربی بن عبدالنبی کے جاری کردہ چشمہ علم سے شیخ محمد عاقل اترولوی، سیّد طفیل محمد بلگرامی اور بہت سے لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

سیّد مربی کا انتقال پیر کے روز ۱۴ رشعبان ۱۱۱۷ھ کو ہوا۔ ❷

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"سیّد مربی بلگرامی عالم وعارف بود۔ خلائق ازو منتفع می شدند۔ بہزار ویکصد وہفدہ ہجری وفات یافت۔" ❸

۱۴۔ مفتی ابوالبرکات دہلوی:

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین کی طویل فہرست میں دارالسلطنت دہلی کے مفتی ابوالبرکات کا نامِ بھی اُس دور کے مختلف تذکروں میں مرقوم ہے۔ اس عالم کبیر اور فقیہ نام دار کا سلسلہ نسب یہ ہے:

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۳۹۲۔ ❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۳۶۸۔

❸ تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، صفحہ: ۲۷۶۔

مفتی ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین دہلوی۔ مفتی ابوالبرکات کا شمار اس زمانے کے کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر اس زمانے میں علما و فقہا کے عظیم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی شہر کی علمی فضاؤں میں ان کی پرورش ہوئی اور بڑے بڑے علمائے کرام کے فیض صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو عہد عالم گیری میں پہلے دہلی کی مسند افتا پر پھر اسی شہر کی مسند قضا پر متمکن کیے گئے۔

فقہی مسائل سے متعلق ان کی ایک تصنیف ہے، جس کا نام ''مجمع البرکات'' ہے اور دو جلدوں کو محتوی ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نور قلوب الموحدين بنور التوحيد والايمان۔ الخ .

اس کی وجہ تالیف انھوں نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''لما كانت الروايات اشتاتا متفرقة جمعتها جمعا، ليسهل الوقوف بها، رتبتها ترتيبا ليتسير الاطلاع عليها، فى هذا المختصر۔ الخ۔''

مجمع البرکات کی تالیف سے مفتی ابوالبرکات ۹ ذی الحجہ ۱۱۱۶ھ کو فارغ ہوئے۔ فقہ اور اصول میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا...... ''شمس التواریخ'' کے بیان کے مطابق اسی وجہ سے انھیں فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین کی جماعت میں شامل کیا گیا۔ ❶

۱۵۔ شیخ احمد بن ابوالمنصور گوپا مئوی:

عالم وفقیہ احمد بن ابوالمنصور خطیب گوپا مئوی، اکابر فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ گوپا مئو کے علمی خطے میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد شیخ ابوالمنصور اور شیخ علامہ احمد بن ابوسعید امیٹھوی سے علم حاصل کیا۔ ہمیشہ علمی مباحث میں مشغول رہے اور ان کا شمار فقہ اور علوم عربیہ کے نامور علما میں ہونے لگا۔ اسی بنا پر عالم گیر نے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے لیے ان کی خدمات حاصل کیں اور ایک روپیہ یومیہ اور کچھ غلہ ان کا وظیفہ مقرر کیا، جس کا عالم گیر کی طرف سے ایک باقاعدہ تحریری دستاویز کی صورت میں ان سے عہد کیا گیا۔ اس پر ۱۱ ذی قعدۃ

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۴۰۔

الحرام ۱۰۷۸ھ کی تاریخ مرقوم ہے۔ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے کہ یہ وظیفہ انھیں شیخ وجیہ الدین گوپامئوی کی تصدیق سے دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں شیخ احمد بن ابوالمنصور نے اپنے شیخ و استاذ شیخ احمد بن ابوسعید امیٹھوی کی معیت میں حجاز کا سفر بھی کیا اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ شیخ احمد بن ابوسعید امیٹھوی نے دو مرتبہ سفرِ حجاز کیا۔ ایک مرتبہ ۱۱۰۲ھ میں حجاز گئے اور پانچ سال وہاں قیام فرما رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۱۱۲ھ میں گئے۔ یہ معلوم نہیں کہ شیخ احمد بن ابوالمنصور ان کے ساتھ پہلی مرتبہ حجاز گئے یا دوسری مرتبہ۔ [1]

ان کے استاذ:

شیخ احمد بن ابوالمنصور کے استاذ الشیخ علامہ احمد بن ابوسعید امیٹھوی بہت بڑے عالم اور ہندوستان کی مشہور شخصیت ہیں اور یہ وہی بزرگ ہیں، جنھیں ''ملا جیون'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بروز منگل مؤرخہ ۲۵؍شعبان ۱۰۴۷ھ کو شہر امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل کی گود میں تربیت پائی اور اپنے والد مکرم کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ حافظہ اس درجہ تیز تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا۔ پھر کتب درسیہ کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ کیے بغیر حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳ سال کی عمر کو پہنچے تو والد فوت ہو گئے اور اکثر کتب درسیہ شیخ محمد صادق ستر کھی سے اور بعض مولانا لطف اللہ کاکوروی سے پڑھیں۔ بائیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ پھر اپنے شہر ہی میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا۔ دہلی میں بھی خاصا عرصہ مقیم رہے اور وہاں درس دیتے رہے، جس سے لوگوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ ۵۵ سال کی عمر میں حرمین شریفین گئے، اور فریضۂ حج ادا کیا۔ وہاں خاصی مدت قیام کیا۔ پھر واپس ہندوستان آ گئے اور چھ سال بلادِ دکن میں اورنگ زیب عالم گیر کی فوجی چھاؤنیوں میں اقامت پذیر رہے۔ ۱۱۱۲ھ میں دوبارہ سرزمین حجاز تشریف لے گئے اور مناسک حج ادا کیے۔ ایک مرتبہ والد کی طرف سے اور ایک مرتبہ والدہ کی جانب سے! وہاں نہایت غور و فکر سے اور شروح سامنے رکھ کر صحیحین کا درس بھی دیا۔ ۱۱۱۷ھ میں وطن واپس آئے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۱، ۲۲۔

ملا جیون، متعدد مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے مشہور تفسیر احمدی ہے، جو ۱۰۶۴ھ میں (اپنے شہر امیٹھی میں) اس وقت لکھنا شروع کی جب ان کی عمر صرف ۱۶ برس تھی۔ وہ طالب علمی کا زمانہ تھا اور حسامی پڑھتے تھے۔ کتاب کی تصنیف سے ۱۰۶۹ھ میں فارغ ہوئے۔ اس وقت بھی طالب علم تھے اور شرح المطالع زیر درس تھی۔ اصولِ فقہ کی نور الانوار، معروف کتاب بھی ان کی تصنیف ہے، جو درسِ نظامیہ میں باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ یہ کتاب جو اپنی جگہ نہایت اہم کتاب ہے، قیام مدینہ منورہ کے دوران صرف دو مہینے میں تصنیف کی۔ یعنی یکم ربیع الاوّل ۱۱۰۵ھ میں لکھنا شروع کی، اور ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۵ھ میں مکمل کرلی۔ علاوہ ازیں مناقب الاولیا اور آدابِ احمدی وغیرہ کئی کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ عربی اور فارسی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

بہرحال ملا جیون نہایت ذکی، تیز ذہن اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ منگل کی رات ۹/ ذی القعدہ ۱۱۳۰ھ کو (۸۳ سال عمر پا کر) دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں زاویۂ میر محمد شفیع دہلوی میں دفن کیے گئے۔ پھر پچاس روز کے بعد وہاں سے جسد مبارک نکال کر آبائی شہر امیٹھی میں منتقل کیا گیا اور اپنے مدرسے میں سپردِ خاک کیے گئے۔ ❶

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"ملا جیون امیٹھوی، نامِ او شیخ احمد بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصہ خدا، الصدیقی، نسبًا، الحنفی مذہبًا، المکی اصلاً، الصالحی بطنًا، الامیٹھوی مولدًا۔ قوتِ حافظہ بغایتے داشت کہ قصیدہ بشنیدن یک بار یاد می گرفت وعبارت کتب درسیہ بلا معاینہ کتاب زبانی می خواند۔ اولاً قرآنِ مجید حفظ کردہ۔ کتب درسیہ از علمائے عصرِ خود تحصیل نمودہ۔ فاتحہ فراغ بخدمت ملا لطف اللہ ساکن کوڑہ جہان آباد، خواند۔ پس ازاں بحضور محی الدین اورنگ زیب پادشاہ باریاب شدہ۔ بادشاہ موصوف بتعظیم وتوقیر پیش آمدہ۔ بحلقہ تلامذہ وے درآمد وتازندگی پا از جادۂ ادبش بیروں نہاد۔ ہم چنیں اولادِ بادشاہ موصوف مراعی آدابش بودند۔ ملا ممدوح الذکر عمر عزیزش را بافادۂ درس وتصنیف صرف نمودہ۔ بزیارتِ

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۱۹ تا ۲۱۔

حرمین شریفین مشرف شدہ۔ از غرہ ربیع الاوّل سن یازدہ صدو پنج ہجری تسوید نور الانوار شرح منار آغاز کردہ، بہ ہفتم جمادی الاولیٰ سال مذکور در حرم شریف مدینۂ منورہ بلا اعانتِ کتابے باختتام رسانیدہ۔ ونیز تفسیر احمدی در شرح آیاتِ احکامی، از تصانیف شہیرہ اوست۔ در یازدہ صدوسی ہجری بدہلی وفات یافتہ۔ نعش او بہ امیٹھی آوردہ، دفن کردند۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔‘‘ ❶

ان سطور کا ترجمہ تقریباً وہی ہے جو پہلے لکھا گیا۔

۱۶۔ مولانا عبدالفتاح صمدانی:

فتاویٰ عالم گیری مرتب کرنے والے علمائے کرام کی جماعت کے ایک اہم رکن مشہور فقیہ و عالم مولانا الشیخ ابوالفرح عبدالفتاح بن ہاشم حسینی صمدانی تھے۔ ان کا شمار دورِ گزشتہ کے مشاہیر فقہائے ہند میں ہوتا ہے۔ انھوں نے مرکز علم جون پور میں سیّد محمد جون پوری سے اخذ علم کیا۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سیّد محمد زاہد بن محمد اسلم ہروی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور علم و فضل میں یہاں تک ترقی کی کہ علمائے عظام کی اس جماعت میں شامل ہوئے، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری تصنیف کرنے کی اہم علمی و فقہی خدمت انجام دی۔ ❷

اساتذہ:

مولانا عبدالفتاح کے اساتذہ میں سے ہمیں صرف دو علمائے کرام کا علم ہوسکا ہے۔ ایک سیّد محمد زاہد ہروی کا اور دوسرے مولانا سیّد محمد جون پوری کا۔ سیّد محمد زاہد ہروی اگرچہ اصلاً علاقہ کابل کے باشندے تھے لیکن ہندوستان میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ منطق و فلسفہ میں ان کا کوی حریف نہ تھا۔ ذہانت، فطانت اور ذکاوت میں عدیم النظیر تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ و تدریس کے قابل ہوگئے تھے۔ شاہ جہاں بادشاہ سے بھی ان کا تعلق رہا اور اورنگ زیب عالم گیر سے بھی! تمام عمر درس و تدریس میں صرف کردی۔ شرح المواقف، شرح تہذیب، رسالہ قطبیہ وغیرہ، کتابوں پر انھوں نے حواشی لکھے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو درسِ نظامیہ میں متداول

---

❶ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۴۵۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۶۔ ص ۱۵۶ بحوالہ عزیز التواریخ۔

ہیں اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہیں۔ شاہ جہاں نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر ۱۰۶۴ھ میں کابل میں سوانح لکھنے پر متعین کیا۔ ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں شہر کابل میں ہوئی۔ ❶

مولانا عبدالفتاح صمدانی کے دوسرے استاذ سیّد محمد جون پوری کے حالات افسوس ہے، معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۷۔ قاضی عصمت اللہ لکھنوی:

فتاویٰ عالم گیری کے ایک مولف قاضی عصمت اللہ عمری لکھنوی تھے، جو قاضی عبدالقادر عمر لکھنوی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب مشہور بزرگ اور شہرۂ آفاق صوفی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ قاضی عصمت اللہ بڑے فاضل آدمی تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں پرورش پائی۔ اپنے والدِ مکرم قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی (یکے از مرتبین فتاویٰ عالم گیری) سے تعلیم حاصل کی طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ پیر محمد سلونی سے منسلک ہوئے۔ پھر بادشاہ ہندوستان سے عالم گیر سے رابطہ پیدا ہو گیا تو اس نے ان کو مراد آباد کا والی مقرر کر دیا۔ اس عہدے پر خاصی مدت فائز رہے۔ بعد ازاں مختلف شہروں میں منتقل ہوتے رہے۔ بڑے سخی، ایثار پیشہ اور مستحقین پر مال و دولت خرچ کرنے والے تھے۔ علما و مشائخ کا اس درجہ خیال رکھتے کہ ان کو خراجی زمین کے ایک لاکھ کاشت کار (جن کے ساتھ کثیر تعداد میں مویشی بھی تھے) دیے اور اپنی جاگیروں سے سات گاؤں عطا فرمائے۔ طلبا سے تعلق خاطر کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو سو طلبائے علم کو کھانا کھلاتے اور رمضان شریف میں روزانہ ایک ہزار آدمی کو اپنے لنگر سے کھانا مہیا کرتے۔ یہ عظیم القدر عالم دین بھی فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین میں سے تھے۔

قاضی عصمت اللہ لکھنوی کی وفات ساحل نربدہ پر ۱۲۔ رجب ۱۱۱۳ھ کو اس وقت ہوئی جب وہ بلادِ دکن سے لوٹ رہے تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۷ سال تھی۔ ❷

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

---

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۰۶ تا ۳۰۸۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۷۹، ۱۸۰ (بحوالہ بحرِ زخار)

''مولوی عصمت اللہ لکھنوی، خلف اکبر مولوی عبد القادر و مرید شیخ پیر محمد سلونی۔ وے حافظ قرآن و عالمِ علوم عربیہ بود و در علم وعمل از برادرانِ خود فوقیت داشت۔ لباسِ سپاہانہ راغشاوۂ حال خود ساختہ بصورت اغنیاء در صحبت بادشاہ مستور بود۔ دوم رجب سال یک ہزار و یک صد و سیزدہ ہجری، شب شنبہ براہِ دکن در موضع نربدہ وفات یافتہ و ہفتد ہم شوال سنِ مذکور بروز جمعہ در موضع بہدانوہ متصل بلدہ لکھنؤ مدفون کردند۔ خلد اللہ بدار النعیم تاریخ رحلت ویست۔'' ❶

اساتذہ:

سطور بالا میں قاضی عصمت اللہ لکھنوی کے اساتذہ اور مرشدوں میں تین حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کا، دوسرے ان کے والد مولانا عبد القادر عمری لکھنوی کا اور تیسرے پیر محمد سلونی کا! مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ دوسرے دو حضرات کا تعارف سطور ذیل میں کرایا جاتا ہے:

ان کے والد گرامی مولانا عبد القادر عمری لکھنوی، فضلائے ہند اور اپنے دور کے اکابر علما میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ۹۹۶ھ میں لکھنؤ میں اور ایک روایت کے ۹۹۴ھ میں کسمنڈی میں پیدا ہوئے جو لکھنؤ کے قریب ایک گاؤں تھا۔ قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد حصولِ تعلیم کی غرض سے لاہور اور دیگر بلادِ ہند کا سفر کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد شہر لکھنؤ میں مسند درس بچھائی اور بے شمار لوگوں کو زیور علم سے آراستہ کیا، جن میں شیخ پیر محمد سلونی، سیّد محمد شفیع دہلوی، سیّد محمد قنوجی، شیخ قطب الدین سہارن پوری، سیّد غلام مصطفیٰ اشرفی جائسی، شیخ محمد زمان کاکروی، شیخ مجتبیٰ قلندر لاہوری، سیّد حسن رسول نما دہلوی، قاضی معین الدین صونوی، قاضی شرف الدین لکھنوی، قاضی عبد اللطیف بہرائچی، قاضی حبیب اللہ سندیلوی، مولانا عبد اللہ سندیلوی، مولانا رکن الدین محدث دہلوی، شیخ فتح اللہ قنوجی، مولانا جعفر صدر پوری، مولانا علیم اللہ کہندوی، مولانا ابو سعید لکھنوی، شیخ مرتضیٰ نواب مختار خاں امیر بنگالہ، شیخ صدر الدین لکھنوی، اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔ ❷

---

❶ تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۴۰

❷ نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۲۳۴ (بحوالہ راحۃ الارواح)۔

مولانا عبد القادر لکھنوی کی وفات ۸۲ سال کی عمر میں ۲۷ شعبان ۱۰۷۶ھ میں ہوئی۔ قبر لکھنؤ میں ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات ''رضی اللہ'' سے نکالی ہے۔ [1] شیخ رفیع الدین مراد آبادی کے حالات میں جو رسالہ لکھا گیا ہے اس میں اسی طرح مرقوم ہے۔

شیخ پیر محمد سلونی، ان کے مرشد روحانی تھے، جن کا شمار مشہور مشائخ ہند میں ہوتا تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ پیر محمد بن عبد النبی بن ابو الفتح بن ہداد بن من اللہ بن بہاء الدین عمری جون پوری، ثم سلونی۔ ۹۹۶ھ میں سلون شہر میں پیدا ہوئے اور بغرضِ حصولِ علم مانک پور کا سفر کیا اور اس سلسلے میں اپنی تمام مساعی وقف کر دیں۔ قیام مانک پور کے دوران میں ان کی ملاقات شیخ عبد الکریم بن سلطان مانک پوری سے ہوئی۔ شیخ اپنے مدرسے میں جا رہے تھے کہ انھوں نے ان سے پوچھا، آپ کون سی کتابیں پڑھتے ہیں؟ کہا ہدایۃ الفقہ اور تفسیر بیضاوی! فرمایا۔ میرے پاس آؤ۔ جو چاہو، میں تمھیں پڑھاؤں گا؟ لیکن پیر محمد سلونی چونکہ شیخ عبد الکریم کے مرتبۂ علم اور ان کے مذہب و مشرب سے واقف نہ تھے، لہٰذا ان کی بات کی طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کی۔ اتنے میں اپنے استاذ کی خدمت میں پہنچے اور درس کے لیے ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھے تو نہ خود پڑھنے پر قادر ہو سکے اور نہ استاذ پڑھانے پر۔ استاذ کو اس غیر متوقع صورت حال سے بڑا تعجب ہوا اور اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انھوں نے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو ان کے اور شیخ عبد الکریم کے درمیان پیش آیا تھا۔ اب استاذ نے شاگرد کو ساتھ لیا اور شیخ عبد الکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے طالب معذرت و عفو ہوئے۔ بعد ازاں پیر محمد سلونی شیخ عبد الکریم سے چھ مہینے وابستہ رہے۔ ان سے ہدایہ اور بیضاوی پڑھی اور طریقت و سلوک حاصل کیا۔ جب تصوف و ارشاد کی منزلیں طے کر چکے تو شیخ عبد الکریم نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کے شہر سلون بھیج دیا۔

اس زمانے میں بے شمار غیر مسلم، پیر محمد سلونی کے وعظ و نصیحت اور توجہ خاص سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس دور میں ہندوؤں کا ایک گروہ جو سناسیوں کے نام سے موسوم تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گھوم رہا تھا۔ ان سے انھوں نے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، ہم بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں! یہ سن کر

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۲۳۴۔

انھوں نے ان لوگوں کو تبلیغ اسلام کی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ بہر حال یہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے اور سیّد علاء الدین سندیلوی اور سیّد بدر الدین بریلوی ایسے بے شمار مشائخ نے ان سے استفادہ کیا۔ عالم گیر کو ان کی نیکی اور تدین کا پتہ چلا تو اس نے دو گاؤں بطور جاگیر عطا کیے، جو اب تک ان کے ورثاء کی ملکیت ہیں جن سے حکومت نے تعرض نہیں کیا۔ ان کی وفات ۲۲ محرم الحرام ۱۰۹۹ھ کو سلون شہر میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے۔ ❶

۱۸۔ قاضی محمد دولت فتح پوری:

فتاویٰ عالم گیری کے یہ مرتب یعنی قاضی محمد دولت فتح پوری، اپنے عصر کے فاضل علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ قاضی محمد دولت بن محمد یعقوب بن فرید بن سعد اللہ بن احمد بن حافظ الدین انصاری سہالوی۔ ان کے والد محمد یعقوب، شیخ محب اللہ عمری الہ آبادی کے بھانجے تھے اور دادا حافظ الدین، شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم سہالوی کے بھی دادا تھے۔ قاضی محمد دولت، شیخ محمد عاشق بن عبدالواحد کرانوی کے چچا اور علامہ شیخ کمال الدین فتح پوری کے والد تھے۔

قاضی محمد دولت موضع سہالی میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما ہوئی اور وہیں شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم سہالوی سے علم حاصل کیا۔ الرسالۃ القطبیہ کے بیان کے مطابق شیخ شہید نے انھیں متبنّٰی بنالیا تھا۔ شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ۱۱۰۳ھ میں یہ سہالی سے فتح پور منتقل ہو گئے اور وہاں اپنے سسر ابو الرافع الحسامی کے گھر میں رہنے لگے۔ وہاں سے دہلی گئے اور فتاویٰ عالم گیری کے زمرۂ مؤلفین میں شامل ہو گئے۔ چونکہ یہ شیخ محب اللہ الہ آبادی سے تعلق قرابت رکھتے تھے، اس لیے سیّد محمد الحسینی قنوجی نے عالم گیر سے ان کی سفارش کی اور اس نے ان کو شہر سورت کے محکمۂ قضا پر متمکن کر دیا۔ اغصان الانساب کی روایت کے مطابق قاضی مقرر ہو کر سورت جا رہے تھے کہ اثنائے سفر میں راہزنوں کے چنگل میں پھنس گئے اور قتل کر دیے گئے۔ ❷

ان کے استاذ:

قاضی محمد دولت فتح پوری کے استاذ شیخ قطب الدین شہید بن عبدالحلیم بن عبدالکریم

---

❶ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۵، ۹۶۔ ❷ نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۳۰۳۔

انصاری سہالوی معقول و منقول کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ سہالی ایک گاؤں ہے، جو لکھنؤ کے نواح میں واقع ہے۔ صغرسنی میں ہی حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے، جن میں قاضی عبدالقادر لکھنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ نہایت ذہین بھی تھے اور انتہائی نیک اور متقی بھی! سلسلۂ چشتیہ سے منسلک تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ساتھ ہی طلبا کو بھی باقاعدہ تعلیم دیتے۔ البتہ منگل اور جمعہ کے روز تدریس کی چھٹی کرتے اور ان دو دنوں میں تصنیف و تالیف میں معروف رہتے۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ بھی وسیع تھا لیکن اکثر تصنیفات ان کی شہادت کے موقع پر ضائع ہو گئیں۔ جو کسی طرح محفوظ رہ گئی ہیں، وہ یہ ہیں: الامور العامہ پر حاشیہ، التلویح پر حاشیہ، شرح حکمت العین پر حاشیہ، شرح العقائد العضدیہ پر حاشیہ، شرح العقائد النسفیہ پر حاشیہ، مطول پر حاشیہ اور ایک رسالہ تحقیق دارالحرب۔

ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی طویل ہے اور اس میں بڑے بڑے جید اور فاضل حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

شیخ قطب الدین کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ وہ اس طرح کہ یہ انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے جو سہالی میں ایک با اثر برادری تھی۔ وہاں ایک دوسری برادری بھی تھی جو عثمانی کہلاتی تھی۔ ان دونوں برادریوں کے درمیان جائداد میں شراکت کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی برادری کے لوگوں نے مولانا قطب الدین پر دھاوا بول دیا۔ ان کے گھر میں گھس آئے مکان کو آگ لگا دی اور مولانا کو قتل کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شیخ قطب الدین کے دادا نے ایک مفلس اور مالی اعتبار سے کم حیثیت آدمی کو اپنی زمین میں جگہ دی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی اولاد مال دار ہو گئی اور سہالی کے نواح میں کئی دیہات ان کی ملکیت میں آ گئے۔ بعد میں ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں شیخ قطب الدین ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور ان کے بیٹے نظام الدین جو چودہ سال کی عمر کے تھے، گرفتار کر لیے گئے۔ ان کے دوسرے بیٹے محمد سعید جو (فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں سے تھے) اپنے اہل و عیال اور بھائیوں سمیت لکھنؤ

چلے گئے۔ پھر عالم گیر بادشاہ سے ملے اور اس سے تمام واقعہ بیان کیا۔ عالم گیر نے ان کو لکھنؤ میں ایک محل عطا کیا، جس میں ایک فرنگی تاجر رہائش رکھتا تھا اور اب وہ اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ محلّہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ ۱۱۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ شیخ قطب الدین ۶۳ سال کی عمر میں شہید کیے گئے۔ ❶

شیخ شہید کی اولاد:

شیخ قطب الدین شہید کی اولاد میں سے دو بیٹے بہت مشہور اور نامور عالم تھے۔ ایک محمد سعید (جو مصنّفین فتاویٰ عالم گیری کی جماعت میں شامل تھے اور جن کے حالات آئندہ سطور میں بیان کیے جائیں گے) دوسرے شیخ نظام الدین لکھنوی۔ (چوں کہ یہ باپ کی شہادت کے بعد مستقل طور سے لکھنؤ منتقل ہو گئے تھے، اس لیے لکھنوی کہلوائے۔) بہت بڑے اصولی، منطق اور علم کلام میں عدیم المثال۔ بے شمار علما کے استاذ اور اوصافِ حمیدہ کے مالک۔ علوم میں وسعت نظر اور فنونِ متقدمین پر بدرجہ غایت عبور رکھنے والے، عارف، زاہد، مجاہد، عبادت گزار، بلند اخلاق و متواضع اور منکسر المزاج تھے لوگوں کے ہمدرد و خیر خواہ اور ان سے انتہائی انس و تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اندازِ تدریس اتنا دلکش اور مؤثر تھا کہ طلبا ان پر ٹوٹ پڑتے۔ ہندوستان میں بہت سے مدارس میں انھوں نے مسند درس بچھانے کی سعادت حاصل کی۔

ان کے اساتذہ میں ملا علی قلی جائسی، حافظ امان اللہ بن نور اللہ بنارسی، شیخ غلام نقشبندی بن عطاء اللہ لکھنوی وغیرہ جلیل القدر علما شامل ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں شیخ عبدالرزاق بن عبدالرحیم حسینی بانسوی سے بیعت ہوئے اور ان سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی۔

سیّد غلام علی الحسینی بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ میں ۱۹/ ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ کو لکھنؤ گیا اور شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا۔ ان کی پیشانی پر نورِ تقدیس چمک رہا تھا۔

---

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے: نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۳۰، ۲۳۱۔ سبحۃ المرجان اور الرسالۃ القطبیہ نیز ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا، جن میں سیّد کمال الدین عظیم آبادی، سیّد ظریف عظیم آبادی، علامہ کمال الدین فتح پوری، شیخ عبداللہ امیٹھوی، مولانا محمد مالکی تلمسانی، شیخ حمداللہ بن شکر اللہ سندیلوی اور خود ان کے بیٹے ملک العلما عبدالعلی وغیرہ بے شمار حضراتِ اجلہ علما شامل تھے۔

شیخ نظام الدین معروف مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں مسلم الثبوت کی دو شرحیں، منار الاصول پر شرح، تحریر الاصول پر شرح، المبارزیہ کی شرح، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حاشیہ، الشمس البازغہ پر حاشیہ، شرح العضدیہ پر حاشیہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان متعدد حواشی کے علاوہ اپنے شیخ عبدالرزاق کے حالات میں فارسی زبان میں مناقب رزاقیہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔

ستر سال سے زائد عمر پا کر جمعرات کے روز ۸/ جمادی الاخریٰ ۱۱۶۱ھ (۲۵ مئی ۱۷۴۸ء) کو وفات پائی۔

بعض حضرات نے "ملک بود بیک حرکت ملک شد" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ ❶

۱۹۔ مولانا محمد سعید سہالوی:

شیخ محمد سعید سہالوی، شیخ قطب الدین انصاری سہالوی کے دوسرے بیٹے تھے۔ یہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب میں شامل تھے۔ علم و فضل میں یکتا تھے۔ موضع سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں عمر کی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ اپنے والد شیخ قطب الدین شہید سے اخذ علم کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں رہے۔ باپ کی شہادت کے بعد سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے پاس گئے، ان دنوں وہ بلادِ دکن میں تھا۔ اس سے باپ کی شہادت سے متعلق واقعہ بیان کیا۔ اس نے ان کو لکھنؤ شہر میں ایک بہت بڑا محل عطا کیا جو اس سے قبل ایک فرنگی تاجر کے پاس تھا اور جسے چھوڑ کر وہ اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اسی بنا پر اسے فرنگی محل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد سعید عالم گیر سے مل کر سہالی گئے، اہل و عیال، بہن بھائیوں اور اعزہ و اقارب کو ساتھ لیا، مال و متاع سمیٹا اور لکھنؤ (فرنگی محل) میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ بعد ازاں دارالخلافہ میں جا کر عالم گیر سے ملے۔ انتہائی باحیا، صاحب عفت اور عالم باعمل تھے۔ یہ وہ عالم دین تھے

---

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے: نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۳۸۳ تا ۳۸۵ (بحوالہ الرسالۃ القطبیہ وسبحۃ المرجان) نیز ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، صفحہ: ۲۴۱، ۲۴۲۔

جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ عین عالم شباب میں شاہ عالم کے عہد حکومت میں فوت ہوئے۔ ❶

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ملا محمد سعید سہالوی پسر دوم ملا قطب الدین الشہید، بعد شہادت پدر خود با محضر مظلومی جہت استغاثہ وادرسی بحضور محی الدین اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ، بملک دکن رفتہ، از بارگاہِ شاہِ موصوف، فرمان معافی فرنگی محل کہ از امکنۂ مشہورۂ بلدۂ لکھنؤ بود، حاصل نمودہ، مراجعت بوطن کرد و بذریعۂ اہالیانِ نزول تعمیل فرمانِ مذکور برفرنگی محل قبضہ نمودہ۔ ہمہ فرزندانِ ملائ شہید را درآں جا مقیم ساخت۔ بعد چندی مرۃً بعد اولیٰ بغرض استحکام فرمانِ معافی فرنگی محل وغیرہ بخدمت بادشاہ روانہ شدہ۔ بحصول اسناد دیگر کامیاب شدہ۔ آں را روانہ وطن کردہ، بمکۂ معظمہ رفتہ ملحوق عوارضِ جسمانیِ ازیں عالم فانی بملک جاودانی خرامیدہ۔

نزول امکنہ لاوارث ومنضبطہ را بہ محاورہ اہل دفتر لکھنؤ گویند۔ ❷

"یعنی ملا محمد سعید سہالوی، ملا قطب الدین شہید کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد محضر مظلومی لے کر بغرض استغاثہ و دادرسی بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں ملک دکن گئے اور بادشاہ سے فرنگی محل کی معافی کا فرمان جو لکھنؤ کی مشہور عمارات میں سے تھا، حاصل کیا اور وطن واپس جا کر لوگوں کے ذریعے فرمان مذکور کی تعمیل میں، فرنگی محل پر قبضہ کیا اور ملائے شہید کے تمام بیٹوں کو اس میں آباد کیا۔ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ فرنگی محل کے فرمان معافی کے استحکام کے لیے بادشاہ کی خدمت میں گئے اور دوسری اسناد حاصل کر کے، ان کو وطن بھیجا اور خود مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں بیمار ہوئے اور ملک جاودانی کو سدھارے۔"

"نزول۔ لکھنؤ کی دفتر زبان میں لاوارث اور منضبطہ زمین کو کہتے ہیں۔"

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۳۱۰، ۳۱۱ (بحوالہ آثار الاول اور الرسالۃ القطبیہ)

❷ تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۱۹۰۔

۲۰۔ شیخ محمد غوث کاکوروی:

کاکوری کے مردم خیز خطہ کے رہنے والے شیخ محمد غوث کاکوروی، فاضل آدمی تھے۔ صاحب تذکرۃ الانساب، نجم الدین خاں کاکوروی کے بیان کے مطابق نسباً اونچے مرتبے کے مالک تھے۔ان کا سلسلہ نسب چھبیس واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے،

شیخ محمد غوث علم وعمل اور فضل وکمال کی فضا میں ۱۰۵۶ھ میں بمقام کاکوروی پیدا ہوئے اور وہیں کے علمی ماحول میں پرورش پائی۔علوم کی مختصر اور چھوٹی کتابیں شیخ محمد زمان کاکوروی سے پڑھیں اور مطولات کے لیے شیخ ابوالواعظ ہرگامی (مرتب فتاویٰ عالم گیری) اور شیخ قطب الدین شہید بن عبدالحلیم سہالوی کے باب عالی پر دستک دی۔کتب احادیث شیخ یعقوب بنانی لاہوری سے پڑھیں۔پھر عالم گیر بادشاہ سے رابطہ پیدا ہوا تو اس نے ان کو فتاویٰ عالم گیری کی تدوین پر مقرر کردیا۔اس طرح یہ اہل علم کے اس زمرے میں شرکت کرنے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے، جو اس اہم خدمت کی انجام دہی پر مامور تھا۔بعدازاں ارضِ اودھ میں جزیہ وصول کرنے پر مقرر کیے گئے۔اس کے علاوہ تدریس اور افادۂ عام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

ان کی وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی۔ ❶

اساتذہ:

شیخ محمد غوث کاکوروی کے اساتذہ میں سے شیخ ابوالواعظ ہرگامی (ان کے حالات مرتبین فتاویٰ عالم گیری کی فہرست میں بیان ہوچکے ہیں) اور شیخ قطب الدین شہید سہالوی ہیں (ان کے حالات بھی بیان ہوچکے) ان دونوں بزرگوں کے علاوہ شیخ محمد زمان کاکوروی اور شیخ یعقوب بنانی لاہوری بھی ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔شیخ محمد زمان کاکوری، اکابر علما میں سے تھے۔ سرزمین کاکوروی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔بچپن ہی میں حصول علم میں مشغول ہوگئے تھے۔اس سلسلے میں مختلف علاقوں اور شہروں کا سفر کیا۔قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی سے اخذ علم کیا۔پھر سلوک وطریقت کے لیے شیخ پیر محمد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔بعدازاں درس

❶ نزہۃ الخواطر، جلد:۶، صفحہ:۳۳۹۔

وافادہ میں مصروف ہوگئے اور بے شمار لوگوں کو فیض پہنچایا، جن میں شیخ عبدالغفور اشرفی بھاگل پوری، شیخ علی اصغر قنوجی، شیخ محمد غوث کاکوروی اوران کے علاوہ بہت سے لوگ شامل ہیں۔ ❶

شیخ محمد غوث کاکوروی کے ایک استاذ مولانا یعقوب بنانی لاہوری تھے۔ان سے انھوں نے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

مولانا ابو یوسف یعقوب بنانی لاہوری، حدیث، فقہ اور فنون حکمیہ کے مشہور علما میں سے تھے ان کی ولادت لاہور میں ہوئی اور اسی علمی شہر میں پرورش پائی۔اپنے عصر کے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا اور مروّجہ علوم وفنون کی تمام شاخوں میں ممتاز قرار پائے۔''مرأۃ آفتاب نما'' کی روایت کے مطابق شاہ جہان بادشاہ نے ان کو عساکر شاہی کے میر عدلیہ مقرر کیا۔

رزق اللہ نے اپنی کتاب ''الافق المبین فی اخبار المقربین'' کے طبقہ تاسعہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں: یہ عالم دین اور عارف باللہ تھے، جو علوم عقلیہ اور نقلیہ کے جامع تھے۔ان کی علمی خصوصیات کی بنا پر انھیں مدرسہ شاہ جہانیہ میں منصب تدریس عطا کیا گیا۔اس زمانے میں ان سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔رزق اللہ اپنی مذکورہ کتاب میں مزید لکھتے ہیں کہ مجھے ان کو اثنائے درس میں دیکھنے اور ان کے خیالات سننے کا اتفاق ہوا ہے۔کثرت معلومات کا یہ عالم تھا کہ فاضل سیالکوٹی (مولانا عبدالحکیم) پر بڑی تعریضات وارد کرتے اور انھیں ہدف تعاقب وتنقید ٹھہراتے۔

تصنیف و تالیف میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ان کی تصنیفات میں سے حدیث کے موضوع سے متعلق الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری، المعلم فی شرح صحیح الامام مسلم، المصفی فی شرح الموطا، مشہور کتابیں ہیں۔علاوہ ازیں شرح تہذیب الکلام، شرح حسامی، شرعۃ الاسلام اور علم صرف کے بارے میں ایک کتاب اساس العلوم ہے۔رضی، عضدی اور بیضاوی پر حواشی تحریر کیے۔

بختاور خاں مرأۃ العالم میں کہتا ہے، عالم گیر نے ان کو فوج کے محکمۂ عدلیہ کے ناظر مقرر کردیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تدریس اور افادۂ عام میں بھی مصروف رہے۔انھوں نے

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد:۵،صفحہ:۳۷۱۔

تفسیر بیضاوی پر حاشیہ اور بہت سی درسی کتابوں پر تعلیقات لکھیں۔

ان کی وفات دہلی میں ہوئی اور وہیں اپنے گھر میں دفن کیے گئے۔ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے بعض تعلیقات میں تصریح کی ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۹۸ھ میں ہوا۔ 1

۲۱۔ مفتی محمد اکرم لاہوری:

شیخ نظام الدین برہان پوری کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے مہتمم و سربراہ کی حیثیت سے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کا کام ابتدا میں جن حضراتِ علما کے سپرد کیا، ان میں مفتی محمد اکرم لاہوری بھی شامل تھے۔ ان کے حالات زیادہ تفصیل سے نہیں مل سکے۔ نزہۃ الخواطر میں ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ مرقوم نہیں کہ جن چار فقہائے کرام میں کام تقسیم کیا گیا، ان میں ایک محمد اکرم بھی تھے۔ 2

تذکرہ علمائے ہند میں بھی چند لفظوں میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"ملا محمد اکرم لاہوری، متداولات را بارہا درس گفتہ۔ بحلم و بردباری وصلاح و پرہیزگاری موصوف۔ معلم شاہ زادہ کام بخش بود۔" 3

یعنی متداول کتابوں اور علومِ مروّجہ کا بارہا درس دیا۔ حلم و بردباری اور صلاح و تقویٰ سے متصف تھے۔ شاہزادہ کام بخش کے استاذ تھے۔

یہ مفتی محمد اکرم لاہوری کون ہیں؟ اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا، جو یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، یہ وہی مفتی محمد اکرم لاہوری ہیں، جنھیں تذکرہ نویسوں نے مفتی قاضی محمد اکرم دہلوی تحریر کیا ہے۔ غالباً یہ اصلاً لاہوری تھے، بعد میں دہلی کے مرکزِ علم میں تشریف لے گئے۔ عظیم فقہا میں سے تھے۔ اکابر علما سے علم و افتا کے وارث بنے۔ طویل عرصے تک دار السلطنت دہلی میں مسندِ افتا پر فائز رہے۔ پھر ۱۰۹۴ھ میں عالم گیر نے ان کو اورنگ آباد میں مسندِ قضا پر متمکن کیا۔ بعد ازاں ۱۱۰۹ھ میں قاضی عبداللہ بن محمد شریف قاضی اکبر

---

1 نزہۃ الخواطر، ج: ۵، صفحہ: ۴۳۹، ۴۴۰ (بحوالہ مرأۃ آفتاب نما، مرأۃ العالم، الافق المبین فی اخبار المقربین اور بعض تعالیق مفتی ولی اللہ فرخ آبادی)

2 ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۴۲۰۔

3 تذکرہ علمائے ہند، صفحہ: ۲۷۴۔

کی جگہ مقرر کیے گئے۔ پھر تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ فقہ میں ایسی مہارت رکھتے تھے کہ اس موضوع میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ نہایت خوش مزاج، ظریف الطبع اور بہترین طبیعت کے مالک تھے۔

ان کی وفات ۱۱۱۶ھ میں ہوئی۔ وفات کے بعد عالم گیر ان کو بہت یاد کرتا اور کہا کرتا تھا کہ مرحوم سب سے بڑے عالم تھے۔ ❶

مآثر عالم گیری میں، عالم گیر کے تخت نشینِ سلطنتِ ہند ہونے کے ستائیسویں سال یعنی ۱۰۹۴ھ کے واقعات میں مفتی محمد اکرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ''لاہوری'' یا ''دہلوی'' کے لفظ کی صراحت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

''سیّد اوغلان، بادشاہ زادہ محمد کام بخش کی معلّمی کے لیے مقرر کیے گئے اور صالح محمد قاضی اورنگ آباد دار الخلافت کے عہدۂ قضا پر مامور کیے گئے اور ان کے تغیر سے محمد اکرم مفتی لشکر اورنگ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔'' ❷

جلوس عالم گیری کے بیالیسویں سال (۱۱۰۹ھ) کے واقعات کے ضمن میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں مرقوم ہے:

''قاضی عبداللہ نے مرضِ فالج میں دنیا کو خیر آباد کہا۔ ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، اُردوئے معلّٰی کی خدمت قضا پر، حضور پرنور میں طلب فرمائے گئے۔'' ❸

اسی سال کے واقعات میں مزید بتایا گیا ہے:

''محمد اکرم، اکبر آباد سے ہم رکاب اقدس و اعلیٰ حاضر ہوا۔ اور اردوئے معلّٰی کی خدمتِ قضا پر مامور ہو کر سر بلند ہوا۔'' ❹

جلوس عالم گیری کے انچاسویں سال یعنی ۱۱۱۶ھ میں عالم گیر عازمِ بہادر گڑھ ہوا۔ قاضی محمد اکرم اس سفر میں اس کے ساتھ تھے۔ اثنائے راہ میں فوت ہوئے۔ اس سال کے واقعات بیان

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۸۲، ۲۸۳۔ ❷ مآثر عالم گیری (اُردو ترجمہ) صفحہ: ۲۵۵۔

❸ ایضاً، صفحہ: ۳۶۹۔ ❹ ایضاً، صفحہ: ۳۷۲۔

کرتے ہوئے مآثر عالم گیری کا مصنف رقم طراز ہے:

''۱۶ رجب (۱۱۱۶ھ) کو قبلۂ عالم بہادر گڑھ روانہ ہوئے۔ رجب کا نصف مہینہ اور ماہِ شعبان مسافت طے کرنے میں گزرا۔ اثنائے راہ میں قاضی اکرم خاں کا پیمانۂ عمر لبریز ہوگیا اور اس نے وفات پائی۔ خان مذکور علم فقہ کا بڑا عالم تھا۔ اپنی پایۂ شناسی و بندہ نوازی سے قاضی مذکور کو ہمیشہ لفظ ''اعلم'' سے یاد فرماتے تھے۔'' ❶

''فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین'' کے عنوان کے تحت جناب صادق علی صاحب دلاوری نے بھی ''ملا محمد اکرم ولد ملا محمد یحییٰ لاہوری'' کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فاضل مقرری ہے، متداولات کو کئی بار پڑھایا اور کتب درسیہ سے کئی بار عبور کیا۔ حلم و بردباری، صلاح و پرہیزگاری سے متصف تھے۔ بادشاہزادہ کامگار محمد بخش کی معلمی سے سرفراز اور حضرت خلیفہ الٰہی (اورنگ زیب) کی عنایت کا افتخار و امتیاز ان کو حاصل تھا اور فتاویٰ عالم گیری کے ایک ربع کی ترتیب و تالیف پر مامور تھے۔ ۱۰۹۴ھ کے اواخر میں ستر سال سے زیادہ عمر پا کر عالم بقا کی طرف رُخ کیا۔ آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کہتے تھے کہ لاہور میں کوئی شخص پسر ملا یحییٰ کی فضیلت کو نہیں پہنچتا۔'' ❷

یہ وہی مفتی محمد اکرم ہیں جن کا سطورِ گزشتہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے سال وفات کے بارے میں یا تو دلاوری صاحب کو سہو ہوگیا ہے یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے ظاہر ہے، ان کا سالِ وفات ۱۰۹۴ھ نہیں، ۱۱۱۶ھ ہے۔

۲۲۔ شاہ عبدالرحیم دہلوی:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، فتاویٰ عالم گیری کے باقاعدہ مرتبین میں تو شامل نہ تھے، البتہ اس کی ترتیب و تدوین کے بعد اس پر نظر ثانی میں ان کا حصہ ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب کے بعد اس پر نظر ثانی کا مرحلہ پیش آیا تو اس کا اہتمام ملا حامد

---

❶ ایضاً، صفحہ: ۴۵۷۔

❷ مقالاتِ منتخبۂ اورنٹیل کالج میگزین وضمیمہ ومجلۂ انجمن عربی و فارسی دانشگاہ پنجاب، ۱۹۲۵ء تا ۱۹۷۰ء (صفحہ: ۴۴۰)

جون پوری کے سپرد تھا۔ وہ علامہ محمد زاہد ہروی کے مدرسے میں شاہ عبدالرحیم دہلوی کے ہم سبق رہ چکے تھے اور ان کی فقہی قابلیت اور علمی عظمت سے خوب آگاہ تھے۔ ایک روز وہ شاہ عبدالرحیم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ فتاویٰ کی دوبارہ تدوین اور نظر ثانی میں میری مدد کریں تو اس کے صلے میں ایک معقول رقم روزانہ آپ کی خدمت میں پیش ہوتی رہے گی۔ لیکن شاہ صاحب مستغنی المزاج تھے۔ انھوں نے ملا حامد کی اس بات کی پروا نہ کی اور ان کو بے توجہی سے ٹال دیا۔ اتفاق سے شاہ صاحب کی والدہ مکرمہ نے یہ بات سن لی اور بیٹے کو یہ خدمت قبول کرنے کے لیے اصرار کیا، چناں چہ انھوں نے والدہ کے حکم سے مجبور ہو کر نظر ثانی کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

ایک روز شاہ عبدالرحیم فتاویٰ کے ایک مقام کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایسی عبارت پر نظر پڑی، جس میں کلی اختلال تھا اور اس اختلال کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث کی صورت بدل گئی تھی۔ شاہ صاحب نے اسی وقت ملا حامد کو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلف کی اس لغزش سے متنبہ کیا اور فرمایا: میرے نزدیک یہ عبارت مختل ہے اور اصل مسئلہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ملا حامد جون پوری نے شاہ صاحب کی اس بات پر توجہ نہ کی اور مؤلف فتاویٰ کی وسعت نظر پر بھروسا کر کے آگے بڑھنے کو ترجیح دی۔ شاہ صاحب نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے جب مسئلہ زیر بحث کا ماخذ تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مختلف عبارتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کے مؤلف نے دونوں عبارتوں کو بلا امتیاز ایک جگہ درج کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اختلال کی شکل پیدا ہو گئی ہے، لہٰذا شاہ صاحب نے فتاویٰ کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھ دی۔

من لم يتفقه فى الدين قد خلط فيه، هذا غلط وصوابه كذا۔

خود عالم گیر کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کتاب کی تدوین و تصنیف کے بارے میں اتنی محنت اور اہتمام سے کام لیتا تھا کہ ملا نظام جو فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، روزانہ ایک صفحہ یا دو صفحے بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے اور بادشاہ کو اس سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ وہ ایک ایک مسئلہ کامل غور و فکر سے دیکھتا اور سنتا تھا۔ کاتبوں کی غلطیاں خود درست کرتا تھا۔ جب ملا نظام معمول کے

مطابق بادشاہ کے سامنے کتاب پڑھنے لگے اور اس مقام پر پہنچے، جس کو شیخ نے مختل قرار دیا تھا تو انھوں نے حاشیہ، متن کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ عالم گیر اس عبارت کے سنتے ہی پریشان سا ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام برابر پڑھتے جا رہے ہیں اور رُکتے نہیں ہیں، تو کہا: ایں عبارت چیست؟ یہ کیا معاملہ ہے؟ ذرا پھر پڑھیے۔ ملا دوسری مرتبہ بھی روا روی میں اسی طرح پڑھ گئے۔ اب عالم گیر نے اس مقام کی وضاحت چاہی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور کہا: میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا۔ کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ ایں مطالعہ نہ کردہ اُم، فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔

ملا نظام، عالم گیر کے دربار سے ملا حامد کے پاس پہنچے اور ان سے شدید خفگی کا اظہار کیا اور کہا: میں نے یہ مسودہ آپ کے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا مگر آپ نے اس پر غور نہ کیا اور مجھے بادشاہ کے سامنے سخت نادم ہونا پڑا۔ ملا حامد نے یہ بات سنی تو شاہ عبدالرحیم کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے وہ دونوں کتابیں جو اس مسئلے کا اصل ماخذ تھیں، ملا حامد کے سامنے رکھ دیں اور عبارت کی بے ربطی اور اختلال واضح کیا۔ [1]

اصل واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم کے والد فوت ہو چکے تھے اور آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ والدہ کے مجبور کرنے پر فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کے سلسلے میں بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ ادھر ان کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو پتا چلا تو وہ خفا ہوئے اور ترکِ ملازمت پر مجبور کیا۔ شیخ نے ان سے والدہ کے اصرار اور مالی ضرورت کے بارے میں بات کی اور ساتھ ہی فرمایا: دُعا کیجیے ملازمت خود بخود چھوٹ جائے۔ عالم گیر کے پاس مدوّنین فتاویٰ کی فہرست وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہتی تھی۔ اب یہ فہرست پیش ہوئی تو اس نے شاہ عبدالرحیم کے نام پر قلم پھیر دیا اور ساتھ ہی کہا۔ اگر خواستہ باشد ایں قدر زمین بدہید۔ یعنی اگر چاہیں تو ان کو اس قدر (یعنی بقدر تنخواہ) زمین دے دی جائے۔ شاہ عبدالرحیم، بادشاہ کی اس پیش کش کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

قبول نہ کردم وشکرانہ بجا آوردم وحمد خدا تعالیٰ گفتم۔

''میں نے اسے قبول نہیں کیا اور ملازمت ختم ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔''

---

[1] حیات ولی، صفحہ: ۲۷۷ تا ۲۷۹۔ نیز ملاحظہ ہو: نفاس العارفین (از شاہ ولی اللہ دہلوی) صفحہ: ۲۴۔

انتقال:

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے شاہ عبدالرحیم جسمانی اعتبار سے خاصے کمزور ہوگئے تھے۔ اسی کمزوری کی حالت میں رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: میں اکثر ان کے پاس رہتا تھا اور ان کی زبان پر اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کے الفاظ جاری رہتے۔ بالآخر ماہِ صفر میں ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ اس حالت میں بھی نماز کا بہت خیال رکھتے اور وقت پر ادا فرماتے۔ ۱۲/صفر ۱۱۳۱ھ کو صبح پو پھٹنے سے پہلے ان پر موت کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کرب کے عالم میں بھی دل میں نماز کا خیال تھا اور جو لوگ اردگرد بیٹھے تھے، ان سے بار بار پوچھتے کہ فجر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ حاضرین نے ایک دفعہ پوچھنے پر کہا کہ نماز کا وقت ہوا ہی چاہتا ہے۔ اس پر قدرے سختی سے فرمایا: اگر تمھاری نماز کا وقت نہیں ہوا تو نہ سہی ہماری نماز کا وقت تو آ پہنچا ہے۔ فرمایا: مجھے قبلہ رُخ کردو، چناں چہ قبلہ رُخ کردیے گئے، نماز کے وقت میں اگرچہ شبہ تھا مگر آپ نے اشاروں سے نمازِ فجر ادا کی۔ اس کے بعد اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہوگئے اور اسی حالت میں انتقال فرماگئے۔

شاہ عبدالرحیم نے بدھ کے روز، ۱۲/صفر ۱۱۳۱ھ (۲۴۔ دسمبر ۱۷۱۸ء) کو ستتر سال کی عمر میں بعہد فرخ سیر دہلی میں وفات پائی اور مہندیوں میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے پچاس روز بعد فرخ سیر گرفتار ہوا اور دہلی میں ایک عام بے چینی اور اضطراب کی فضا پیدا ہوگئی۔ ❶

۲۳۔ ملا فصیح الدین پھلواروی:

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں ہندوستان کے صوبہ بہار کے مشہور قصبہ پھلواری کے ایک اہل علم بھی شامل تھے، جن کا نام ملا فصیح الدین ہے۔ ان کا ذکر مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے کسی تذکرے میں تو مرقوم نہیں، البتہ اپریل ۱۹۴۷ء کے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں جناب عون احمد صاحب قادری اور سیّد غلام حسنین شاہ ندوی پھلواروی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں نزہۃ الخواطر کی چھٹی جلد میں سیّد عبدالحی صاحب لکھنوی نے حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہاں ہم انھیں بزرگوں کے الفاظ میں ان کا ذکر کرتے

---

❶ حیات ولی، صفحہ: ۳۱۷ تا ۳۱۹۔

ب۔ جناب عون احمد صاحب قادری لکھتے ہیں:

’’ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا۔ وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے۔ تحصیل علم کے لیے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تکمیل کی۔ سلطان عالم گیر اورنگ زیب کا عہد تھا۔ استاذ، دربارِ شاہی کے ممتاز لوگوں میں تھے۔ ملا فصیح الدین اپنے استاذ کے ذریعے عالم گیر کے دربار میں پہنچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں شریک کیے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کر کے مدد معاش میں ایک سو بیس بیگہ اراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لیے عطا فرمایا۔

’’جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ میں درس دینا شروع کیا۔ ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا۔ اس میں حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علما وفضلا درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا۔

’’ملا فصیح الدین کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ پھلواری کے متقدمین علما میں ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔ ارشد تلامذہ میں موصوف کے چاروں صاحب زادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہیں۔

’’بڑے لڑکے ملا صبیح الدین، ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگوں نے ان سے علمی فیض حاصل کیا۔ ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے، جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے۔ ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنوں خالی رہی۔ پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبدالغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے۔

"ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

"ملا فصیح الدین کے صاحب زادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالم گیر کی طرف سے جو فرمان تھا، اس میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمان طویل ہے، اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں۔"

"دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یک صد و بست بیگہ زمین از پرگنہ پھلواری، مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوئ بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود۔ الحال بتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید آسامی دیدہ ودانستہ حسب الضمن مقرر شد۔"

"یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ر رجب دوشنبہ، ۱۱۲۰ھ میں تجدید کیا گیا تھا، ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا، اس میں بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا، مگر وہ ضائع ہو گیا۔"

مولانا سیّد غلام حسنین شاہ ندوی پھلواروی لکھتے ہیں:

"حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاوئ عالم گیری میں ہونا، یہاں خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر میں بھی آئی تو بہت بعد میں۔ ان کے ہم عصروں میں سے یا ان کے متصل مؤلفین میں سے کسی کا نوشتہ موجود نہیں ہے۔ اس زمانے کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکروں میں بزرگوں کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے۔

"لیکن پھر بھی اہل علم خاندان میں جو روایت مسلسل چلی آ رہی ہو، وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہیں ہو سکتی۔ اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی واکبری میں یہاں آ کر مقیم ہوئے۔ خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی میں سے تھے، لیکن وہاں ان

کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی۔

"ابوالفضل کے اکبر نامہ میں بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے۔ خدا بخش خاں صاحب مرحوم کی لائبریری (پٹنہ) میں شاہان وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل میں موجود ہے۔ شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک، پٹنہ کے جنوب میں بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیے تھے، تاکہ پٹھانوں کو سر اُٹھانے کا موقع نہ دیں۔ اسی زمانے میں خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہاں آئے۔ یہ عبداللہ ابن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، اسی لیے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے۔ امیر عطاء اللہ نے یہاں سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے۔ اسی مسجد میں ملا فصیح الدین درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چناں چہ شاہ عالم اوّل فرزند و جانشین عالم گیر نے از روئے فرمان مجریہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا، جو از روئے پروانگی و بمہر "اخلاص خاں" ملا صاحب موصوف کے فرزندوں کو ملا تھا۔ اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:

"...... ملا مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہ...... متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ و بست بیگہ ❶ زمین مدد معاش از سابق دارد بخرچ وفانمی کند امیدوار از تفصیلات ...... و یومیہ مسجد بآں قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ۔"

اس فرمان سے ظاہر ہے کہ ملا فصیح الدین، شہنشاہ عالم گیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا۔ پس

---

❶ معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بیگہ زمین" (؟)

فتاویٰ عالم گیری کے جمع کرنے میں انھوں نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے۔ تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجوں، روایتوں اور انفرادی نوشتوں، دفینوں اور سفینوں کو اکٹھا کر کے بنائی جاتی ہے۔ پھر پھلواری کے ذی علم و مقتدر خاندان کی روایت، تاریخ کا ماخذ کیوں نہیں بن سکتی ہے۔ [1]

نزہۃ الخواطر میں سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی، حدیقۃ الازہار کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

شیخ، عالم، فقیہ، فصیح الدین ابن ابی یزید ابن محمد فرید بن محمد حسین ابن عطاء اللہ ہاشمی جعفری پھلواروی، فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ پھلواری میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھلواری، عظیم آباد (پٹنہ) کا ایک قصبہ ہے۔ اپنے وطن کے اساتذہ سے ایک مدت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی جا کر شیخ احمد بن ابی سعید امیٹھوی سے تحصیل کی اور وطن واپس آ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ملا فصیح الدین نے ملا عوض وجیہ سمرقندی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ نیز شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بات ایک سرکاری فرمان میں دیکھی ہے، جو مغل حکمران شاہ عالم بن اورنگ زیب عالم گیر نے، ان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ [2]

۲۴۔ قاضی سیّد عنایت اللہ مونگیری:

بعض حضرات نے قاضی عنایت اللہ مونگیری کو بھی مدوّنین فتاویٰ عالم گیری میں شمار کیا ہے، چناں چہ مولانا سیّد ابوظفر ندوی نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں اس سلسلے میں خاصی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس مضمون میں انھوں نے دو چیزیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک یہ کہ وہ عالم گیر کے زمانے میں سورج گڑھ اور کھڑا کے قاضی تھے۔ منصب قضا کی سند ان کو خود اورنگ زیب عالم گیر نے بھیجی اور اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآنِ مجید) عطا کی، دوسرے یہ کہ وہ فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں شامل تھے اور اس ضمن کی ایک دستاویز بھی ان کے خاندان میں موجود تھی، لیکن اکتوبر ۱۹۴۷ء تک یہ دستاویز دست یاب نہیں ہو سکی تھی۔

---

[1] ماخوذ از معارف (اعظم گڑھ) اپریل ۱۹۴۷ء۔

[2] نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۲۳، ۲۲۴۔

اب سطور ذیل میں قاضی عنایت اللہ مونگیری کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔

قاضی سیّد عنایت اللہ بن قاضی سیّد عبدالنبی بن سیّد عبدالسلام بن سیّد شاہ جمال الدین بن سیّد شاہ احمد جاجیزی بانی خاندان بارہ گاؤں سورج گڑھ۔

سیّد عنایت اللہ، خاص سورج گڑھ، محلہ چک مسکن ضلع مونگیر میں ۱۰۵۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں۔ ان کے والد ماجد (قاضی سیّد عبدالنبی) قصبہ سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے اور گو برائے نام سہی، مگر اس وقت تک اس خاندان میں قضاءت چلی آتی ہے۔ غرض اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجے کی تعلیم حاصل کر کے وہ دہلی پہنچے۔ شام کا وقت تھا۔ ایک شخص کے مکان پر شب باشی کی اجازت مانگی۔ اس نے ان کا حال سن کر اجازت دے دی اور کھانا بھی کھلایا۔ رات جب زیادہ ہوئی تو مالک مکان چراغ گل کر کے اندر جانے لگا۔ سیّد صاحب نے کہا مجھے کچھ قرآن پڑھنا ہے، میں سوتے وقت چراغ گل کر دوں گا۔ وہ اندر چلا گیا اور سیّد صاحب دیر تک قرآنِ مجید پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ کوتوالِ شہر گشت کرتا ہوا آ نکلا۔ چوں کہ سیّد صاحب بہت ہی خوش الحان تھے، اس لیے وہ دیر تک کھڑا سنتا رہا۔ پھر سامنے آ کر اس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی۔ صبح کو کوتوال نے سیّد صاحب کو طلب کر کے ان سے مزید معلومات حاصل کیے اور جب اس کو ان کے علمی ذوق کا یقین آ گیا تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسے میں داخل کرا دیا۔

اس مدرسے میں وہ کب تک تعلیم پاتے رہے؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا، لیکن اختتامِ تعلیم کے بعد ان کی علمی استعداد کی بنا پر اسی مدرسے میں ان کو معلم کے عہدے پر متعین کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا تو ان کو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں شامل کر لیا گیا اور غالباً آخر تک (یعنی ۱۰۸۶ھ تک) یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ کیوں کہ اس کے بعد وہ پھر شاہی مدرسے کے مدرس ہو گئے اور ۱۰۹۹ھ تک اس خدمت پر مامور رہے۔

اس اثنا میں ان کے والد سیّد عبدالنبی صاحب کا، جو سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے، انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ یہ جگہ خالی رہی۔ پھر شرفائے سورج گڑھ کی درخواست پر سیّد عنایت اللہ صاحب کو ان کے پدرِ بزرگ وار کی جگہ قاضی بنا کر بھیج دیا گیا اور محکمہ قضا کی سند عطا کرتے

وقت شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآنِ مجید) قاضی صاحب کو عنایت فرمائی، جس کے اوراق نامساعدت زمانہ میں منتشر ہو گئے۔

قاضی صاحب اپنی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے اور سورج گڑھ چک مسکن ہی میں وفات پائی، جہاں ان کا پختہ مزار آج تک موجود ہے۔ عہدۂ قضا پر سرفراز کرتے وقت جو فرمان قاضی صاحب کو عنایت ہوا، وہ اب بھی محفوظ ہے۔

یہ فرمان اکتوبر ۱۹۴۷ء کے ''معارف'' میں درج ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں بھی نقل کردیا جائے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ قاضی صاحب موصوف کس بلند مرتبے کے مالک تھے اور شاہانِ مغلیہ کی جانب سے اس نوع کے جاری کردہ فرامین کس نوعیت کے حامل ہوتے تھے۔

''دریں وقت فرمانِ والا شان صادر شد کہ خدمت قضایا پرگنہ سورج گڑھ وکجرہ تابع سرکار مونگیر متعلق صوبہ بہار از انتقال عبدالنبی بہ سید عنایت اللہ پسرش وموازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از پرگنہ سنگھون تابع سرکار مذکور بشرط خدمت و عدم اخذ مہرانہ ونکاحانہ، در وجہ مدد معاش حسب الضمن مقرر باشد کہ بلوازم ومراسم آن کما ینبغی پردازد، و در نشر شرعیات وقطع وفصل قضایا ومعاملات ورفع ودفع دعاوی وخصومات، وعقود انکحہ بلا ولی، وقسمت ترکات وکتابت صکوک وسجلات وتحریص وترغیب مردم بہ طاعات وعبادات واجرائے حدود، وتعزیرات واقامت جمعہ وجماعات وتحقیق اموالِ غیب وایتام وتعین اوصیا ونصب قیام نمودن۔ نائب متدین طالب علم مساعی موفورہ بتقدم رساند۔ باید کہ حکام وعمال جاگیرداران وکروریانِ حال و استقبال اورا قاضی آن محلات دانند وزمین مذبور را وپیمودہ وچک بستہ بہ تصرف او بازگزارند واصلاً ومطلقاً تغیر وتبدیل بدان راہ نہ دہند، وبعلت مال وجہات اخراجات مثل قلعہ وپیش کش وجریانہ وضابطانہ ومحصلانہ ومہرانہ وداروغ گانہ وبے گار وشکار ومقدمے وقانون گوئی وضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک وتکسیرِ زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحم نہ شوند، ودریں باب ہر سال مجدد نہ طلبند واگر در محلے دیگر چیزے دانستہ باشند، آن را اعتبار نہ کنند، طریق جمہورِ سکنہ ومتوطنین پرگنات مسطور آنکہ خطوط

وقبالات وصکوک وسجلات را بخط ومہر ومعتبر شمرند۔ غرہ شعبان سال سی ویکم جلوس ۳۱ شرح یادداشت واقعہ تاریخ روز چہار شنبہ بست وششم شہر جمادی الآ خر ۳۱ جلوس والا موافق ۱۰۹۹ھ مطابق ہشتم آروی بہشت ماہ رسالہ صدارت ومشیخت پناہ فضیلت وکمالات دست گاہ سزاوار مرحمت واحسان صدر منیع القدر ''فاضل خاں'' ونوبت واقعہ نگاری کم ترین بندہ درگاہ خلائق آرام گاہ ''محمد ساقی'' قلمی می گردد۔ سیّد عنایت اللہ ولد سیّد عبدالنبی از نظر اقدس اعلیٰ گزشت وبعرض مقدس معلیٰ رسید، کہ پروانگی بہ مہر ودستخط مشیخت وفضیلت پناہ فضائل خان رسیدہ کہ بموجب التماس محمد شفیع وغیرہ سکنہ پرگنہ سورج گڑھ وپرگنہ کجرہ سرکار مونگیر صوبہ بہار بعرض والا رسید کہ از مدتے عبدالنبی قاضی پرگنات مسطور فوت شدہ، وبدون قاضی، معاملاتِ شرعیہ، فیصل نمی باید، حکم والا شرف نفاذ یافت کہ بندہ بر تقدیر وقوع قاضی دیگر، بعرض مقدس رسانیدہ مقرر نمایند۔ حقیقت برین منال است کہ در پرگنہ کجرہ سرکار مونگیر مذکور قاضی از حضور پرنور تعین نہ شدہ، ومحضر بہ مہر مردم رسیدہ کہ سیّد عبدالنبی خاص موروثی پرگنات مسطورہ روبحسین حیات سپرد وسیّد عنایت اللہ پسرش متوفی، بحضور پرنور رسیدہ، طالب علم است ہرچہ فرمان شود۔

حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد کہ خدمت قضاء پرگنات، مرقوم مع سواد قصبات وقریات متعلقہ آن از انتقال سیّد عبدالنبی متوفی مشارٌ الیہ وموازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از پرگنہ سنگھون سرکار مونگیر مذکور، اودمیکہ قاضی باشد، بشرط عدم اخذ مہرانہ ونکاحانہ در وجہ مدد معاش اومرحمت فرمودیم، ونیز حکم شد، درجائیکہ خود نہ رسد، نائب متدین طالب علم تعیین می کردہ باشد، واگر درمحال دیگر چیزے دانستہ باشد آن را اعتبار نہ کنند۔ واقعہ ۸/ جمادی الآ خرہ ۳۱۔''

اس کے بعد مدار المہام جملۃ الملک اسد خاں وزیر اور فاضل خاں صدر الصدور کے دستخط اور تصدیق ہے۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سند پاتے وقت سیّد قاضی عنایت اللہ دہلی میں عالم گیر کے پیش نظر کسی محکمے میں کام کرتے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ مونگیر کے ایک عالم بھی فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں شریک تھے۔ (دیکھیے: ہندوستان کے مدارس اسلامی، صفحہ: ۵۱)

لیکن سورج گڑھ میں خاندانی روایات کی بنا پر وثوق سے کہا جاتا ہے کہ محکمہ قضا میں آنے سے قبل وہ (سیّد عنایت اللہ مونگیری) مجلس تدوین فتاویٰ کے رکن تھے۔ اس خاندان میں ایک اور دستاویز بھی موجود ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قاضی صاحب مدوّنین فتاویٰ میں شریک تھے، لیکن افسوس ہے کہ تلاش کے باوجود وہ دستاویز ملی نہیں۔ [1]

۲۵۔ مولانا محمد شفیع سرہندی:

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں ایک عالم دین مولانا محمد شفیع تھے۔ ان کا تعارف "معارف" "(اعظم گڑھ)" [2] میں سیّد طلحہ صاحب کے مضمون بعنوان "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" کے ذریعے کرایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم اسی سے استفادہ کر رہے ہیں۔

مولانا محمد شفیع عہد عالم گیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے۔ عالم گیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر شاہزادگان بھی حصول فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ شجرۃ الاصل النورانیہ [3] میں ہے۔

> مولانائے ما اشتہار عالم دارند پادشاہ عالم گیر رجوع باو داشت وفرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند۔

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سیّد تھے۔ جدی وطن بغداد تھا۔ ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترکِ وطن کر کے غزنی، وہاں سے سرہند، پھر دہلی، اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں۔

> "ہم از بعضے فرزندانِ خاندانِ خواجہٗ ما خواجہ محمد غزنوی کہ بطریق سیاحت وسفر ومخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند واصل ایشاں از سرہند بود، چناں چہ ہم تحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد وبغزنی نزول فرمودند واز آنجا بسرہند واز آنجا بہ دہلی، واز آنجا بحضرت بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں

---

[1] معارف (اعظم گڑھ) ماہِ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ [2] بابت ماہ جنوری، ۱۹۴۷ء۔

[3] یہ کتاب آج سے چھیاسی برس قبل کی تصنیف ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے۔

ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی۔'' [1]

سال ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی۔ البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیر محی الدین قلندری کی خدمت میں کی۔

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔ آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا۔ چناں چہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے:

''بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق...... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد۔''

بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ ۱۱ شوال ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے۔

''ملا محمد شفیع ساکن امتھوا کہ یک صد و یک سالہ داشتہ اند۔''

سند شاہی کی عبارت یہ ہے:

''رمضان ۱۶ سن جلوس ۱۰۸۴ھ مکرر بعرض رسید۔''

ان کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے۔

جب فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالم گیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں، اور ایک روپیہ بارہ آنے یومیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ پھر یومیہ وظیفہ کی بجائے ایک سو تیس بیگہ اراضی پرگنہ اوکری میں دے دی، جس کی سند ان کے خاندان میں محفوظ ہے، جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ [2]

۲۶۔ ملا وجیہ الرب:

ملا وجیہ الرب کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ فرمانِ شاہی کی اس عبارت سے جو مولانا محمد شفیع سے تعلق رکھتی ہے، پتا چلتا ہے کہ مولوی معنوی محمد شفیع کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے ان کو بھی وظیفہ ملتا تھا۔

---

[1] شجرۃ الاصل النورانیہ۔
[2] ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ (جنوری ۱۹۴۷)

"بشرط جمع فتاویٰ عالم گیری بمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود۔"

۲۷۔ ملا غلام محمد:

مارچ ۱۹۴۸ء کے "معارف" میں مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ابوظفر ندوی نے ایک خط میں ملا غلام محمد قاضی القضاۃ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بھی مؤلفین فتاویٰ میں سے ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے ایک قلمی کتاب آثار اشرف کا حوالہ دیا تھا، لیکن حافظ مجیب اللہ لکھتے ہیں کہ کوشش کے باوجود وہ کتاب (یعنی آثار اشرف) دست یاب نہیں ہوسکی۔

۲۸۔ علامہ ابوالفرح:

"معارف" (اعظم گڑھ) بابت مارچ ۱۹۴۸ء میں ایک اور بزرگ کا نام بھی فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین کی فہرست میں تحریر کیا گیا ہے، وہ ہیں: علامہ ابوالفرح......! ان کے متعلق حیاتِ جلیل (صفحہ:۱۳۰) کے حوالے سے لکھا ہے:

"امیر میران علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن، جو فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف میں دیگر علمائے عصر کے دست و بازو تھے۔"

مؤلف حیات جلیل نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا، اس لیے قطعی طور سے فتاویٰ کی تدوین میں ان کی شرکت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

فتاویٰ عالم گیری کا فارسی ترجمہ

عبداللہ چلپی:

فتاویٰ عالم گیری، فقہ کی ایک عظیم کتاب ہے، جس کی ترتیب وتدوین کے سلسلے میں اورنگ زیب عالم گیر نے بڑی محنت کی۔ اس کام کی تکمیل کے لیے اس نے اس دور کے جلیل القدر علماء کو منتخب کیا اور حقیقت یہ ہے کہ بے حد کاوش وجاں فشانی سے یہ خدمت انجام دی۔ اورنگ زیب، اس کی اشاعت کے لیے بے حد کوشاں رہا اور چاہتا تھا کہ یہ ذخیرۂ فقہ، صرف عربی زبان تک محدود نہ رہے، بلکہ اس زمانے کے ہندوستان کی اصل زبان...... فارسی...... میں بھی اسے منتقل کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے اس نے مشہور ترکی عالم عبداللہ چلپی کا انتخاب کیا، جو اورنگ زیب کے باپ، شاہ جہان کے عہد حکومت میں فقیروں کے لباس میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ ان کے حالات، مختلف تذکروں میں مرقوم ہیں...... نزہۃ الخواطر میں ان کا تعارف جن الفاظ میں کرایا گیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

علامہ عبداللہ رومی، ''چلپی'' کی نسبت سے معروف تھے اور کبار علماء میں سے تھے۔ انھوں نے اورنگ زیب عالم گیر کے حکم پر فتاویٰ عالم گیری کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ وہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کی مروّجہ اصطلاحات سے پوری طرح واقف تھے۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں ان کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ مغل حکمران شاہ جہان بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں ہندوستان آئے اور فقیروں کی سی ہیئت میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ سعد اللہ خاں وزیر ان سے بہت تعلق رکھتا تھا اور ان کو باقاعدہ وظیفہ دیتا تھا۔ پھر ان کا رابطہ شاہ جہان سے پیدا ہو گیا اور اس نے ان کا یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شاہ جہان کے بعد جب اورنگ زیب عالم گیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے ان کو اپنی نوازشہائے خصوصی اور عنایاتِ خسروانہ کے لیے مختص کر لیا اور

فتاویٰ عالم گیری کے ترجمے پر مامور کیا۔ عبداللہ چلپی، علوم وفنون میں نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ حکمت وتصوف میں ماہر تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ❶

قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی:

فتاویٰ عالم گیری کے دوسرے فارسی مترجم قاضی القضاۃ نجم الدین علی کاکوروی ہیں۔ یہ حمید الدین بن غازی الدین بن محمد غوث کاکوروی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور علما میں ہوتا تھا۔ ۱۵ ربیع الاوّل ۱۱۵۷ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ عرصے تک اپنے باپ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر شیخ عبدالرشید جون پوری (مدفون بہ لکھنؤ) شیخ غلام یحییٰ بن نجم الدین بہاری اور ملاحسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ غالباً فنونِ ریاضیہ علامہ تفضّل حسین کشمیری سے حاصل کیے اور علامہ موصوف نے ان کا وائسرائے ہند سے قرب وتعلق پیدا کیا، جس نے ان کو قاضی القضاۃ مقرر کردیا۔ اس منصب پر وہ پچیس سال فائز رہے اور کبرسنی کی بنا پر اس عہدے سے علیحدہ کردیے گئے اور تین ہزار روپے سالانہ بطورِ پنشن دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ چناں چہ انھوں نے اپنے گھر میں گوشہ گیر ہوجانے کا ارادہ کرلیا اور اس غرض سے کلکتے سے کاکوری کے لیے رختِ سفر باندھا۔ لیکن جب بنارس پہنچے تو وفات پاگئے۔ رحمہ اللہ

حسن اخلاق سے متصف مگر ساتھ ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ رفیع المنزلت، سلیم الطبع، پاکیزہ خصال اور خوش مزاج تھے۔ فقرا وضیوف سے محبت کا برتاؤ کرتے اور اپنے قرابت داروں اور اہل شہر سے بہت اچھی طرح پیش آتے۔

متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں فتاویٰ عالم گیری کی کتاب الجنایات پر فارسی زبان میں ایک بسیط اور مفصل شرح ہے۔ جبر ومقابلہ کے موضوع سے متعلق ''الستۃ الجبریۃ'' اور فارسی میں ''شرح علی الستۃ الجبریۃ'' بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف عنوانات پر کئی کتب ورسائل کے مصنف ہیں۔ عربی زبان میں ان سے بہت سے اشعار بھی منقول ہیں۔

منگل کے روز ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔ ❷

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۵۸۔

❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۷، صفحہ: ۴۹۷۔ (بحوالہ مجمع العلما از منظور الدین کاکوروی)

قاضی نجم الدین کے بارے میں معارف (اعظم گڑھ) میں مندرجہ ذیل سطور لکھی گئی ہیں:

"فتاویٰ عالم گیری کے پہلے فارسی ترجمہ کے وجود کا جو عالم گیر کے زمانے میں کیا گیا تھا، ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ اس کے ایک حصہ "کتاب الجنایات" کا ایک دوسرا فارسی ترجمہ مع مختصر شرح کے موجود ہے، جسے مولانا نجم الدین ثاقب قاضی القضاۃ (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے لارڈ سرجان شور (۱۷۹۳ء۔ ۱۷۹۸ء) کے مشورہ سے کیا تھا۔ ترجمہ کلکتہ اور لکھنؤ کے مطبعوں میں کئی بار چھپ بھی چکا ہے۔ لیکن اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں "ترجمہ فتاویٰ عالم گیری" اور خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں "کتاب الحدود والسرقۃ" کے نام سے مشہور ہیں۔ پٹنہ میں، جو نسخہ ہے، اس کے متعلق فہرست کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس پر کتاب اور مصنف کا نام درج نہیں ہے۔ البتہ اس کی پشت پر کسی نے "کتاب الحدود" لکھ دیا ہے۔ لیکن مقابلہ سے یہ ترجمہ مولانا نجم الدین کے ترجمہ سے حرف بحرف مل جاتا ہے۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہے۔"

کتاب الحدود حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے:

۱: باب اوّل اور بیان تفسیر حد موافق شرح بیان رکن حد و بیان شرط حد و بیان حکم حد ہا۔

۲: باب دوم، در بیان فصل درمیان چگونگی حد ہا و اقامت حد ہا۔

۳: باب سوم، در بیان وطی کہ موجب حد است۔

۴: باب چہارم، در شہادت بزنا و رجوع از آں شہادت۔

۵: باب پنجم، در حد شراب۔

۶: باب ششم، در بیان قذف، فصل در بیان تعزیر۔

کتاب السرقہ کے ابواب کی یہ تفصیل ہے:

۱: باب اوّل، در بیان سرقہ۔

۲: باب دوم، در بیان آن وز دیہا کہ دست بریدہ می شود، دریں، ودر بیان آن وز دیہا کہ دست بریدہ نمی شود، در آن فصل در بیان حرز، فصل در بیان چگونگی دست بریدن و ثابت

گردانیدن آں۔

۳: باب سوم، در بیان چیزے کہ پیدا کند دزد آں چیز را در مالِ وزدی۔

۴: باب چہارم، در بیان حکم قطاع الطریق۔ ❶

اساتذہ:

مناسب ہوگا کہ قاضی نجم الدین کے ان اساتذہ کا تعارف بھی کرادیا جائے، جن کے کچھ حالات معلوم ہوسکے ہیں۔

ان کے اساتذہ کی فہرست میں علامہ عبدالرشید جون پوری کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ منطق و فلسفہ اور اصول وغیرہ علوم میں یگانۂ روزگار تھے اور شیخ نظام الدین بن قطب الدین انصاری سہالوی کے شاگرد تھے۔ ذہین اور شگفتہ مزاج تھے۔ شیخ کمال الدین فتح پوری کی ''العروۃ الوثقیٰ'' پر انھوں نے حاشیہ تحریر کیا۔ شیخ نظام الدین، ان کی ذکاوت و ذہانت کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

علامہ عبدالرشید میں ہجوگوئی کی عادت تھی۔ اسی بنا پر ان کے استاذ (شیخ نظام الدین انصاری) کی زندگی ہی میں لوگوں نے ان کو قتل کردیا۔ شیخ نے ان پر بددعا کی اور اللہ نے ان کو مبتلائے عذاب کیا۔ یہ سب باتیں ''الرسالۃ القطبیہ'' میں مرقوم ہیں۔ کہتے ہیں: علامہ عبدالرشید جون پوری لکھنؤ میں شیخ پیر محمد لکھنوی کے ٹیلے پر رہائش رکھتے تھے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ یہ مردِ صالح، عفیف، متدین، قانع، متوکل علی اللہ تھے اور درس و افادۂ عام میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔ قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی اور بہت سے لوگ، ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔ ❷

قاضی نجم الدین کے ایک اور استاذ علامہ غلام یحییٰ بن نجم الدین باڑھوی بہاری تھے، جو منطق و حکمت کے ماہر علماء میں سے تھے۔ بستی باڑہ میں پیدا ہوئے جو صوبہ بہار میں شامل تھی۔ پھر حصولِ علم کے لیے عام سندیلہ ہوئے اور وہاں کے مدرسہ منصوریہ میں مولانا باب اللہ جون پوری سے کتب درسیہ پڑھیں۔ شیخ بدر عالم ساداموی سے علم طریقت حاصل کیا۔ بعدازاں لکھنؤ میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ تصنیف و تالیف سے بھی لگاؤ تھا۔ رسالہ ''میر زاہد'' پر علمی اعتبار

---

❶ معارف (اعظم گڑھ) بابت ماہ نومبر ۱۹۴۷ء۔ ❷ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۱۵۰۔

سے نہایت دقیق حاشیہ لکھا اور ''لواء الهدیٰ فی اللیل الدجیٰ'' اس کا نام رکھا، جسے حلقۂ علما میں قبولیت کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کو باقاعدہ درس میں داخل کیا گیا۔

علامہ غلام یحییٰ نے خاصی مدت تک لکھنؤ میں مسندِ درس بچھائے رکھی اور لوگوں کی بڑی علمی خدمت کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے اور شیخ مظہر جانِ جاناں سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا اور پانچ سال ان سے وابستہ رہے۔ پھر لکھنؤ چلے گئے اور شیخ محمود قلندر کی مسجد کے قرب میں خانقاہِ شیخ پیر محمد لکھنوی میں قیام پذیر ہوئے۔

ان کی تصنیفات میں سے شرح سلم پر حاشیہ بھی ہے۔ نیز وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مبحث پر ایک رسالہ کلمۃ الحق ہے، جس میں شاہ ولی اللہ دہلوی پر تعقب کیا گیا ہے۔ اور شاہ رفیع الدین دہلوی بن شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب دمغ الباطل میں اس کا رد کیا ہے۔

ان کی وفات ذی القعدہ ۱۱۸۰ھ کو لکھنؤ میں ہوئی اور شیخ پیر محمد کی خانقاہ میں دفن کیے گئے۔

یہ بحرِ زخار میں مرقوم ہے۔ ❶

قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی کے اساتذہ میں سے ملا حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی اور علامہ تفضّل حسین کشمیری کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۶، صفحہ: ۲۱۵، ۲۱۶۔

فتاویٰ عالم گیری کے اُردو مترجم

مولانا سیّد امیر علی ملیح آبادی:

فتاویٰ عالم گیری کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو قبول و تداول کے اعتبار سے اصل عربی کتاب اور اس کے فارسی ترجمے پر فوقیت لے گیا ہے۔ یہ ترجمہ مشہور عالم دین مولانا سیّد امیر علی ملیح آبادی مرحوم کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ شروع میں فاضل مترجم نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو نہایت محققانہ اور عالمانہ ہے۔ یہ مقدمہ بڑی تقطیع کے تقریباً تین سو صفحات پر محیط ہے۔ مولانا مرحوم سے یہ ترجمہ مطبع نول کشور لکھنؤ کے مالک منشی نول کشور نے کرایا اور انہی نے سب سے پہلے شائع کیا۔

مولانا سیّد امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی لکھنوی، متحدہ ہندوستان کے مشہور علماء میں سے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں صوبہ یو پی کے معروف قصبے ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی قصبے میں حاصل کی۔ فارسی کے کچھ رسائل پڑھے اور حساب و اقلیدس، جبر و مقابلہ اور علم مثلث و علم مساحت وغیرہ فنونِ ریاضیہ میں مہارت پیدا کی۔ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو ان علوم سے دلچسپی ختم کر کے علومِ عربیہ کے حصول کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مختصر اور ابتدائی کتابیں سیّد عبداللہ آروی اور مولانا حیدر علی مہاجر سے پڑھیں۔ پھر قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی سے وابستہ ہو گئے۔ ان سے اصول، کلام، منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم کی تحصیل کی۔

ان کی ابتدائی زندگی کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ غربت اور مالی مجبوریوں کی بنا پر سلسلۂ تعلیم منقطع کر کے ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ محکمۂ ڈاک میں ملازم ہوئے اور بہرائچ کے ڈاک خانہ میں تقرر ہوا۔ طبیعت میں نیکی قابل رشک حد تک تھی۔ غالباً ظہر کا وقت تھا کہ مسجد میں نماز کے لیے گئے۔ اس اثنا میں ڈاک خانوں کا افسر اعلیٰ معائنہ کے لیے پہنچ گیا۔ کسی نے مسجد میں جا کر

اطلاع دی، گھبرائے نہیں، اطمینان سے نماز پڑھ کر آئے۔ افسر نے اعتراض کیا تو ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

اس واقعہ سے دل پر یہ اثر ہوا کہ اللہ کے دین پر عمل کی وجہ سے ملازمت بھی چھوڑی مگر حال یہ ہے کہ علوم دین سے کوئی واقفیت نہیں۔ یہاں تک کہ نماز کی دعاؤں کا مطلب بھی نہیں سمجھ پاتا ہوں۔ یہ خیال ذہن میں اس قدر راسخ ہوا کہ علومِ دین کی تحصیل کا مصمم ارادہ کرلیا اور سیدھے مولانا فاروق چریاکوٹی کی خدمت میں پہنچے، جن کے شاگردوں میں مولانا شبلی نعمانی بھی تھے۔ مولانا فاروق کا سلسلۂ درس چوں کہ باقاعدہ نہ تھا، اس لیے چند روز کے بعد دہلی چلے گئے۔ جہاں اس زمانے میں مشہور محدث مولانا سیّد نذیر حسینؒ کا فیض علم جاری تھا۔ ان سے کتب صحاح وسنن کی نہایت غور وتدبر سے تکمیل کی۔ دہلی ہی میں اس مدرسے میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی بھی ان کے ہم درس تھے۔ اس دور کے نامور طبیب حکیم عبدالمجید بن محمود دہلوی کے سامنے حصولِ طب کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ بعدازاں اپنے وطن ملیح آباد کا قصد کیا۔ لکھنؤ میں شادی کی اور پھر وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

لکھنؤ میں ان کا رابطہ منشی نول کشور سے پیدا ہوگیا۔ نول کشور نے تراجم کتب، تحشیہ نویسی اور تصحیح کے لیے اپنے چھاپہ خانے (مطبع نول کشور) میں پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر ان کو مقرر کرلیا۔ منشی نول کشور مولانا کی انتہائی تکریم کرتے تھے۔ ان کو حقہ نوشی کا بہت شوق تھا۔ منشی صاحب ان کے لیے بہترین تمبا کو مہیا کرتے اور ان کے مکان پر حاضر ہوتے۔ کچھ عرصے بعد ان کو دفتر کی حاضری سے مستثنیٰ کردیا گیا اور وہ گھر پر ہی کام کرنے لگے۔

مطبع نول کشور میں کام کے دوران مولانا امیر علی حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ اس کے لیے خود منشی نول کشور نے بھی معقول رقم پیش کی۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مستقل طور پر وہیں قیام کریں گے، مگر ایک تو وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی، اور بیمار پڑ گئے۔ دوسری تکلیف یہ پہنچی کہ بڑے صاحب زادے انتقال کرگئے۔ سفر حجاز کے دوران، حج وزیارتِ بیت اللہ کا شرف بھی حاصل کیا اور جدہ میں مسند تدریس بھی بچھائے رکھی، جس سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔

حجاز سے دوبارہ ہندوستان واپس آگئے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس مقرر ہوگئے۔

اس مدرسہ میں ان کو تقریباً پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ کچھ مدت کے بعد سیّد عبدالحی لکھنوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور ارکانِ ندوہ کی استدعا پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی صدر مدرسی کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ندوہ میں ایک سو پچیس یا ایک سو پچاس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر تھی۔ انھوں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کی صدر مدرسی پر ندوۃ العلماء کو محض اس بنا پر ترجیح دی کہ یہ خدمت دین، کم تنخواہ کے باوجود ان کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ ندوہ میں ان سے جن حضرات نے علمی استفادہ کیا، انھوں نے آگے چل کر علمی دنیا میں بڑی شہرت پائی۔ ان کے زمانۂ ندوہ کے تلامذہ میں نزہتہ الخواطر کے مصنف شہیر سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ مولانا تین سال ندوہ کی صدر مدرسی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

نہایت ذکی، خوش طبیعت، قوی حافظہ، سریع الادراک، عمدہ سیرت، شریف النفس، بلند اخلاق اور ملنسار تھے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، تاریخ و رجال، فلسفہ و حکمت، صرف و نحو اور علومِ ریاضیہ کے ماہر تھے۔ ان کے تراجم و تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں:

(۱) تفسیر مواہب الرحمان: قرآنِ مجید کی یہ تفسیر اُردو زبان میں ہے۔ پہلے تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی اور ہر سپارے کی الگ الگ تفسیر تھی۔ اس کے بعد سپارے ملا کر دس جلدیں بنا دی گئیں۔ نہ صرف اُردو زبان میں وسعت و عمدگی کے اعتبار سے کوئی تفسیر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، دوسری زبانوں میں بھی معلومات کے لحاظ سے اس کی ٹکر کی کم تفسیریں ہوں گی۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تمام بڑی بڑی تفاسیر کے اقتباسات اس میں شامل ہیں۔ فقہی مسائل کی تشریحات بھی دی گئی ہیں اور تصوف کے رموز و نکات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر مولانا کا بہت بڑا تفسیری کارنامہ ہے۔

(۲) مقدمہ سواطع الالہام: فیضی کی مشہور تفسیر ''سواطع الالہام'' عربی زبان میں قرآنِ مجید کی بے نقط تفسیر ہے۔ مولانا نے اس تفسیر کے شروع میں بے نقط الفاظ میں مقدمہ تحریر فرمایا اور اشاعت سے قبل اس تفسیر کی تصحیح بھی کی۔

(۳) ترجمہ و شرح اُردو صحیح بخاری: یہ بھی ان کا ایک عظیم علمی شاہ کار ہے۔ حدیث کی شہرۂ آفاق

کتاب صحیح بخاری کا یہ اُردو ترجمہ مع شرح کے تیس جلدوں کو محتوی ہے۔

(۴) عین الہدایہ: یہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا اُردو ترجمہ اور اس کی شرح ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

(۵) ترجمہ اُردو فتاویٰ عالم گیری: یہ مولانا سیّد امیر علی کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ اس کے شروع میں ان کا ایک مفصل مقدمہ ہے جو بے شمار معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ ترجمہ ان سے منشی نول کشور نے کرایا تھا اور اسی مطبع سے شائع ہوا۔ آج کل اصل عربی کتاب اور اس کے فارسی ترجمے کی نسبت اہل علم میں یہی اُردو ترجمہ زیادہ متداول ہے۔ مقدمے میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ فتاویٰ عالم گیری میں جن کتب فتاویٰ سے مسائل فقہی بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے کون کون سے فتاوے علمی اور فقہی اعتبار سے ناقابل اعتماد ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی وسعت معلومات پر حیرت انگیز تعجب ہوتا ہے۔ موجودہ دور کا کوئی عالم اس باب میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۶) تقریب التہذیب پر تفصیلی حاشیہ: تقریب التہذیب، رجال و تاریخ کے موضوع پر حافظ ابن حجر کی معروف تصنیف ہے۔

(۷) المستدرک فی الرجال: اس میں صحاح اور سنن کے راوی جمع کیے گئے ہیں۔

(۸) تکملة التقریب المسماة بالتصقیب۔

ان کے علاوہ ان کے اور بھی متعدد مکمل اور نامکمل صورت میں مسودات و تصنیفات موجود ہیں۔

مولانا سیّد امیر علی نے رجب ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ [۱] مسلکا اہل حدیث تھے۔

اساتذہ:

مولانا سیّد امیر علی کے اساتذہ میں صاحب نزہۃ الخواطر سیّد عبدالحی حسینی لکھنوی نے پانچ علمائے کرام نام لیے ہیں۔ وہ ہیں حضرت شیخ الکل مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا سیّد عبداللہ آروی، مولانا حیدر علی مہاجر، قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی اور حکیم عبدالمجید دہلوی۔ ذیل

---

[۱] نزہۃ الخواطر، جلد: ۸، صفحہ: ۷۵، ۷۶، ۷۷۔ اور علمی اجالے، صفحہ: ۶۲ تا ۶۷۔ مؤلفہ: امیر حسن نورانی۔ استاذ ادبیات اسلامیہ کالج، لکھنؤ۔ راجہ رام بک ڈپو، وارث نول کشور بک ڈپو، لکھنؤ، مطبوعہ ۱۹۵۹ء۔

میں ان حضرات کے مختصر حالات بیان کیے جاتے ہیں۔

مولانا سیّد نذیر حسین، ہندوستان کے بہت بڑے عالم دین، بے حد متقی، عظیم القدر محدث، نامور مجاہد، بدرجہ غایت حلیم الطبع، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ احادیث رسول اکرم ﷺ اور باقی علوم میں ان کی جلالت قدر مسلمہ ہے۔ ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں صوبہ بہار کے موضع سورج گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں سیّد احمد شہید بریلوی، مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی سے ملاقات کی۔ یہ ۱۲۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ پھر حصولِ علم کے لیے الہٰ آباد گئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام فرمایا اور اس شہر کے اصحابِ علم سے مختصرات پڑھیں۔ وہاں سے عازم دہلی ہوئے اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے، ۱۲۴۳ھ میں وارِدِ دہلی ہوئے۔ دہلی میں کتب درسیہ سیّد عبدالخالق دہلوی، شیخ شیر محمد قندھاری اور علاّمہ جلال الدین ہروی سے پڑھیں۔ علومِ اصول و بلاغت اور تفسیر شیخ کرامت علی اسرائیلی (مصنف سیرت احمدیہ) سے حاصل کیے۔ ہیئت اور حساب کے لیے شیخ محمد بخش سے رجوع کیا۔ ادب کی تعلیم شیخ عبدالقادر رام پوری سے حاصل کی۔ ان تمام علوم کے حصول سے پانچ سال میں فارغ ہوئے۔ اپنے استاذ سیّد عبدالخالق دہلوی کی صاحب زادی سے شادی کی اور حضرت علامہ شاہ محمد اسحٰق فاروقی دہلوی کے حلقہ درس سے وابستہ ہو گئے، جو حضرت شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ محمد اسحٰق سے ۱۲۵۸ھ میں سند اجازہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے مکہ مکرمہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ بعد ازاں اپنے اس عظیم الشان استاذ کی جگہ مسند تدریس و تذکیر اور منصب افتا پر فائز ہوئے۔

ہندوستان کے اس رفیع المرتبت عالم اور جلیل القدر محدث کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع ہے۔ پورا عالم اسلامی ان سے مستفیض ہوا اور اپنے دور کے بے شمار عظیم المنزلت حضرات نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کا شرف حاصل کیا، جن کے ذکر کی ان سطور میں گنجائش نہیں۔

ان کے حالات میں الحیات بعد الممات کے نام سے ایک مستقل تصنیف ہے۔ ان کے ایک رفیع القدر تلمیذ حضرت مولانا شمس الحق ڈھیانوی نے ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود میں ان کے حالات بیان کیے ہیں، ایک اور شہرۂ آفاق شاگرد حضرت [illegible] عبدالرحمٰن مبار[illegible]

شارح جامع ترمذی نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں نہایت عقیدت و احترام سے ان کے اور ان کے تلامذہ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی معروف تصنیف سرگزشت مجاہدین میں بھی بہترین انداز سے ان کا ذکر کیا ہے۔

مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی، بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات نہایت عالمانہ او محققانہ ہیں، جن میں فتاویٰ نذیریہ اور معیار الحق خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مسلکاً اہل حدیث تھے، لیکن ان کے حلقۂ درس سے ہر فقہی مسلک کے مشاہیر علمائے کرام نے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔

عرب عجم کے اس فقید المثال عالم دین، عدیم النظیر محدث اور عظیم اور بے بدل فقیہ نے سوموار کے دن، رجب المرجب ۱۳۲۰ھ کو سو سال یا ایک سو پانچ سال عمر پا کر دہلی میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ

مولانا امیر علی کے ایک استاذ حکیم عبدالمجید بن محمود بن صادق بن شریف شریفی دہلوی ہیں، جن سے انھوں نے علم طب حاصل کیا۔

حکیم عبدالمجید ہندوستان کے مشہور طبیب تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا محمد علی چاند پوری اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھی۔ علم طب اپنے والد گرامی قدر حکیم محمود سے پڑھا۔ کچھ طبی کتابیں اپنے چچازاد غلام رضا خاں سے پڑھیں۔ پھر تدریس میں مشغول ہو گئے اور اپنے والد کی زندگی میں ہی اطبائے ہند میں شہرت وفضیلت کے بامِ عروج پر پہنچ گئے۔ ۱۳۰۷ھ میں دہلی میں مدرسہ طبیہ کی تاسیس کی۔ حکومت انگریزی نے ان کو ''حاذق الملک'' کا خطاب دیا۔

ذہین، قوی حافظہ اور ذکی تھے۔ علم طب اور علاج معالجے میں ان کو مہارت حاصل تھی۔ درس وتدریس میں ماہر کامل تھے۔ تالیفاتِ متقدمین سے بہت باخبر تھے۔

۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۹ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ [1]

مولانا سیّد امیر علی کے اساتذہ کی فہرست میں مولانا قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی کا اسم

---

[1] نزہۃ الخواطر، جلد: ۸، صفحہ: ۳۱۰۔

گرامی بھی شامل ہے۔

قاضی بشیر الدین ۱۲۳۴ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے اور بریلی میں پرورش پائی۔ قرآنِ مجید، بریلی کی جامع مسجد کے امام حافظ احمد علی سے پڑھا۔ صرف ونحو اور منطق کے کچھ رسائل مولانا تفضّل حسین بریلوی سے پڑھے۔ عروض، بیان، بدیع، حساب، فرائض اور فقہ کی بعض کتابیں اپنے والد گرامی قدر مولانا کریم الدین عثمانی قنوجی سے پڑھیں۔ پھر مختلف علوم کی اونچی کتابوں کے لیے مولانا محمد حسن بریلوی، مفتی شرف الدین کے بھانجے مولانا محمد علی، شیخ ہداد رام پوری، مولانا اوحد الدین بلگرامی، مولانا قدرت اللہ لکھنوی اور شیخ رحیم الدین بخاری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور بائیس سال کی عمر میں، فارغ التحصیل ہوگئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف اوقات میں ٹونک، مراد آباد، دہلی، علی گڑھ اور کانپور میں درس وتدریس کے ذریعے تشنگانِ علوم کی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں بھوپال کی مسند قضا پر فائز ہوئے۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں صاحب عون المعبود مولانا شمس الحق ڈھانوی، سیّد امیر علی ملیح آبادی، سیّد امیر حسن سہوانی، مولانا وحید الدین لکھنوی، مولانا علیم الدین شاہ جہان پوری اور سیّد امداد علی اکبر آبادی شامل ہیں۔ ❶ ان کے علاوہ قاضی احتشام الدین مراد آبادی اور مولانا تلطف حسین دہلوی بھی ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ❷

قاضی بشیر الدین قنوجی متعدد کتابوں کے محشی اور مصنف ہیں۔ شرح سلم (حمد اللہ) پر حاشیہ، میر زاہد شرح المواقف پر حاشیہ، صرف ونحو کی بعض درسی کتابوں کے مشکل مقامات کا حل، موطا کے بعض حصوں کی شرح، تخریج احادیث شرح العقائد، کشف المبہم شرح علی مسلم الثبوت، تفہیم المسائل، صواعق الالہیہ، غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام، احسن المقال فی شرح حدیث لاتشد الرجال، بصارۃ العینین فی منع تقبیل الابہامین، ان کی تصنیفات وحواشی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی رسائل تصنیف فرمائے۔

ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ کو بھوپال میں وفات پائی۔ ❸

---

❶ نزہۃ الخواطر، جلد: ۷، صفحہ: ۱۰۰۔ ❷ ایضاً، جلد: ۸، صفحہ: ۱۴، ۹۸۔

❸ نزہۃ الخواطر، جلد: ۷، صفحہ: ۱۰۱ (بحوالہ تذکرۃ النبلاء)

مندرجات و مشمولات:

فتاویٰ عالم گیری، ایک مبسوط اور مفصل کتاب ہے، جو عبادات و معاملات سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں مختلف فقہی کتابوں کے حوالوں سے بے شمار امور کی وضاحت کی گئی ہے اور ساتھ ہی تعبیر مسائل میں آئمہ فقہ حنفیہ کے اختلافات بھی صراحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ کی فقہی اہمیت کے پیش نظر جی چاہتا ہے، اس کے مندرجات و مشمولات کے بعض گوشوں کی تفصیلات سے لائق اکرام قارئین کو باخبر کیا جائے مگر تنگ و دامانی صفحات اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تاہم سطورِ ذیل میں چند چیزیں فتاویٰ کی اصل عربی عبارت کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

منصب قضا پر امیر آدمی کو فائز کیا جائے:

فتاویٰ عالم گیری کے فاضل مرتبین نے ''کتاب ادب القاضی'' میں قاضی کے آداب، اقسامِ قضاۃ، قاضی کی شخصیت اور اس منصب رفیع کی اہمیت کے بارے میں بے شمار چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ منصب قضا پر کسی امیر اور صاحب ثروت کو فائز کرنا چاہیے۔ محیط سرخسی کے حوالے سے الفاظ یہ ہیں:

قالوا يستحب للامام ان يقلد القضاء من له ثروة وغنية لكيلا يطمع في اموال الناس . ❶

''مشائخ کا کہنا ہے کہ امیر مملکت کو چاہیے، وہ کسی غنی اور مال دار شخص کو قاضی مقرر کرے تاکہ وہ لوگوں کے مال کو حرص و طمع کی نظر سے نہ دیکھے۔''

اگر قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے:

والقاضي اذا ارتشى وحكم لا ينفذ قضاءه فيما ارتشى ونفذ فيما لم يرتش . ❷

---

❶ فتاویٰ عالم گیری (عربی) جلد ثالث، صفحہ: ۱۴۲۔ مطبع مجیدی کانپور۔ شائع کردہ حاجی محمد سعید تاجر کتب، خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵ کلکتہ۔ نیز دیکھیے: فتاویٰ عالم گیری کا اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۰۹، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (مطبوعہ ۱۹۳۲ء)

❷ ایضاً، صفحہ: ۱۴۳۔ اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۱۲۔

”قاضی نے جو فیصلہ رشوت لے کر کیا، اس میں اس کی قضا نافذ نہ ہوگی، لیکن جس مقدمے میں رشوت نہیں لی، اس میں قضاءِ قاضی نافذ ہوگی۔“

اگر قاضی کے بیٹے یا محرر یا پیادے نے رشوت لی:

اس سلسلے میں خزانۃ المفتین کے حوالے سے مرقوم ہے:

وان ارتشی ولد القاضی او کاتبه او بعض اعوانه، فان کان بامره ورضاه فهو سوء لوارتشی القاضی سواء، ویکون قضاء ه مردود، وان کان بغیر علم القاضی نفذ قضاء ه، وکان علی المرتشی ردّ ما قبض منه. ❶

”اگر قاضی کے لڑکے یا محرر یا پیادے وغیرہ نے رشوت لی، اگر قاضی کے حکم یا اس کی رضامندی سے لی تو ان کا اور خود قاضی کا رشوت لینا برابر ہے اور اس کا فیصلہ مردود ہوگا اور اگر قاضی کو رشوت لینے کا علم نہیں ہے، اس صورت میں قضا تو نافذ ہوجائے گی البتہ رشوت لینے والے پر اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔“

ضروری کاغذات قاضی کے پاس رہنے چاہئیں:

عدالت میں قاضی کون کون سی چیزیں اور کس قسم کے کاغذات اپنے پاس رکھے اور اس کی نظر کتنی وسیع ہونی چاہیے۔ اس کے بارے میں محیط سرخسی کے حوالے سے فتاویٰ عالم گیری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ویضع القمطر الی جانبه عن یمینه، لان فیه السجلات والمحاضر والصلوك، فیجب ان یکون معدا بین یدیه ویجلس کاتبه فی ناحیة عنه، حیث یراه حتی لایخدع بالرشوة، فیزید فی الفاظ الشهادة او ینقص. ❷

”قاضی کو چاہیے کہ جزدان اپنی داہنی جانب رکھے، اس لیے کہ اس میں رجسٹر، محضر اور فائلیں وغیرہ رکھی ہوتی ہیں۔ پھر قاضی کا کاتب یا محرر اس سے ہٹ کر اس انداز سے بیٹھے کہ قاضی اس کو دیکھتا رہے تاکہ وہ رشوت لے کر الفاظِ شہادت میں کمی بیشی نہ کرسکے۔“

---

❶ ایضاً۔ ❷ فتاویٰ عالم گیری (عربی)، جلد:۳، صفحہ:۱۴۷۔ نیز اُردو ترجمہ، جلد:۵، صفحہ:۱۲۳۔

کیا مسجد میں یا گھر میں قاضی دربان رکھ سکتا ہے؟

فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے مرتبین فتاویٰ عالم گیری لکھتے ہیں کہ قاضی مسجد میں یا گھر میں بیٹھے تو بواب (دربان) رکھ سکتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

فاذا جلس القاضی فی المسجد او فی داره یأخذ بوابا، یمنع الخصوم من الازدحام ولا یباح للبواب ان یاخذ شیئا، لیاذن بالدخول . ❶

”اگر قاضی مسجد یا گھر میں بیٹھے تو دربان مقرر کرے تاکہ وہ خصوم کو ازدحام اور ہجوم کرنے سے روکے اور دربان کو اجازت نہیں کہ وہ ان سے کچھ لے کر ان کو قاضی کے پاس اندر جانے کی اجازت دے۔“

عدالت میں قاضی کے سامنے اس کا معاون ہونا چاہیے:

قاضی مسند عدالت پر بیٹھا ہو تو ایک ایسا آدمی اس کے سامنے ہونا چاہیے جو مختلف امور میں اس کی اعانت کرے، اور لوگوں کو آگے نہ آنے دے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

واذا جلس القاضی لفصل الخصومات ینبغی ان یقوم بین یدیه رجل یمنع الناس عن المتقدم بین یدیه فی غیر وقتهم ویمنعهم عن اساءة الادب ویقال له صاحب المجلس وله اسامی الشرطی والعریف والجلواز وینبغی ان یکون معه سوط الادب وینبغی ان یکون امینا، وینبغی ان لا یکون طماعا حتی لا یرتشی فلا یمیل الی بعض الخصوم ولا یترك تادیبه، اذا اساء الادب، واذا جلس الخصمان بین یدی القاضی ورأی القاضی ان یأمر صاحب المجلس لیقوم ببعد منه حتی لا یعرف ما یدور بین الخصمین وبین القاضی فلا یعلم به احد الخصمین ولا یلقنه شیئا فعل ذلك، وان كان مامونا، وتركه بقرب منه فلا بأس۔ والحاصل ان القاضی یعمل ما فیه النظر، والاحتیاط فی امور الناس، ولا ینبغی لهذا الرجل ان یسار احد الخصمین . ❷

---

❶ ایضاً۔ ❷ فتاویٰ عالم گیری (عربی) ایضاً، اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۲۴۔

'' قاضی جب مقدمات کے فیصلے کے لیے مسند عدالت پر بیٹھے تو اس کے سامنے ایک ایسا آدمی کھڑا ہونا چاہیے جو لوگوں کو بے وقت آگے بڑھنے سے اور سوئے ادب سے روکے۔ ایسے شخص کو صاحب المجلس کہتے ہیں۔ اس کو شرطی (پولیس مین) عریف اور جلواز بھی کہتے ہیں۔ اس کے پاس سوط ادب (ادب کا کوڑا) بھی ہونا چاہیے۔ یہ شخص امین ہو، لالچی اور طماع نہ ہو کہ رشوت لے کر کسی فریق کی جانب داری کرے اور سوئے ادب کے وقت اس کی تادیب نہ کرے۔ جب دونوں فریق قاضی کے سامنے بیٹھیں اور قاضی یہ مصلحت محسوس کرے کہ صاحب المجلس اس سے کچھ دور فاصلے پر چلا جائے تاکہ اس کو معلوم نہ ہو سکے کہ فریقین مقدمہ اور قاضی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے کہ ایک فریق کو اس سے باخبر نہ کر دے اور کسی کو کچھ سکھا سمجھا نہ دے، تو قاضی کو ایسا کرنا چاہیے۔ اگرچہ صاحب المجلس امین اور قابل اعتماد ہی ہو اور اس کے قریب رہنے سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ قاضی کو وہ تمام کام کرنے چاہئیں اور انھیں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے، جن میں لوگوں کی بھلائی اور احتیاط پنہاں ہو۔ اور صاحب المجلس کو چاہیے کہ مقدمے کے کسی فریق سے خفیہ طور پر باتیں نہ کرے۔''

کیا قاضی فریقین کو سلام کر سکتا ہے یا وہ اس کو سلام کر سکتے ہیں؟

فتاویٰ عالم گیری میں، اس مسئلے کو بھی موضوع کلام ٹھہرایا گیا ہے کہ فریقین قاضی کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں یا قاضی ان کو سلام کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اس باب میں یہ موضوع بھی ضمناً زیر بحث آ گیا ہے کہ امیر مملکت یا والی کو سلام کرنا یا ان کا لوگوں کو سلام کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں ان کے ذاتی وقار و حشمت اور ہیبت و دبدبہ کو ملحوظ و برقرار رکھنے کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ فتاویٰ میں اس سلسلے میں مختلف کتب فقہ کے حوالے سے مختلف فقہا کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، جن میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے ایک دوسرے کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی ہے کہ سلام کرنے اور سلام قبول کرنے سے رعب و دبدبہ کم ہو جاتا ہے اور اس سے فریقین پر غلط اثرات مترتب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امیر مملکت یا والی کو، نہ سلام کرنے میں کوئی حرج ہے نہ سلام کا جواب دینے میں کوئی قباحت ہے۔

البتہ قاضی کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیوں کہ قاضی کی حیثیت امیر اور والی سے مختلف ہے۔

اذا دخل القاضی المسجد فلا بأس بان یسلم علی الخصوم یرید به تسلیما عاما، ثم اختلف المشائخ فیه، منهم من قال ان سلم علیهم فلا بأس به، وان ترك وسعه لتبقی الهیبة ویکثر الحشمة ولهذا جری الرسم ان الولاة والامراء اذا دخلوا لا یسلمون، ومنهم من قال علیه ان یسلم، ولا یسعه الترك، وهکذا الوالی والامیر اذا دخلا علیهما ان یسلما ولا یسعهما الترك، هذا هو الکلام فی وقت الدخول۔ فاما اذا جلس فی ناحیة من المسجد، للفصل والحکم لا یسلم علی الخصوم ولا یسلمون علیه، وعن هذا قال بعض مشائخنا من هذا جری الرسم ان الناس متی دخلوا علی الولاة والامراء لا یسلمون علیهم وهم لا یسلمون علی الناس، لان القاضی متی جلس للحکم لا یسلم ولا یسلمون علیه، والوالی والامیر اولیٰ، ولیس الامر کما ظنوا۔ والصحیح ان الناس یسلمون علیهم وهم یسلمون علی الناس، بخلاف القاضی۔ والفرق ان الوالی والامیر انما جلسا للزیارة لا للفصل والحکم، والسلام تحیة الزائرین، فاما القاضی فانما جلس للفصل والحکم لا للزیارة، فلا یسلمون علیه، وان سلموا مع هذا فی مجلس الحکم فلا بأس بان یرد علیهم السلام، وهذا اشارة الی انه لا یجب علیه ردّ السلام، بل تخییر، ان شاء ردّ، وان شاء لم یرد، کذا فی ادب القاضی للخصاف. [1]

"قاضی مسجد میں آئے تو خصوم کو اس اسلوب سے سلام کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ اس کا ارادہ سلام عام کا ہو۔ پھر مشائخ فقہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سلام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور نہ کرنے میں بھی۔ تا کہ اس کی ہیبت باقی رہے اور حشمت وعزت میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ولات وامرا میں یہ رسم چلی آرہی ہے کہ

[1] ایضاً، عربی۔ اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۲۳۔

وہ آتے ہیں تو سلام نہیں کرتے۔ اس کے برعکس بعض کا کہنا ہے کہ قاضی آئے تو اس کا فرض ہے کہ سلام کرے۔ ترکِ سلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح والی اور امیر آئیں تو ان کا بھی فرض ہے کہ سلام کریں۔ ترکِ سلام کی ان کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر قاضی مقدمات کے فیصلے کی غرض سے مسجد میں بیٹھ گیا ہو تو خصوم پر سلام نہ کرے اور نہ لوگ قاضی کو سلام کریں۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ اسی سے یہ رسم جاری ہوئی ہے کہ لوگ ولات اور امرا کے پاس جاتے ہیں تو سلام نہیں کرتے اور نہ وہ لوگوں کو سلام کرتے ہیں۔ کیوں کہ جب قاضی کے بارے میں یہ حکم ہے تو والی اور امیر کے بارے میں تو بالاولیٰ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ لوگ امرا و ولات کو سلام کریں اور وہ ان کو سلام کریں۔ بخلاف قاضی کے، ان دونوں میں یعنی قاضی اور والی و امیر میں فرق یہ ہے کہ والی و امیر تو بیٹھتے ہی ملاقات کے لیے ہیں۔ فصل خصومات کے لیے نہیں بیٹھتے۔ سلام ملاقات کرنے والوں کا تحفہ ہے (جسے قبول کرنا چاہیے) اور قاضی فصل وحکم کے لیے بیٹھا ہے نہ کہ ملاقات کے لیے، لہٰذا اس کو سلام نہ کریں۔ بایں ہمہ اگر لوگ اس کو سلام کریں تو جواب میں دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس نکتے میں اشارہ یہ ہے کہ قاضی پر جوابِ سلام واجب نہیں۔ بلکہ مذہب مختار یہ ہے کہ جی چاہے تو جواب دے، نہ چاہے تو نہ دے۔ خصاف کی ادب القاضی میں اسی طرح مرقوم ہے۔"

قاضی کے لیے ضروری ہدایات:

منصب قضا نہایت نازک شئے ہے۔ قاضی کو انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں فتاویٰ عالم گیری میں بڑی بڑی اور مشہور کتابوں کے حوالے سے بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ ان میں چند باتیں یہ ہیں:

"وینبغی للقاضی اذا تقدم الیه الخصمان ان یسوی بینهما فی المجلس ویجلسهما بین یدیه ." ❶

"قاضی کی عدالت میں مقدمے کے دونوں فریق پیش ہوں تو بٹھانے میں ان سے

---

❶ ایضاً۔

مساوی سلوک کرے اور اپنے سامنے بٹھائے۔"

" ویسوی بینهما فی النظر والکلام ولا یسار احدهما، ولا یشیر الیه بیده ولا برأسه ولا بحاجبه، ولا یضحك فی وجه احدهما۔" ❶

" دونوں کے درمیان دیکھنے اور بات کرنے میں مساوات ملحوظ رکھے اور کسی ایک سے خفیہ بات نہ کرے۔ نہ ہاتھ، سر اور ابرو سے اشارہ کرے، نہ کسی ایک طرف منہ کرکے ہنسے۔" ❷

" ویجتنب المزاح مطلقا معهما اومع احدهما اومع غیرهما فی مجلس الحکم ولا یکثر فی غیره، لانه یذهب بالمهابة۔" ❸

" اور (قاضی) مجلس عدالت میں مزاح سے مطلقاً پرہیز کرے۔ خواہ یہ مقدمے کے دونوں فریقوں کے ساتھ ہو یا ایک کے ساتھ ہو یا ان کے سوا کسی اور کے ساتھ ہو۔ مجلس عدالت کے علاوہ بھی کسی سے زیادہ مزاح نہ کرے، کیوں کہ اس سے اس کی ہیبت اور رعب باقی نہیں رہتے۔"

" وکذلك لا ینبغي له ان یطلق بوجهه الی احدهما فی شئ من المنطق ما لا یفعل بالآخر مثله۔" ❹

" اسی طرح قاضی کو کھل کر ایک فریق سے کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے، جو دوسرے سے نہیں کہی ہے۔"

النہایہ، البدائع، مختصر خواہر زادہ، فتاویٰ تاتارخانیہ، محیط سرخسی اور خزانۃ المفتین وغیرہ کے حوالے سے مزید مرقوم ہے:

" ولا یضیف احد الخصمین الا ان یکون خصمه معه، ولا یکلم احدهما بلسان لا یعرفه الآخر، ولا یخلوا باحد الخصمین فی منزله ولا ینبغي للقاضی ان یفعل ما یؤدی الی التهمة، ویکره ان یلوی عنقه علی احد الخصمین ...... ویکره ان یأذن لاحد الخصمین بان یدخل فی منزله ومن لم تکن له خصومة، فلا بأس بان یأذن له

---

❶ ایضاً۔ ❷ ایضاً، اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۲۵۔ ❸ ایضاً۔ ❹ ایضاً۔

القاضي بالدخول عليه السلام او لحاجة تعرض۔“ [1]

”مقدمے کے فریقین میں سے (قاضی) ایک فریق کی مہمان نوازی نہ کرے، البتہ دوسرا فریق بھی ساتھ ہو تو کرسکتا ہے۔ کسی ایک فریق سے ایسی زبان میں بات نہ کرے جسے دوسرا فریق نہ سمجھ پاتا ہو۔ اپنے گھر میں دونوں فریقوں میں سے ایک کے ساتھ علیحدگی میں نہ جائے۔ قاضی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے، جس کی وجہ سے اس کو متہم کیا جاسکتا ہو۔ فریقین میں سے کسی ایک کی طرف گردن نہ موڑے...... کسی فریق مقدمہ کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینا مکروہ ہے۔ البتہ جس کا کوئی جھگڑا اس کی عدالت میں نہیں ہے، محض سلام کرنا یا کسی دوسری ضرورت کا اظہار مقصود ہے تو وہ آسکتا ہے۔“

تبیین کے حوالے سے مرتبین فتاویٰ عالم گیری فرماتے ہیں:

” ولا يقعد احدهما من جانب اليمين والاٰخر من جانب اليسار لان جانب اليمين افضل فيكون تقديماله على صاحبه، يفعل ذلك بين الكبير والصغير، حتى يجب عليه ان يستوى فيه بين الاب والابن وبين الخليفة والرعية وبين الذمى والشريف۔“ [2]

”قاضی، فریقین میں سے ایک کو دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب نہ بٹھائے۔ اس لیے کہ دائیں جانب کو افضلیت حاصل ہے اور اس کو دوسرے فریق پر مقدم سمجھا جائے گا۔ بڑے چھوٹے کے درمیان اسی قسم کا برتاؤ کرے، یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کے درمیان، خلیفہ اور رعیت کے درمیان، ذمی اور شریف کے درمیان، مساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔“

ساتھ ہی مرقوم ہے:

” وينبغي ان يكون جلوسهما بين يدى القاضي على قدر ذراعين او نحو ذلك، بحيث يسمع كلامهما، من غير ان يرفع اصواتهما۔“ [3]

”فریقین کی نشست قاضی کے آگے دو ہاتھ کے فاصلے پر یا اس کے لگ بھگ اس طریق سے ہونی چاہیے کہ وہ ان کی آواز، ان کے اونچی بولے بغیر سن سکے۔“

---

[1] ایضاً۔ عربی، صفحہ: ۱۴۸۔ اُردو ترجمہ، صفحہ: ۱۲۵۔ [2] ایضاً، عربی، صفحہ: ۱۴۸۔ اُردو ترجمہ، صفحہ: ۱۲۵۔ [3] ایضاً۔

"قال محمد فی الاصل لا ینبغي له ان یبیع ویشتری فی مجلس القضاء لنفسه ...... ولو باع واشتری لنفسه فی غیر مجلس القضاء فلا بأس به ...... والصحیح أنه لا یفعل لافی مجلس القضاء ولا فی غیره، لان الناس یساهلونه لاجل القضاء وینبغي ان یولی لذلك غیره ممن یثق به ولا ینبغي له ان یستقرض الامن صدیق او خلیط له کان قبل ان یستقضی ...... ویشیع الجنازة ویعود المریض ولکن لا یطیل مکثه فی ذلك المجلس، ولا یمکن احدا من الخصوم یتکلم معه، فی ذلك المجلس بشئ من الخصومات وفی السغنانی وانما یعود المریض اذا لم یکن المریض من المتخاصمین، اما اذا کان منهم فلا ینبغي ان یعود۔" ❶

''قاضی کو اپنے لیے مجلس قضا میں خرید وفروخت نہ کرنا چاہیے ...... اگر غیر مجلس قضا میں اپنے لیے خرید وفروخت کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نہ وہ مجلس قضا میں خرید وفروخت کرے نہ غیر مجلس قضا میں۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو قضا کے بارے میں متساہل اور سبک قرار دیں گے۔ اسے چاہیے کہ اس کام کے لیے کسی دوسرے ثقہ آدمی کو مقرر کرے۔ قاضی کو قرض بھی نہیں لینا چاہیے، البتہ اپنے کسی دوست یا ایسے شخص سے لے سکتا ہے، جو منصب قضا قبول کرنے سے پہلے اس کا شریک رہا ہو ...... قاضی جنازے کے ساتھ جا سکتا ہے اور مریض کی عیادت کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مجلس میں زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور مقدمے کے فریقوں میں سے کسی کو اس مجلس میں اپنے ساتھ مقدمے کے بارے میں گفتگو کا موقع نہ دے۔ سغنانی میں ہے کہ وہ صرف ایسے مریض کی عیادت کر سکتا ہے جو مخاصم اور فریق مقدمہ نہ ہو۔ اگر مریض مدعی یا مدعا علیہ ہو تو اس کی عیادت نہیں کرنی چاہیے۔''

فتاویٰ عالم گیری کی ''کتاب ادب القاضی'' اس طرح کے بے شمار مسائل پر محیط ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قاضی کو کسی کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ

---

❶ فتاویٰ عالم گیری، جلد: ۳، کتاب ادب القاضی، الباب الثامن، صفحہ: ۱۵۰۔ اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۳۱۔

دعوتِ ولیمہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اس کو دعوت پر بلاتا ہے، جو منصب قضا پر فائز ہونے سے پہلے نہیں بلاتا تھا، تو اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ یا کوئی شخص اس کو قاضی مقرر ہونے سے پہلے مہینے میں ایک بار بلاتا تھا، قاضی مقرر ہونے کے بعد مہینے میں دو بار یا ہفتے میں ایک بار بلاتا ہے تو اس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ یا ایسا شخص دعوتِ طعام دیتا ہے، جس کا مقدمہ اس کی عدالت میں زیر سماعت ہے، اس کی دعوت پر بھی نہیں جانا چاہیے۔ اسی طرح کسی کا تحفہ قبول کرنے میں بھی قاضی کو گریز کرنا چاہیے۔ یہ سب چیزیں رشوت کے حکم میں آتی ہیں اور رشوت متعدد اقسام میں منقسم ہے۔ لہٰذا قاضی کو اس سے محفوظ رہنا نہایت ضروری ہے۔ [1]

ہم نے فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالم گیری) کا تعارف بھی کرا دیا ہے، اس کے ان مرتبین کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جو ہمارے علم میں آئے، فتاویٰ کے بعض مشمولات و مندرجات کی نشان دہی بھی کر دی ہے اور یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر ہندوستان میں اسی فتاوے کی روشنی میں حکومت کا سلسلہ چلانے کا خواہاں تھا۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے اور واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ نہیں چلا سکا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ فتاویٰ فقہ کی عام کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے۔ اس کو اہمیت صرف اس لیے حاصل ہوئی (وہ بھی محدود حلقے میں) کہ یہ ایک بادشاہ کی ذاتی کوشش سے مرتب ہوا اور بہت سے علماء نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مرتبین نے فقہِ حنفی کی کتابیں جمع کیں اور مختلف مسائل کو موضوع وار تفصیل سے بیان کر دیا۔ فتاویٰ کی ترتیب کا یہ ایک ادارہ تھا جو بادشاہ نے شیخ نظام برہان پوری کی سربراہی میں قائم کیا۔ موجودہ اصطلاح میں یوں سمجھیے کہ شیخ نظام برہان پوری کو اس ادارے کا چیرمین مقرر کیا گیا تھا اور علمائے کا ایک بورڈ بنا کر انھیں اس کام میں مصروف کر دیا گیا تھا۔ مختلف ملکوں کے حکمران اس قسم کے ادارے عام طور سے قائم کرتے ہی رہتے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں بھی قائم ہیں۔

فتاوے کے بعض فقہی مسائل سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور اتفاق بھی۔ اگر اس کے مطابق اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آ سکتا تو خود اورنگ زیب عالم گیر نے اسے ملک میں نافذ

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: فتاویٰ عالم گیری، (عربی، جلد: ۳، صفحہ: ۱۵۱۔ کتاب ادب القاضی۔ اُردو ترجمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۱۴۴،۱۴۳)

کیوں نہیں کیا؟ اصل بات یہ ہے کہ اس میں اسلامی آئین کے سلسلے کی کوئی اہم چیز نہیں ہے۔ یہ صرف فقہ حنفی کے مسائل کا مجموعہ ہے۔

میں نے اس کا عربی میں بھی مطالعہ کیا اور فارسی اور اردو ترجمے کا بھی۔ اس کا تحقیقی حصہ صرف اس کے اُردو مترجم مولانا سیّد امیر علی ملیح آبادی مرحوم و مغفور کا مقدمہ ہے جو تین سو صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ اسے پڑھ کر پتا چلتا ہے کہ مقدمہ نگار کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علمی ذخیرہ عطا فرمایا ہے اور ان کا قلم بہت سیال تھا۔ انھوں نے اس کی کتب حوالہ سے متعلق بھی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ کس فقہی کتاب کی کیا حیثیت ہے۔ بعض کتابیں تحقیقی اعتبار سے بہت کمزور بلکہ ناقابل اعتماد ہیں۔

بہر حال ہم نے اس فتاوے کا بہت حد تک تعارف کرا دیا ہے۔ اس کے متعلق موجودہ دور کے کسی شخص نے اتنی تفصیل سے نہیں لکھا ہوگا۔ اس قسم کا خشک کام کرنا بہت مشکل ہے جو اس فقیر نے کیا ہے۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب و تالیف میں اس دور کے بہت سے اہل علم نے حصہ لیا ہوگا۔ مگر ان کی صحیح تعداد کا کہیں ذکر تک نہیں کیا گیا۔ بعض حضرات نے اپنی تحقیق کے مطابق مرتبین کی فہرست میں سے چار کے نام لکھے ہیں، بعض نے پانچ یا چھ کے۔ اور بتایا ہے کہ اس سے زیادہ کا انھیں پتا نہیں چل سکا۔ لیکن مختلف رسائل و کتبْ کی ورق گردانی سے اس فقیر کو اٹھائیس مرتبین کا پتا چلا، جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں خاص ترتیب کے ساتھ کر دیا گیا۔

تعارف کتب فقہ

جن کتب فقہ کی مدد سے مختلف مصنفین فتاویٰ نے اپنے فتاوے مرتب کیے اور جا بجا ان کے حوالے دیے ہیں، ان کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ سطورِ ذیل میں اس ذخیرۂ فقہ میں سے اختصار کے ساتھ ان کتابوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے، جن کا ذکر بار بار آتا ہے اور جنھیں خاص اہمیت کی حامل کتابیں سمجھا جاتا ہے۔

(۱) الاجناس ...... اس کتاب کا پورا نام ''اجناس فی الفروع'' ہے۔ مشہور فقیہ احمد بن محمد بن عمرو ابوالعباس ناطفی (متوفی ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ یہ معروف علمائے عراقیین اور کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ❶

(۲) ادب القاضی ...... اس نام کی متعدد فقہائے کرام نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ یہاں ابوبکر احمد بن عمرو بن خصاف (متوفی ۲۶۱ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ کیوں کہ اس موضوع سے متعلق اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ ایک بہترین کتاب مانی گئی۔ مصنف نے اس کو ایک سو بیس ابواب میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب ''ادب القاضی علی مذہب ابی حنیفہ'' ہے۔ ایک اور کتاب ''ادب القاضی علی مذہب الشافعی'' بھی ہے۔ ❷

(۳) الایضاح ...... یہ التجرید کی شرح ہے اور فقیہ خراسان ابوالفضل عبدالرحمٰن بن محمد کرمانی حنفی (متوفی ۵۴۳ھ) کی تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام ''الایضاح فی الفروع'' ہے۔ اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک یہ جس کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ دوسری ابوعلی حسن بن قاسم طبری شافعی (متوفی ۳۰۵ھ) اور ابوالقاسم عبدالواحد بن حسین صیمری شافعی کی۔ (جو ۳۸۶ھ کے بعد فوت

---

❶ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۳۶ (مطبوعہ مصر، الجواہر المضیہ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۱۳ (مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن) کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۱۱)

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۴۶، ۴۷۔ نیز دیکھیے: الجواہر المضیہ، جلد اوّل، صفحہ: ۸۷، ۸۸۔

ہوئے) یہ ان دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے۔ ❶

(۴) الاسرار فی الاصول والفروع ...... علامہ ابوزید عبیداللہ بن عمرو بوسی حنفی (متوفی ۴۳۰ھ) کی تصنیف ہے۔ ❷

(۵) تبیین الحقائق ...... کنز الدقائق کی شرح ہے اور علامہ عثمان بن علی بن محجن ابومحمد فخر الدین زیلعی الصوفی کی تصنیف ہے۔ علامہ ممدوح ۷۰۵ھ میں قاہرہ گئے اور وہاں کی مسند تدریس و افتا پر فائز کیے گئے۔ فقہ، نحو اور فرائض کے بہت بڑے عالم تھے۔ رمضان المبارک ۷۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ ❸

(۶) التجرید ...... اس نام کی کئی کتابیں ہیں، جن میں سے ایک رکن الدین عبدالرحمٰن بن محمد المعروف بہ ابن امیرویہ کرمانی حنفی (متوفی ۵۴۳ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ''التجرید الرکنی فی الفروع'' ہے۔ یہاں یہی کتاب مراد ہے۔ مصنف نے خود ہی ''الایضاح'' کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ شمس الائمہ تاج الدین عبدالغفار بن لقمان کُردی حنفی (متوفی ۵۶۲ھ) نے بھی ''المفید والمزید'' کے نام سے اس کی شرح سپردِ قلم کی۔ تجرید نام کی ایک کتاب تجرید القدوری ہے، جو امام ابوالحسین احمد بن محمد (متوفی ۴۲۸ھ) کی تالیف ہے۔ ❹

(۷) تجنیس الملتقط ...... یہ کتاب صاحب ہدایہ کے تلمیذ شیخ جلال الدین محمود بن شیخ مجد الدین الحسین کی تصنیف ہے۔

(۸) التحریر ...... یہ کتاب اصولِ فقہ سے متعلق ہے اور اس کا پورا نام ''التحریر فی اصول الفقہ'' ہے۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بہ ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی تصنیف ہے۔ التحریر فی الفروع نام کی ایک کتاب ابوالعباس احمد بن محمد جرجانی شافعی (متوفی ۴۸۲ھ) کی تصنیف ہے، جو بڑی ضخیم کتاب ہے۔ ❺

---

❶ الجواہر المضیہ، جلد اوّل، صفحہ: ۳۰۴۔ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۹۔ کشف الظنون، جلد اوّل، صفحہ: ۲۱۱۔

❷ کشف الظنون، جلد اوّل، صفحہ: ۸۴۔

❸ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۱۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: کشف الظنون، جلد ثانی، کالم: ۱۵۱۱۔

❹ کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۳۴۵، ۳۴۶۔

❺ کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۳۵۸۔

(۹) تحفۃ الفقہاء...... شیخ علاء الدین محمد بن احمد حنفی سمرقندی کی تصنیف ہے۔ اس میں مختصر القدوری پر کچھ اضافات ہیں۔ ❶

(۱۰) ترغیب الصلوٰۃ ...... یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور شیخ محمد بن احمد الزاہد کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اس کو تقریباً ایک سو کتاب کی مدد سے تین اقسام پر مرتب کیا ہے۔ قسم اوّل فرضیت نماز سے، قسم دوم طہارت سے اور قسم سوم نواقض وضو سے متعلق ہے۔ ❷

(۱۱) التھذیب ...... اس نام سے مسائل فقہ سے متعلق دو کتابیں ہیں اور دونوں شافعی المسلک فقہا کی تصنیف کردہ ہیں۔ فقہ حنفی کے بارے میں ایک کتاب ''تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع'' ہے۔ اس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ یہ کتاب ''ذخیرۃ الفقہاء'' کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس سلسلے کی ایک کتاب کا نام ''خیرات الفتاویٰ'' ہے جو علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصیر الدین ابن ملکان البرتوانی حنفی کی تصنیف ہے۔ ❸

(۱۲) الجامع الصغیر فی الفروع......امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۹ھ) کی تصنیف ہے، جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ❹

(۱۳) الجامع الکبیر فی الفروع...... یہ بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ ❺

(۱۴) الجامع الاصغر......تالیف شیخ محمد بن ولید ابوعلی سمرقندی حنفی۔ ❻

(۱۵) جامع الفتاویٰ ...... اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی (متوفی ۵۵۶ھ) کی تصنیف ہے اور دوسری شیخ قرق امرہ الحمیدی الحنفی (متوفی ۸۸۰ھ) کی۔ ❼

(۱۶) جامع الجوامع......اس نام کی ایک سے زائد کتابیں ہیں۔ ❽

---

❶ کشف الظنون جلد اوّل، کالم: ۳۷۱۔ ❷ ایضاً، کالم: ۳۹۹۔

❸ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۲۳۰۔

❹ تفصیلات کے لیے کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۵۶۱ دیکھیے۔

❺ ایضاً، کالم: ۵۶۷۔

❻ الجواہر المضیہ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۱۔ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۲۰۲۔ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۵۳۵۔

❼ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۵۶۵۔ ❽ ایضاً۔ کالم: ۵۳۹۔

(۱۷) جواہر الفتاویٰ ...... تالیف شیخ رکن الدین ابوبکر محمد بن ابوالمفاخر بن عبدالرشید کرمانی حنفی۔ ❶

(۱۸) الحاوی القدسی فی الفروع ...... قاضی جمال الدین احمد بن محمد بن نوح قابسی غزنوی حنفی کی تصنیف ہے۔ انھوں نے ۶۰۰ھ اور ۵۹۳ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ ❷

(۱۹) خزانۃ الفقہ ...... امام ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی (متوفی ۳۸۳ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی مصری امام ابواللیث کو ''امام الہدیٰ'' قرار دیتے ہیں۔ ان کی ایک تفسیر بھی ہے۔ کتاب النوازل، تنبیہ الغافلین اور بستان العارفین بھی ان کی تصانیف ہیں۔ ❸

(۲۰) خلاصۃ الفتاویٰ ...... افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ ماوراء النہر کے شیخ الحنفیہ اور مجتہد فی المسائل تھے۔ ❹

(۲۱) خزانۃ المفتین ...... فروع حنفیہ میں ہے اور شیخ حسین بن محمد سمیقانی یا سمنقانی حنفی کی تصنیف ہے۔ مصنف نے یہ کتاب ماہِ محرم ۷۴۰ھ میں مکمل کی۔ ❺

(۲۲) زاد الفقہاء ...... یہ قدوری کی شرح ہے اور شیخ الاسلام ابوالمعالی بہاء الدین محمد بن احمد اسبیجابی کی تصنیف ہے، جو شیخ جمال الدین عبیداللہ محبوبی بخاری کے شاگرد ہیں۔ یہ فقہ کی اہم کتابوں میں سے ہے۔ ❻

(۲۳) الذخیرۃ الفتاویٰ ...... یہ کتاب ''الذخیرہ'' اور ''ذخیرہ برہانیہ'' کے نام سے بھی موسوم ہے اور امام برہان الدین محمود بن احمد بخاری (متوفی ۶۱۶ھ) کی تالیف ہے جو دراصل انہی کی ایک مشہور کتاب ''المحیط البرہانی'' کا اختصار ہے۔ یہ دونوں کتابیں علما و فقہا میں مقبول و متداول ہیں۔ ❼

---

❶ کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۶۱۵۔ ❷ کشف الظنون، جلد: ۱، ۶۲۷۔

❸ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۶۵۔ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۷۰۳۔

❹ الجواہر المضیہ، جلد: ۱، صفحہ: ۲۶۵۔ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۸۴۔ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۷۱۸۔

❺ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۷۰۳۔

❻ الجواہر المضیہ، جلد: ۲، صفحہ: ۲۷۔ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۹۴۵ بھی دیکھیے۔

❼ کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۸۲۳۔

(۲۴) الزیادات ...... یہ کتاب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) کی تالیف ہے۔ ❶ اور مصر میں چھپی ہے۔ ❷

(۲۵) الزاہدی ...... قدوری کی شرح ہے اور "المجتبیٰ فی اصول الفقہ" کے نام سے معروف ہے۔ امام نجم الدین مختار بن محمود زاہدی حنفی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔ ❸

(۲۶) روضۃ العلماء ...... تالیف شیخ ابوعلی حسین بن یحییٰ بخاری زندویسی حنفی۔ ❹

(۲۷) شرح جامع الصغیر ...... اس نام کی ایک کتاب قاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ) کی تصنیف ہے۔ ❺ اور ایک امام طحاوی (متوفی ۳۲۲ھ) کی۔ ❻

(۲۸) شرعۃ الاسلام ...... شیخ ابواعظ محمد بن ابوبکر المعروف بہ امام زادہ حنفی (متوفی ۵۷۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب اسٹھ فصول پر مشتمل ہے۔ اس کی متعدد شروح مختلف علماء نے لکھی ہیں۔ ❼

(۲۹) الصغناقیہ ...... (یا سغناقیہ) یہ نہایہ شرح ہدایہ ہے۔ مصنف کا نام حسام الدین حسین بن علی صغناقی (یا سغناقی) ہے۔ صغناق یا سغناق ترکستان کا ایک شہر ہے۔ ہدایہ کی یہ شرح ربیع الاوّل ۷۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ پہلی شرح ہدایہ ہے جو نہایت مفصل اور بے شمار مسائل پر محیط ہے۔ اس کے مصنف کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی۔ صغناقیہ کے مصنف، صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی کے شاگرد تھے۔ ❽

(۳۰) الصیرفیہ (یا فتاویٰ آہو) ...... شیخ مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی بخاری الصیرفی المعروف بہ آہو کی تصنیف ہے۔ ❾

(۳۱) عیون المسائل ...... اس نام کی کئی کتابیں ہیں، مگر یہاں امام ابواللیث نصر بن محمد

---

❶ الفہرست ابن ندیم مطبوعہ بیروت، صفحہ: ۲۰۴۔
❷ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) بابت ماہ جون ۱۹۶۹ء۔
❸ کشف الظنون، جلد ثانی، کالم: ۱۵۹۲۔
❹ کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۹۲۸۔
❺ حدائق الحنفیہ از مولوی فقیر محمد جہلمی (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) صفحہ: ۲۳۱۔
❻ الفہرست ابن ندیم طبع بیروت، صفحہ: ۲۰۷۔
❼ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۰۴۴۔
❽ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۶۳۔ نیز ملاحظہ ہو: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۲۰۳۲۔
❾ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۵۔

سمرقندی (متوفی ۳۷۶ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ شیخ علاء الدین محمد بن عبدالحمید اسمندی سمرقندی المعروف بہ علاء العالم (متوفی ۵۵۲ھ) نے ''حصر المسائل وقصر الدلائل'' کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ ❶

(۳۲) فتاویٰ ابی اللیث ...... نصر بن محمد سمرقندی (متوفی ۳۸۳ھ) کی تصنیف ہے۔ ❷

(۳۳) فتاویٰ اسبیجابی ...... تصنیف ابونصر احمد بن منصور حنفی۔ ۴۸۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔ ❸

(۳۴) فتاویٰ تاتارخانیہ ...... مشہور فقیہ شیخ عالم بن علاء اندرپتی (متوفی ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ (اس سے متعلق مضمون کتاب میں ملاحظہ کیجیے۔)

(۳۵) فتاویٰ حمادیہ ...... تصنیف قاضی حماد الدین احمد بن قاضی محمد اکرم۔ یہ فتاویٰ ان کے تلمیذ مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری نے جمع کیا۔ (اس سے متعلق مفصل مضمون کتاب میں ملاحظہ فرمایے۔)

(۳۶) فتاویٰ الصوفیہ ...... پورا نام الفتاویٰ الصوفیہ فی طریق البہائیہ ہے۔ شیخ فضل اللہ بن محمد بن ایوب (متوفی ۶۶۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ نام شیخ بہاء الدین ابومحمد زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے رکھا گیا۔ بقول مولیٰ برکلی، یہ فتاویٰ کتب غیر معتبرہ میں سے ہے۔ ❹

(۳۷) فتاویٰ السغدی ...... امام وفقیہ ابوالحسن عطاء بن حمزہ سغدی سمرقندی کی تصنیف ہے۔ ❺

(۳۸) فتاویٰ خواہر زادہ ...... تصنیف امام ابوبکر محمد بن حسین بن محمد بخاری۔ متوفی ۴۸۳ھ۔ ❻

(۳۹) فتاویٰ ابی بکر ...... از علامہ محمد بن فضل بن عباس حنفی بلخی۔ متوفی ۳۱۹ھ۔ ❼

(۴۰) فتاویٰ التمر تاشی ...... از شیخ ابومحمد ظہیر الدین احمد بن ابوثابت اسماعیل بن محمد اعمش حنفی مفتی خوارزم۔ متوفی ۶۰۰ھ۔ ❽

---

❶ ایضاً، کالم: ۱۱۸۷۔
❷ ایضاً، کالم: ۱۲۲۰۔
❸ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۰۔
❹ تفصیلات کے لیے دیکھیے: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۵۔
❺ ایضاً۔
❻ ایضاً، کالم: ۱۲۲۳۔
❼ ایضاً، کالم: ۱۲۱۹۔
❽ ایضاً، کلم: ۱۲۲۱۔

(۴۱) فتاویٰ شمس الائمہ...... عبدالعزیز بن احمد بن نصر حلوانی حنفی۔ متوفی ۴۴۹ھ۔ ❶

(۴۲) فتاویٰ الغیاثیہ...... تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب ...... یہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کی تصنیف ہے اور اسی کی طرف منسوب۔ (اس سے متعلق مفصل مضمون کتاب میں پڑھیے۔)

(۴۳) الفتاویٰ العتابیہ...... اس کا نام جامع الفقہ یا جوامع الفقہ ہے۔ ابو نصر احمد بن محمد بن عمر زاہدی عتابی بخاری (متوفی ۵۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ عابد و زاہد اور متبحر عالم تھے۔ شرح الزیادات بھی انہی کی تصنیف ہے۔ ❷

(۴۴) الفتاویٰ النسفیہ ...... اس کے مؤلف علامہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی المشہور بعلامہ سمرقندی (متوفی ۵۳۷ھ) ہیں۔ یہ کتاب ان فتاویٰ کو محیط ہے جو انھوں نے اپنے معاصرین کے سوالات کے جواب میں تحریر کیے۔ علامہ ممدوح اپنے دور کے بہت بڑے مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، متکلم، حافظ الحدیث اور نحوی تھے۔ فقہ انھوں نے صدر الاسلام ابوالیسر محمد بزدوی سے پڑھی۔ تفسیر و فقہ کے موضوع سے متعلق ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ تفسیر کے باب میں ''التسیر فی التفسیر'' ان کی معروف تصنیف ہے۔ فقہ کے بارے میں ان کی مشہور تصنیف کتاب المنظومہ ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ کی پہلی کتاب ہے، جو بصورت نظم ضبط تحریر میں لائی گئی۔ ❸

(۴۵) الفتاویٰ السراجیہ...... شیخ الاسلام سراج الدین اوشی کی تالیف ہے، جو چھٹی صدی ہجری کے مشاہیر میں سے تھے۔ یہ کتاب بعض ایسے فقہی نوادر پر مشتمل ہے جو عام طور پر دیگر کتب فقہ میں نہیں ملتے۔ منیہ کا ماخذ یہی کتاب ہے۔ بقول مولیٰ ابن چوی مصنف رحمۃ اللہ علیہ، سوموار کے دن ماہِ محرم ۵۶۹ھ میں اس کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔ ❹

(۴۶) الفتاویٰ الظہیریہ...... شیخ محمد بن احمد بن عمر ظہیر الدین بخاری (متوفی ۶۱۹ھ) کی

---

❶ ایضاً، ۱۲۲۴۔

❷ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۳۶۔ نیز دیکھیے: کشف الظنون، جلد اوّل، کالم: ۵۶۷۔ جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۶۔

❸ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۳۰۔ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۴۹، ۱۵۰۔

❹ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۴۔

تالیف ہے۔ یہ بخارا میں محتسب تھے اور جلیل القدر عالم دین۔ اپنے والد احمد بن عمر سے علم حاصل کیا اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ ان کے ایک استاذ شیخ ظہیر الدین ابوالمحاسن حسن بن علی مرغینانی ہیں، جو اپنے اس شاگرد کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور دیگر طلبا پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف "الفوائد الظہیر یہ" ہے۔ ان کتابوں کا انتساب ان کے دادا ظہیر الدین کبیر علی بن عبدالعزیز مرغینانی کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور ان کے استاذ شیخ ظہیر الدین ابوالمحاسن حسن بن علی مرغینانی کی طرف بھی۔ اس کتاب کے بارے میں سید عبدالحی حسنی لکھنویؒ کا کہنا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اسے قابل اعتماد اور بہت سے فوائد علمیہ پر مشتمل پایا ہے۔ ❶

(۴۷) فتاویٰ قاریٔ الہدایہ...... تصنیف سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی ہندی حنفی۔ متوفی ۷۷۳ھ۔ ❷

(۴۸) فتاویٰ قاضی خاں ...... اسے فتاویٰ خانیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی الشہیر بقاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ) کی تالیف ہے، جو ایک مشہور و مقبول کتاب ہے۔ علمائے فقہ حنفیہ کے بیشتر فتاویٰ کا مرجع یہی ہے۔ یہ ان تمام مسائل کا مجموعہ ہے، جن کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔ اس میں ہر فقہی مسئلے کا ماخذ دیا گیا ہے اور جس مسئلے کے بارے میں فقہائے متاخرین کے اقوال زیادہ ہیں، اس میں ایک یا دو قول ذکر کر کے زیادہ واضح قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ ❸

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھتے ہیں: اس کے مصنف رفیع المرتبت اور دقیقہ رس عالم اور مجتہد تھے۔ قاسم بن قطلوبغا تصحیح القدوری میں کہتے ہیں، قاضی خاں جس بات کی تصحیح کر دیں، اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جائے گا۔ ❹

(۴۹) الفتاویٰ الکبریٰ ...... امام شہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۵۳۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس کی تالیف کے بارے میں اس کے مؤلف فرماتے ہیں: جب مجھ سے لوگوں

---

❶ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۵۶، ۱۵۷۔ نیز دیکھیے: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۶۔

❷ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۷۔ ❸ ایضاً۔

❹ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۶۵۔

نے مختلف مسائل کے بارے میں فتوے پوچھے تو میں نے ایک ایسی کتاب معرضِ کتابت میں لانے کا فیصلہ کیا، جس میں فقیہ ابواللیث کی النوازل، ابوالعباس ناطفی کی واقعات یا فتاویٰ امام ابوبکر محمد بن الفضل اور فتاویٰ اہل سمرقند کو جمع کیا جائے۔ میں نے اس کا آغاز مسائل النوازل سے کیا اور اس کے لیے کچھ علامات مقرر کیں۔ مثلاً النوازل کے لیے ''ن'' العیون کے لیے ''ع'' واقعات کے لیے ''و'' مسائل ابوبکر محمد بن الفضل کے لیے ''ب'' اور فتاویٰ اہل سمرقند کے لیے ''س''۔

محمد بن محمد بن عمر جو بخارا میں نائب قاضی تھے، لکھتے ہیں کہ میں نے ان پانچوں کی املا کرائی اور اس میں وہ علامات درج کیں، جن کی طرف امام حسام الدین نے عنانِ توجہ مبذول نہیں کی تھی۔

یوسف بن احمد الخاصی نے فتاویٰ الصغریٰ کے انداز سے اس کی تبویب کی۔ الفتاویٰ الکبریٰ کو تجنیس واقعات حسام الدین سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، جس کی تبویب امام نجم الدین یوسف بن احمد بن ابوبکر الخاصی نے کی۔

قاضی فطیس کی ایک کتاب کا نام بھی الفتاویٰ الکبریٰ ہے، جس کی تلخیص ابوالمجاہد محمود بن احمد بن مسعود قونوی نے کی اور اس میں فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ کی مدد سے ضروری فروع کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب اپنے موضوع میں بہت عمدہ ہے۔ اس کا ذکر ابن شہنا نے جواہر کے حاشیہ میں کیا ہے۔ [1]

(۵۰) فتاویٰ الولوالجی ...... ظہیر الدین ابوالمکارم اسحاق بن ابوبکر حنفی (متوفی ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔ [2]

(۵۱) فتح القدیر ...... یہ ہدایہ کی شرح ہے جو کتاب الوکالہ تک ہے اور دو جلدوں میں ہے۔ پورا نام فتح القدیر للعاجز الفقیر ہے۔ مصنف کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المشہور بابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) ہیں۔ [3]

(۵۲) الفصول العمادی ...... یہ کتاب چالیس فصول پر مرتب کی گئی ہے، جو فقط معاملات سے متعلق ہیں۔ اس کے مصنف کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا نام شیخ جمال

---

[1] کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۲۲۸، ۱۲۲۹۔ [2] ایضاً، کالم: ۱۲۳۰۔

[3] تفصیلات کے لیے دیکھیے: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۲۰۳۴۔

الدین بن عماد الدین بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانی سمرقندی ہے۔ مولیٰ محمد بن الیاس مفتی چوی زادہ کہتے ہیں، ان کا نام ابوالفتح بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانی سمرقندی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ اواخر شعبان ۵۶۱ھ میں فارغ ہوئے۔ ❶

(۵۳) فرائض الزاہدی...... ابوالرجاء مختار بن محمود الحنفی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔ ❷

(۵۴) فصول الاسروشنی ...... یہ کتاب صرف معاملات سے بحث کرتی ہے اور شیخ مجدالدین ابوالفتح محمد بن محمود بن حسین حنفی (متوفی ۶۳۲ھ) کی تصنیف ہے۔ کتاب تیس فصول پر مشتمل ہے، جو مصنف نے جمادی الاولیٰ ۶۲۵ھ کو مکمل کی۔ اس کی تکمیل پر بتیس سال سات مہینے صرف ہوئے۔ ❸

(۵۵) قنیۃ المنیہ ...... شیخ ابوالرجاء نجم الدین بختار بن محمود الزاہدی الحنفی الغزینی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف خلافیات و مناظرات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ بعض علماء نے ان کی روایت کو غیر معتبر اور ضعیف قرار دیا اور ان کو معتزلی کہا ہے۔ ❹

(۵۶) کفایہ شرح ہدایہ...... سیّد جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کی تالیف ہے، جو مطبوع و متداول کتاب ہے۔

(۵۷) الکافی ...... اس نام کی فقہیات سے متعلق کئی کتابیں ہیں، جو مسلک مالکیہ، مسلک حنفیہ، مسلک شافعیہ اور مسلک حنبلیہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن یہاں الکافی فی فروع الحنفیہ مراد ہے۔ یہ کتاب حاکم شہید محمد بن محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کی تصنیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس میں امام محمدؒ کی کتابوں کے اہم اجزائے فقہی سلیقے سے جمع کر دیے ہیں، لہٰذا یہ کتاب اپنے مندرجات کے اعتبار سے قابل اعتماد ہے۔ مصنف، بخارا کے قاضی تھے۔ بعد کو امیر خراسان نے ان کو منصب وزارت پر فائز کر دیا۔ ربیع الثانی ۳۴۴ھ میں شہید کر دیے گئے۔ ❺

(۵۸) الکبریٰ ...... اس کا ایک نام الفتاویٰ الخاصی ہے۔ قاضی نجم الدین یوسف بن احمد

---

❶ ایضاً، کالم: ۱۲۷۰۔ ❷ ایضاً، کالم: ۱۲۴۷۔

❸ ایضاً، کالم: ۱۲۶۶۔

❹ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۲۱۲۔ نیز دیکھیے: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۳۵۷۔

❺ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۸۵، ۱۸۶۔ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۳۸۷۔

خوارزمی المعروف بہ فطیس (متوفی ۶۳۴ھ) کی تصنیف ہے۔ ❶

(۵۹) کنز الدقائق ...... شیخ عبداللہ بن محمود حافظ الدین النسفی ابوالبرکات (متوفی ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ مشہور کتاب ہے اور فقہائے کرام نے اس کی متعدد شروح لکھی ہیں۔ ❷

(۶۰) کشف الاسرار فی اصول البزدوی ...... تالیف شیخ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد بخاری (متوفی ۷۳۰ھ)

(۶۱) المبسوط ...... تصنیف امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ)

(۶۲) المبسوط سرخسی ...... شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی پندرہ جلدیں ہیں۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب اوزجند کے قید خانے میں کسی کتاب کی مدد کے بغیر تصنیف کی۔ یہ کتاب دراصل حاکم شہید محمد بن محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کی الکافی کی شرح ہے۔ اس میں فقہ حنفیہ کی جزئیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ❸

(۶۳) المختار فی فروع الحنفیہ ...... ابوالفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی (متوفی ۶۸۳ھ) کی تالیف ہے۔ ❹

(۶۴) مجموع النوازل والحوادث والواقعات ...... شیخ احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ الکشی کی تالیف ہے، جو ۵۵۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ ❺

(۶۵) المزید ...... اس کا نام المزید فی فروع الحنفیہ ہے۔ شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی صاحبِ ہدایہ (متوفی ۵۹۳ھ) کی تصنیف ہے۔ ❻

(۶۶) معدن الکنز ...... حاجی خلیفہ نے اس کے مصنف کا نام نہیں لکھا اور کتاب کا ذکر دو جگہ پر کیا ہے۔ ایک کنز الدقائق کے تحت، اس کی شرح کی حیثیت سے۔ دوسرے الگ اس کا نام لکھ کر۔ ❼

---

❶ کشف الظنون، جلد:۲، کالم:۱۲۲۲۔ الجواہر المضیہ، جلد ثانی، صفحہ:۲۲۳۔ الفوائد البہیہ، صفحہ:۲۲۶۔

❷ تفصیلات کے لیے دیکھیے: کشف الظنون، جلد:۲، کالم:۱۵۱۵، ۱۵۱۶۔

❸ ایضاً، کالم:۱۵۸۰۔ ❹ کشف الظنون، جلد:۲، کالم:۱۶۲۲۔ ❺ ایضاً، کالم:۱۶۰۶۔

❻ ایضاً، کالم:۱۶۶۰۔ ❼ ایضاً، کالم:۱۵۱۶۔ نیز کالم:۱۷۳۸۔

(۶۷) مختصر الطحاوی ...... علامہ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک ازدی طحاوی (متوفی ۳۲۲ھ) کی تالیف ہے، جو مشہور فقیہ و محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصر کے ایک گاؤں ''طحا'' کے رہنے والے تھے۔ پہلے شافعی المسلک تھے۔ بعد کو مسلک حنفیت اختیار کرلیا اور فقہِ حنفیہ کے سلسلے میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں معانی الآثار، مشکل الآثار، احکام القرآن، شرح جامع الکبیر، شرح جامع الصغیر اور مختصر الطحاوی لائق تذکرہ ہیں۔ ❶

(۶۸) المضمرات ...... اس کو جامع المضمرات والمشکلات کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قدوری کی شرح ہے اور شیخ یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی کی تصنیف ہے۔ ❷

(۶۹) منیۃ المصلی ...... پورا نام منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی ہے۔ شیخ سدید الدین محمد بن محمد کاشغری (متوفی ۷۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ مشہور کتاب ہے اور مدارسِ عربیہ میں متداول اور داخل نصاب ہے۔ ❸

(۷۰) بغیۃ المفتی ...... شیخ یوسف بن ابوسعید احمد سجستانی کی تالیف ہے اور فروع حنفیہ کو محتوی۔ ❹

(۷۱) نصاب الاحتساب ...... شیخ عمر بن محمد بن عوض الشامی کی تصنیف ہے۔ ❺

(۷۲) نصاب الفقہ ...... شیخ طاہر بن احمد بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) کی تالیف ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف خلاصۃ الفتاویٰ اسی کی تلخیص ہے، جو انھوں نے خود ہی کی۔ ❻

(۷۳) نوادر الفتاویٰ ...... شیخ ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی بغدادی حنفی (متوفی ۲۰۰ھ) کی تصنیف ہے۔ ❼

(۷۴) النوازل فی الفروع ...... امام ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم حنفی سمرقندی (متوفی ۳۷۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ فروع حنفیہ کی مشہور کتاب ہے اور معروف فقہائے حنفیہ مثلاً شیخ محمد

---

❶ الفہرست ابن ندیم، صفحہ: ۲۰۷، مطبوعہ بیروت۔

❷ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۲۳۰۔ کشف الظنون، جلد: ۱، کالم: ۵۷۴۔ جلد ۲ کالم ۱۷۱۳۔

❸ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۱۸۸۶۔ ❹ ایضاً، کالم: ۱۸۸۷۔

❺ ایضاً، کالم: ۱۹۵۳۔ ❻ ایضاً، کالم: ۱۹۵۳۔

❼ ایضاح المکنون فی الذیل علیٰ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۶۸۱۔

بن شجاع ثلجی، محمد بن مقاتل رازی، محمد بن سلمہ، نصیر بن یحییٰ، محمد بن سلام، ابوبکر، سکاف، علی بن احمد فارسی اور ابوجعفر محمد بن عبداللہ فقیہ کے فقہی اقوال کا مجموعہ ہے۔ ❶

(۷۵) النہایہ شرح ہدایہ ...... حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغانی (متوفی ۷۱۸ھ) کی تصنیف ہے۔

(۷۶) واقعات الناطفی ...... معروف فقیہ شیخ ابوالعباس احمد بن محمد حنفی ناطفی (متوفی ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے۔ ❷

(۷۷) واقعات الحسامی ...... علامہ عمر بن عبدالعزیز بخاری کی تالیف ہے۔ علامہ موصوف ماہِ صفر ۵۳۶ھ میں سمرقند میں شہید ہوئے اور ان کی میت بخارا میں منتقل کی گئی۔ اس کتاب میں ابواللیث کی النوازل اور ناطفی کی "واقعات" کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ نیز فتاویٰ ابوبکر اور فتاویٰ اہل سمرقند سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ❸

(۷۸) الوجیز ...... اس نام کی متعدد کتابیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، یہاں قاضی صدر الدین سلیمان بن ابوالعز حنفی (متوفی ۶۷۷ھ) کی الوجیز الجامع لمسائل الجامع مراد ہے۔ ❹

(۷۹) وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ ...... برہان الشریعت محمود بن صدر الشریعت الاول عبیداللہ محبوبی کی تالیف ہے۔

(۸۰) ہدایہ ...... اس نام کی کئی کتابیں ہیں، جن میں سے ایک فروع شافعیہ میں ابوالحسن منصور بن اسماعیل تمیمی شافعی (متوفی ۳۰۶ھ) کی۔ ایک فروع حنابلہ میں شیخ الامام الفاضل ابن الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن بن احمد طویادی کلوازانی بغدادی حنبلی (متوفی ۵۱۰ھ) کی، ایک طب میں ابن سینا حسین بن عبداللہ حکیم (متوفی ۴۲۸ھ) کی۔ لیکن یہاں شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ یہ فقہ حنفی کی نہایت اہم اور معروف کتاب ہے اور درحقیقت یہ اسی مصنف کی ایک تصنیف بدایۃ المبتدی کی شرح ہے۔ اس میں مصنف رحمہ اللہ کا انداز یہ ہے کہ پہلے امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال نقل کر کے مسئلہ

---

❶ کشف الظنون ج ۲، کالم ۱۹۸۱۔ ❷ کشف الظنون ج ۲، کالم ۱۹۹۹۔

❸ الفوائد البہیہ، صفحہ: ۱۴۹۔ کشف الظنون، جلد ثانی، کالم: ۱۹۹۸۔

❹ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۲۰۰۱۔

زیر بحث سے متعلق ان کا مسلک اور نقطہ نظر ظاہر کرتے اور اس کی دلیل بیان کرتے ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دعو۔ ر کی وضاحت کرتے اور اس کے بارے میں شرح وبسط سے دلائل ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ اس کتاب کی فقہی اہمیت کے پیش نظر اس کی کئی شروح لکھی گئیں اور علما وفقہا نے مختلف انداز سے اس پر بہت کام کیا ہے۔ ❶

انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۸۱) ینابیع الاحکام ...... امام ابوعبداللہ محمد بن زنگی السفر ائنی الشعبی الساوی کی تالیف ہے اور فقہی مسائل پر مشتمل۔ اس میں ائمہ اور کتب کا ذکر علامات کے ذریعے کیا گیا ہے۔ مثلاً الحاوی الکبیر کے لیے ''ح'' اور الوسیط کے لیے ''ط'' وغیرہ وغیرہ۔ ❷

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے: کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۲۰۳۱ تا ۲۰۴۰۔

❷ کشف الظنون، جلد: ۲، کالم: ۲۰۵۰، ۲۰۵۱۔

مصادر و مراجع

اس کتاب کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

۱: ابجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں

۲: ازالۃ الخفاء۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۳: اصولِ فقہ۔ سر عبدالرحیم۔ اُردو ترجمہ: مولوی مسعود علی۔

۴: اعلام الموقعین۔ امام ابن قیم (مطبع منیریہ مصر)

۵: کتاب الانساب۔ سمعانی

۶: انفاس العارفین۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ (طبع دہلی)

۷: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون۔ اسماعیل پاشا البابانی البغدادی۔

۸: بحر زخار۔ شیخ وجیہ الدین۔

۹: البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیر (طبع مصر)

۱۰: برہان پور کے سندھی علماء ...... المعروف بہ تذکرہ اولیائے سندھ۔ سیّد محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری۔

۱۱: بزمِ تیموریہ ...... سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن (مطبوعہ: دارالمصنّفین، اعظم گڑھ)

۱۲: بزمِ مملوکیہ ...... سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن (مطبوعہ: دارالمصنّفین، اعظم گڑھ)

۱۳: تاریخ شیراز ہند جون پور ...... اقبال احمد (طبع جون پور)

۱۴: تاریخ فرشتہ ...... محمد قاسم (طبع نول کشور لکھنؤ)

۱۵: تاریخ فیروز شاہی ...... ضیاء الدین برنی

۱۶: تاریخ فیروز شاہی ...... سراج عفیف۔ اُردو ترجمہ: فدا علی طالب۔

۱۷: تاریخ التشریع الاسلامی ...... علامہ محمد خضری۔ اُردو ترجمہ: تاریخ فقہ اسلامی۔ مولانا عبدالسلام ندوی (مطبوعہ دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۱۳۴۶ھ)

۱۸: تاریخ معصومی ...... (تاریخ سندھ) میر محمد معصوم بھکری۔ اُردو ترجمہ: اختر رضوی۔ (شائع کردہ: سندھی ادبی بورڈ، کراچی)

۱۹: تاریخی مقالات ...... پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ ندوۃ المصنّفین دہلی۔

۲۰: تاریخی مقالات ...... پروفیسر محمد اسلم ندوۃ المصنّفین، سمن آباد، لاہور۔

۲۱: تحفۃ الکرام ...... میر علی شیر قانع ٹھٹھوی۔ اُردو ترجمہ: اختر رضوی۔
۲۲: تجلی نور ...... (تذکرہ مشاہیر جون پور) نور الدین زیدی۔
۲۳: تذکرہ علمائے ہند ...... مولوی رحمان علی (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)
۲۴: تذکرہ علمائے ہند ...... اُردو ترجمہ: محمد ایوب قادری۔
۲۵: تذکرۃ الحفاظ ...... ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی (طبع حیدر آباد دکن)
۲۶: تکملہ تاریخ ادب عربی ...... برکلمان۔
۲۷: توزکِ جہان گیری ...... مرزا محمد ہادی معتمد۔ (طبع نول کشور لکھنؤ)
۲۸: الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ...... ابن ابی الوفاء القرشی الحنفی المصری (طبع حیدر آباد دکن)
۲۹: چچ نامہ (فتح نامہ سندھ) ...... علی بن حامد بن ابوبکر کوفی ۶۱۳ھ (طبع حیدر آباد دکن)
۳۰: حدائق الحنفیہ ...... مولوی فقیر محمد جہلمی۔ (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)
۳۱: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ...... پروفیسر خلیق احمد نظامی (ندوۃ المصنفین دہلی)
۳۲: حیات ولی ...... مولانا محمد رحیم بخش دہلوی۔ (شائع کردہ: مکتبہ سلفیہ، لاہور)
۳۳: دار قطنی ...... (مطبوعہ فاروق دہلی)
۳۴: دہلی اور اس کے اطراف ...... مولانا سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی (انجمن ترقی اُردو، دہلی)
۳۵: ڈکشنری آف اسلام ...... ہوز۔ www.KitaboSunnat.com
۳۶: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ...... غلام علی آزاد بلگرامی
۳۷: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ...... خلیق احمد نظامی
۳۸: عالم گیر نامہ ...... منشی محمد کاظم بن محمد امین (مطبوعہ کالج پریس کلکتہ، ۱۸۶۸ء)
۳۹: عجائب الہند ...... بزرگ بن شہریار۔
۴۰: علمی اجالے ...... امیر حسن نورانی اسلامیہ کالج لکھنؤ۔ (مطبوعہ راجہ رام کمار بک ڈپو، لکھنؤ)
۴۱: عمل صالح الموسوم بہ شاہ جہان نامہ۔ محمد صالح کنبوہ، مطبوعہ کلکتہ باہتمام رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔
۴۲: فتوح البلدان ...... احمد بن یحییٰ بن جابر المشہور بہ بلاذری۔
۴۳: فرحۃ الناظرین قلمی ...... محمد اسلم پسروری
۴۴: فرحۃ الناظرین (اُردو ترجمہ) ...... محمد ایوب قادری (مطبوعہ لاہور)
۴۵: الفرقان ماہنامہ ...... (شاہ ولی اللہ نمبر: ۱۳۵۹ھ)

۴۶: فہرست کتب ...... پنجاب یونیورسٹی، لائبریری، لاہور۔
۴۷: فہرست کتب ...... پنجاب پبلک لائبریری لاہور۔
۴۸: فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن
۴۹: فہرست کتب ...... انڈیا آفس لائبریری، لندن۔
۵۰: فہرست کتب ...... رام پور لائبریری، رام پور۔
۵۱: فہرست کتب ...... مانچسٹر لائبریری
۵۲: فہرست کتب ...... طہران لائبریری۔
۵۳: فہرست کتب ...... بانکی پور لائبریری (خدا بخش لائبریری، پٹنہ)
۵۴: فہرست کتب ...... ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال
۵۵: فہرست کتب ...... رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔
۵۶: الفہرست ...... محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق، مطبوعہ بیروت۔
۵۷: الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ ...... مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی
۵۸: قاموس المشاہیر
۵۹: کامل التواریخ ...... عز الدین علی بن محمد المعروف بہ ابن اثیر الجزری۔
۶۰: کشف الظنون ...... حاجی خلیفہ (مطبع بہیہ ۱۹۴۱ء۔۱۳۶۰ھ)
۶۱: کنٹری بیوشن آف انڈو پاکستان ٹو عربک لٹریچر ...... ڈاکٹر زبید احمد۔
۶۲: ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔
۶۳: مآثر الامراء ...... صمصام الدولہ شاہنواز خان (اُردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ ناشر: مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۸ء)
۶۴: مآثر رحیمی ...... ملا عبدالقادر نہاوندی (طبع کلکتہ زیر اہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)
۶۵: مآثر عالمگیری ...... محمد ساقی مستعد خاں۔
۶۶: مآثر الکرام ...... غلام علی آزاد بلگرامی۔
۶۷: محبوب الاحباب۔

۶۸: مرآۃ العالم ...... قلمی۔ بختاور خاں۔
۶۹: مشاہیر جون پور۔
۷۰: معجم البلدان (طبع بیروت)

۷۱: معجم المطبوعات العربیہ
۷۲: مقالات منتخبہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۲۵ تا ۱۹۷۰ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)
۷۳: مقالات سیّد سلیمان ندوی ...... حصہ اوّل و دوم (دار المصنّفین اعظم گڑھ)
۷۴: مقالات مولوی محمد شفیع ...... جلد چہارم۔ مرتب: احمد ربانی ایم۔ اے (شائع کردہ: مجلس ترقی ادب، لاہور۔۱۹۷۲)
۷۵: مقدمہ تحفۃ الاحوذی ......مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری
۷۶: مقدمہ فتاویٰ عالم گیری ......مولانا سیّد امیر علی ملیح آبادی (نول کشور لکھنؤ)
۷۷: مقدمہ المتانہ فی مرمۃ الخزانہ......ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی (سندھی ادبی بورڈ، کراچی)
۷۸: منتخب اللباب ......محمد ہاشم خافی خاں۔
۷۹: نزہتہ الخواطر ......سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی۔ (طبع حیدر آباد دکن)
۸۰: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر......مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی
۸۱: وفیات الاعیان ......ابن خلکان (طبع مصر: ۱۹۴۸ء۔۱۳۶۷ھ)
۸۲: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے ...... (دار المصنّفین اعظم گڑھ)
۸۳: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے ...... (دار المصنّفین اعظم گڑھ)
۸۴: ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ......سیّد صلاح الدین عبدالرحمٰن (مطبوعہ دار المصنّفین اعظم گڑھ)
۸۵: یادِ ایام ......سیّد عبدالحی حسنی لکھنوی

شریعتِ اسلامیہ کی اصل واساس کتاب وسنت یا قرآن وحدیث ہیں۔ زمانی اور مکانی اعتبار سے مسائل میں وسعت پیدا ہوئی نیز تمدنی ارتقا نے مسائل کی نوعیت میں تنوع پیدا کیا تو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے بعد مراکزِ علمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جلد ہی عراق، شام، مصر، یمن اور برصغیر کے متعدد شہروں میں فقہی مکاتب پیدا ہوتے چلے گئے۔ خلافت فاروقی میں اسلام کی روشن کرنیں قلات اور مکران کو منور کرنے لگیں۔ برصغیر کے ساحلوں پر اسلامی فکر کے بیڑے تیرنے لگے اور دوسری صدی ہجری میں سندھ اور ہند' فقہائے اسلام اور علمائے دین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ قرآن وحدیث کے بعد فقہ علوم اسلامیہ کا گل سرسبد قرار پایا۔

لغت عرب میں ''فقہ'' کے معنی فہم وادراک اور بصیرت کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں یہ وہ علم ہے کہ جس میں کتاب وسنت اور اس پر مبنی قیاس' اجماع اور اجتہاد جیسے مصادر سے احکام ومسائل کا استنباط اور استخراج تفصیلی دلائل سے کیا جائے۔ عملی زندگی میں درپیش مسائل کے حل کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع ہی فقہ کا اصل موضوع ہے اور ایسی سرگرمیوں میں مشغول اصحاب علم کو فقہا کہتے ہیں۔ ان علمائے کرام اور فقہائے عظام نے اس علم کے اصول بھی مرتب کیے اور یوں اصول فقہ پر الگ سے کتب بھی لکھی جانے لگیں۔ اصول فقہ سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے کہ جن سے کام لے کر ایک فقیہہ احکام مرتب کرتا ہے اور ان کے دلائل کو واضح کرتا ہے۔

''برصغیر میں علم فقہ'' ممتاز محقق' مورخ' عالم اور ادیب محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ کی اوّلیں تصانیف میں سے ایک ہے' جسے اپنے فن' اسلوب اور نوعیت کے اعتبار سے اُردو زبان کی پہلی تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس میں سلطان غیاث الدین بلبن (م ۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) کے دورِ حکومت تک کے ساڑھے چار سو سالہ فقہی کاوشوں کا ایک مبسوط اور منتخب تذکرہ اور جائزہ تصور کرنا چاہیے۔ برصغیر پاک وہند میں اُردو زبان کا یہ وہ پہلا مستند اور محقق تذکرہ ہے جس میں ''الفتاویٰ الغیاثیہ'' سے ''فتاویٰ عالمگیری'' تک گیارہ مستقل فقہی کتب کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ شامل ہے۔ کتاب کے آخر میں فقہ کی ان اکیاسی عظیم کتب کا اجمالی تعارف بھی موجود ہے جو اگرچہ دنیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں لکھی گئیں مگر وہ علوم فقیہہ میں اوّلیں ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ برصغیر میں علم فقہ کی یہ وہ خشتِ اوّل تھی کہ جس کے بعد فاضل محقق اور مصنف نے ''فقہائے ہند'' کے عنوان سے اپنی تحقیقات کے انبار لگا دیئے۔ مصنف محترم نے یہ سارا کام تاریخی تسلسل اور زمانی ترتیب کے ساتھ انجام دیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مراجع اور مصادر کی ان عربی' فارسی اور اُردو کتب کی فہرست بھی فراہم کر دی گئی ہے' جس سے اس تحقیقی لوازمے کی علمی وقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بھٹی صاحب کے قلم نے تذکرہ وسوانح پر بیسیوں کتابیں رقم کی ہیں مگر اپنے منہجِ تحقیق' حصولِ مصادر' موضوعاتی ترتیب اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے پیش نظر تصنیف ان کا شاہکار (Magnum Opus) قرار دی جاسکتی ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈائریکٹر سیرۃ اسٹڈی سنٹر
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد